Presented by: Rana Jabir Abbas

اسوۂ بشریت

جلد اول

﴿خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ﴾

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تالیف

هیئت محققین مؤسسه امام المنتظر(عج)

زیر نگرانی

حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ سید نیاز حسین نقوی

ناشر: مؤسسہ امام المنتظر (عج)

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نام کتاب............اسوۂ بشریت (خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

زیر نگرانی..........حجۃ الاسلام والمسلمین آقائے سید نیاز حسین نقوی

ناشر..............مؤسسہ امام المنتظر (عج)

لیتوگرافی ، چاپ و صحافی.........وفا / جزایری

کمپوزنگ............سید قنبر علی عباس شاہ

چاپ اول ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ ق ۱۳۸۶ تعداد..............۱۲۰۰

قیمت ۴۵۰۰ تومان شابك: ٩٦٤-٧٤٠٨-٦٧-٦

مؤسسۃ الامام المنتظر (عج)

خیابان چهار مردان - کوچه ۱۷ مقابل مسجد گذر قلعه

ایران - قم

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بسم اللہ الرحمن الرحیم

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بسم الله الرحمن الرحيم

اَلسَّلامُ عَلَيْكَ يا رَسُولَ اللهِ، اَلسَّلامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا الْبَشيرُ النَّذيرُ، اَلسَّلامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا السِّراجُ الْمُنيرُ، اَلسَّلامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا السَّفيرُ بَيْنَ اللهِ وَبَيْنَ خَلْقِهِ، اَشْهَدُ يا رَسُولَ اللهِ اَنَّكَ كُنْتَ نُوراً فِي الْاَصْلابِ الشّامِخَةِ، وَالْاَرْحامِ الْمُطَهَّرَةِ، لَمْ تُنَجِّسْكَ الْجاهِلِيَّةُ بِاَنْجاسِها، وَلَمْ تُلْبِسْكَ مِنْ مُدْلَهِمّاتِ ثِيابِها، وَاَشْهَدُ يا رَسُولَ اللهِ اَنّي مُؤْمِنٌ بِكَ وَبِالْاَئِمَّةِ مِنْ اَهْلِ بَيْتِكَ مُوقِنٌ بِجَميعِ ما اَتَيْتَ بِهِ راضٍ مُؤْمِنٌ، وَاَشْهَدُ اَنَّ الْاَئِمَّةَ مِنْ اَهْلِ بَيْتِكَ اَعْلامُ الْهُدى، وَالْعُرْوَةُ الْوُثْقى، وَالْحُجَّةُ عَلى اَهْلِ الدُّنْيا، اَللّـهُمَّ لا تَجْعَلْهُ آخِرَ الْعَهْدِ مِنْ زِيارَةِ نَبِيِّكَ عَلَيْهِ وَآلِهِ السَّلامُ، وَاِنْ تَوَفَّيْتَني فَاِنّي اَشْهَدُ في مَماتي عَلى ما اَشْهَدُ عَلَيْهِ في حَياتي اَنَّكَ اَنْتَ اللهُ لا اِلـهَ اِلّا اَنْتَ وَحْدَكَ لا شَريكَ لَكَ، وَاَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُكَ وَرَسُولُكَ، وَاَنَّ الْاَئِمَّةَ مِنْ اَهْلِ بَيْتِهِ اَوْلِياؤُكَ وَاَنْصارُكَ وَحُجَجُكَ عَلى خَلْقِكَ، وَخُلَفاؤُكَ في عِبادِكَ، وَاَعْلامُكَ في بِلادِكَ، وَخُزّانُ عِلْمِكَ، وَحَفَظَةُ سِرِّكَ، وَتَراجِمَةُ وَحْيِكَ، اَللّـهُمَّ صَلِّ عَلى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ، وَبَلِّغْ رُوحَ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ في ساعَتي هذِهِ وَفي كُلِّ ساعَةٍ تَحِيَّةً مِنّي وَسَلاماً، وَالسَّلامُ عَلَيْكَ يا رَسُولَ اللهِ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكاتُهُ، لا جَعَلَهُ اللهُ آخِرَ تَسْليمي عَلَيْكَ .

مفاتيح الجنان

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حرف ناشر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین الصلوۃ و السلام علی رسولہ الکریم و علی آلہ الطیبین الطاھرین.اما بعد فقال رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم:انی تارک فیکم الثقلین ما ان تمسکتم بھما لن تضلّوا بعدی ابداً،کتاب اللہ وعترتی و انھما لن یفترقا حتی یردا علیّ الحوض

''پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں "میں تمھارے درمیان دوگرانقدر چیزیں چھوڑے جارہا ہوں،جب تک ان دونوں کوتھامے رہوگے ہرگز گمراہ نہیں ہوگے" ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری عترت یعنی اہل بیت ہیں،یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونگے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس وارد ہوں ہونگے۔

خداوند متعال کے ارشادات اور پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین کی روشنی میں یہ حقیقت عیاں ہوجاتی ہے کہ انسان کی ہدایت،فلاح و بہبود اور نجات کا دارومدار اسوہ حسنہ حضرت محمد مصطفیٰؐ کی پیروی اور قرآن و اہل بیتؑ کے ساتھ مکمل وابستگی پر منحصر ہے،یہی وجہ ہے کہ مذہب شیعہ اثناءعشریہ نے زمانے کے تلخ مصائب و مشکلات،تاریخ کے نشیب و فراز اور زندگی کے کٹھن سے کٹھن مراحل میں ہمیشہ انہی کے دامن کوتھامے رکھا اور انہیں چراغ منزل قرار دیتے ہوئے لوگوں کو انہی ہی کی جانب دعوت دی۔

عوام کو قرآن و اہل بیتؑ سے روشناس کروانے والوں میں ایک نام "مؤسسہ امام المنتظر" کا ہے جس نے انتہائی قلیل عرصہ میں قرآن و قرآنیات،سیرت معصومین اور دیگر اسلامی موضوعات پر انتہائی نفیس،قیمتی اور گرانقدر آثار اردو دان طبقہ کے سپرد کیئے،مؤسسہ امام المنتظر (عج) کی تازہ ترین پیشکش موجودہ

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کتاب ہے جو چہاردہ معصومین علیہم السلام کی سیرت طیبہ پر مشتمل ایک مفصل تحقیقی سلسلہ، اسوۂ بشریت کی پہلی کڑی ہے جس میں اسوۂ حسنہ، خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کے نقوش پیش کرنے کی سعادت حاصل کی گئی ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے نقوش کو نئی نسل کے لئے قابل فہم بنانے اور جدید تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی ضرورت ہمیشہ سے محسوس کی جاتی رہی ہے اور ہمیشہ محسوس کی جاتی رہے گی مگر مغرب کی جانب سے توہین رسالت کے افسوس ناک واقعات اور اس کے جواب میں رہبر معظم انقلاب حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای مدظلہ العالی کی جانب سے موجودہ سال ۱۳۸۵ شمسی ۲۰۰۶ء کو "سال پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" قرار دیئے جانے کے خوش آئند اقدام نے اس قسم کے کام کی ضرورت کو دوچندان کر دیا، چنانچہ مؤسسہ امام المنتظر (عج) کو سال پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوران یہ اعزاز حاصل ہوا کہ اپنے محققین کی علمی کاوش یعنی آنحضرت کی سیرت طیبہ پر مشتمل کتاب "اسوۂ بشریت" کو قارئین کے سپرد کرے، کتاب کیسی ہے؟ یہ فیصلہ آپ خود کریں اور اپنی قیمتی آراء سے نوازیں کیونکہ آپ کی تنقید، تعریف اور مشورے اس کام کو بہتر سے بہتر بنانے میں بھرپور کردار ادا کریں گے۔ یہ تحقیق حسب ذیل محققین؛

☆ محمد تقی فاضل ☆ سید اطہر حسین زیدی ☆ سید محمد حسن نقوی ☆ شاہد یکس

کی باہمی کاوش کا نتیجہ ہے، امید ہے ہماری یہ مختصر سی کاوش رسول خدا، خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے اہلبیت اطہارؑ کی بارگاہ میں شرف قبولیت حاصل کرے گی۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

مؤسسہ امام المنتظر

قم المقدسہ ایران

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

فہرست

فہرست 7

امام سجادؑ کی دعا 21

مقدمہ کتاب 25

سیرت نگاری کا آغاز 27

سیرت نگاری ابن اسحاق سے قبل 27

دوران ابن اسحاق 29

محمد بن اسحاق بن یسار 29

موسیٰ ابن عقبہ بن ابی عیاش 30

ابان بن عثمان الاحمر بجلی 30

ابن اسحاق کے بعد 31

نقلی یا منقول اسلوب 31

علمی اور تحقیقی اسلوب 32

برصغیر میں سیرت نگاری 33

خاتم الانبیاؐ اسوہ بشریت 37

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

علم وآگاہی.......... 38
ایمان ویقین.......... 39
اخلاص.......... 40
نصیحت وخیر خواہی.......... 40
محبت ودلسوزی.......... 41
خوش بینی.......... 41
صبر واستقامت.......... 42

باب اول

تاریخ عصر جاہلیت

زمانہ جاہلیت میں جزیرۃ العرب کی صورت حال.......... 45
محل وقوع:.......... 45
جاہلیت کی تعریف.......... 45
جاہلیت قرآن کی نظر میں.......... 45
زمانہ جاہلیت.......... 47
عرب.......... 48
قبیلہ.......... 48
اقوام عرب.......... 50
اعراب بائدہ.......... 50
اعراب باقیہ.......... 50

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

عرب عاربہ..........51
عرب مستعربہ..........51
قدیم حکومتیں..........52
حکومت معین..........52
حکومت حضرموت..........52
حکومت سباء..........53
حکومت حمیر..........53
حجاز تاریخی، تہذیبی اور مذہبی آئینہ میں..........55
تاریخ مکہ..........55
قصی بن کلاب کے دور میں مکہ کی صورت حال..........58
سقایت..........60
رفادت..........60
حجابت یا سدانۃ البیت..........61
قیادت..........61
لواء..........61
دارالندوۃ..........61
مکہ جناب قصی کے بعد..........62
حلف المطیبین..........63
حلف الاحلاف..........63

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہاشم بن عبد مناف.......... 64

جناب عبد المطلب.......... 66

تاریخ مدینہ.......... 67

ایام العرب.......... 71

جنگ خزاز.......... 72

جنگ بسوس.......... 73

جنگ داحس وغبراء.......... 76

جنگ فجار.......... 77

ادیان.......... 78

بت پرستی.......... 78

بت پرستی کا آغاز.......... 79

مشہور و معروف بت.......... 82

لات.......... 82

عزیٰ.......... 83

منات.......... 83

ہبل.......... 84

اساف و نائلہ.......... 84

دین حنیف یا حنفاء.......... 85

مغربی اسکالرز اور حنفاء.......... 86

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com

http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یہودیت..90
عیسائیت..91
علوم وفنون..93
شعر..93
نسب..93
ستارہ شناسی..94
انواء..94
قیافہ شناسی..95
طبابت..95
کتابت..95
زمانہ جاہلیت میں خرافات اور توہم پرستی..95
زمانہ جاہلیت میں عورتوں کا مقام..96

jabir.abbas@yahoo.com

باب دوم

خلقت سے بعثت تک

پہلی فصل: 101
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پاکیزہ شجرۂ نسب اور آباؤ اجداد کا تعارف.......101
آنحضرتؐ کا پاکیزہ شجرۂ نسب..103
آنحضرتؐ کے شجرۂ نسب کی خصوصیات..103

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

آپؐ کے شجرۂ نسب کا ذکر.......... 106
حضور کریمؐ کے اجداد کا اجمالی تعارف.......... 109
تجزیہ.......... 111
جناب الیاس بن مضر.......... 113
جناب کنانہ بن خزیمہ.......... 114
جناب نضر بن کنانہ.......... 115
جناب کعب بن لوی بن غالب.......... 115
جناب قصی بن کلاب.......... 116
جناب عبد مناف بن قصی بن کلاب.......... 118
جناب ہاشم بن عبد مناف.......... 119
جناب عبد المطلب بن ہاشم.......... 121
زمزم کی کھدائی.......... 124
جناب عبد اللہ بن عبد المطلب اور واقعہ نذر.......... 126
نذر عبد المطلب پر تبصرہ.......... 128
وضاحت.......... 129
ابرہہ کا بیت اللہ پر حملہ اور اس کا انجام.......... 134
جناب عبد اللہ بن عبد المطلب.......... 145

دوسری فصل: 147

ولادت سے جوانی تک.......... 147

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت........149
صحیح تاریخ ولادت کون سی ہے........150
محل ولادت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم........151
وقت ولادت واقعات........152
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے گرامی........156
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بچپن........160
دوران رضاعت........160
آپ کو دودھ پلانے والی شخصیات........161
ثوبیہ اوراس کی رضاعت........161
یہ بے بنیاد احادیث کیوں........166
دیگر خواتین کا رسولؐ خدا کو دودھ پلانا........168
زمانہ رضاعت کی کہانی، حلیمہ کی زبانی........170
چند اہم نکات........173
واقعہ شق صدر........176
کچھ مزید اضافات........178
چند نکات اور تبصرہ........179
جناب آمنہ کی وفات........187
دادا کی آغوش میں........187
جناب عبدالمطلب علیہ السلام کی وفات........191
حضرت ابوطالبؑ کی زیر سرپرستی........192

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

شام کا پہلا تجارتی سفر 193

چند اہم نکات 195

تیسری فصل: 203

آنحضرت کا ذریعہ معاش 203

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذریعہ معاش 205

مقدس چرواہا 205

چند نکات 207

تجارت 208

جنگ فجار 213

حلف الفضول 217

چند اہم نکات 218

شام کا دوسرا تجارتی سفر 222

چند نکات 223

چوتھی فصل: 229

شادی سے بعثت تک 229

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شادی خانہ آبادی 231

آنحضرتؐ کے صفات و شمائل 231

آپؐ کے ظاہری اوصاف 231

آنحضرتؐ کے باطنی اوصاف 233

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حضرت خدیجہؑ کا تعارف اور خصوصیات..........234
شادی کے وقت جناب خدیجہ(س) اور رسول خداؐ کی عمر مبارک..........235
شادی کی شروعات اور رسومات..........236
چند نکات..........240
ایک اعتراض اور جواب..........243
حضرت علیؑ ابن ابی طالب کی ولادت باسعادت..........246
خانہ کعبہ کی تعمیر..........249
چند نکات..........253
حضرت علیؑ کی کفالت..........255
بعثت سے قبل آپ کا دین..........259

پانچویں فصل 267

خلاصہ باب اور اسوۂ حسنہ..........269
ہماری نظر میں آنحضرت کی شخصیت..........269
بعض دیگر مورخین کی نظر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت..........273
اسوہ حسنہ..........277

تیسرا باب

از بعثت تا ہجرت

پہلی فصل: 287

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بعثت سے دعوت تک.......287
ضرورت بعثت.......289
بعثت سے قبل دنیا کی حالت.......291
جزیرۃ العرب.......291
ایران.......292
برصغیر.......292
دنیا کی عمومی صورتحال.......293
روز بعثت.......294
آغاز بعثت.......296
وحی.......297
آغاز وحی.......299
احادیث بعثت کا تنقیدی جائزہ.......301
ایک نظریہ.......305
دوانی صاحب تحریر فرماتے ہیں.......307
انقطاع وحی.......309
تجزیہ.......310
دوسری فصل: 313
دعوت سے شعب ابیطالب تک.......313
دعوت اسلام.......315

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

خفیہ دعوت اسلام...315
اولویت اسلام...318
مسلم اول شیر مرداں علی علیہ السلام...321
چند شواہد...323
والسابقون السابقون...324
بلوغ کا شاخسانہ...327
ایک قدم اور...329
دعوت ذوالعشیرہ...329
اعلانیہ "اجتماعی" دعوت کا آغاز...332
اعلانیہ دعوت سے پہلے قریش کا ردعمل...334
اعلان رسالت کے بعد قریش کا ردعمل...335
مصالحانہ کوششیں...335
استہزاء و تمسخر...338
تہمت...340
مسلمانوں پر مظالم...343
ہجرت حبشہ...343
حبشہ کا انتخاب...344
ہجرت حبشہ کے اسباب و عوامل...345
نتیجہ...348
افسانہ غرانیق...348

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

دوسری ہجرت حبشہ........351

تیسری فصل 355

شعب ابیطالب سے سفر طائف تک........355
شعب ابی طالب........357
بائیکاٹ کا آغاز........358
چند باتیں........360
واقعہ معراج........363
تبصرہ........370
عام الحزن........374
حضرت خدیجۃ الکبریٰ........374
حضرت ابوطالب........376
حضرت ابوطالبؑ اور زمانہ جاہلیت........377
اسلام، بانی اسلامؐ اور حضرت ابوطالب........378
ایمان ابوطالب........383
تصدیق قلبی........385
تصدیق باللسان........386
عمل بالارکان........388
ایمان مخفی رکھنے کا راز........389
دلائل تکفیر کا جائزہ........391

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اول...391
دوم...397
سوم...403
چہارم...404
پنجم...408
ششم...409
ہفتم...410

چوتھی فصل: 411

سفر طائف سے قبا تک...411
سفر طائف...413
تجزیہ...414
جانشینی کا فیصلہ...416
ہجرت سے قبل مدینہ کی صورت حال...418
مدینہ میں آغاز اسلام...419
عقبہ اولیٰ...420
عقبہ ثانیہ...421
قریش اور بیعت عقبہ ثانیہ...421
آغاز ہجرت...422
قتل پیامبر اکرم کی سازش...424

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

شب ہجرت 425
مدینہ روانگی 427
کتابنامہ 431

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کتاب کا آغاز صحیفہ کاملہ کی دوسری دعا سے کرتے ہیں جس میں امام علی بن الحسینؑ سید الساجدین نے دعا کے انداز میں پیغمبر اسلام کی شخصیت پر اس طرح نپے تلے الفاظ میں روشنی ڈالی ہے کہ ان کی زندگی کے تمام گوشوں کی مکمل تصویر نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے چنانچہ ان کلمات سے آپ کی ہستی کے حسب ذیل اوصاف و کمالات واضح ہوتے ہیں.

وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَعْدَ هٰذَا التَّحْمِيْدِ فِي الصَّلٰوةِ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ.

تحمید و ستائش کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام کے سلسلہ میں آپؑ کی دعاء۔

(۱) وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ مَنَّ عَلَيْنَا بِمُحَمَّدٍ نَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ دُوْنَ الْاُمَمِ الْمَاضِيَةِ وَالْقُرُوْنِ السَّالِفَةِ بِقُدْرَتِهِ الَّتِیْ لَا تَعْجِزُ عَنْ شَیْءٍ وَاِنْ عَظُمَ وَلَا يَفُوْتُهَا شَیْءٌ وَاِنْ لَطُفَ.

(۱) تمام تعریف اس اللہ تعالیٰ کے لیئے ہے جس نے اپنے پیغمبر محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے ہم پروہ احسان فرمایا جو نہ گزشتہ اُمتوں پر کیا اور نہ پہلے لوگوں پر۔ اپنی اس قدرت کی کارفرمائی سے جو کسی شے سے عاجز و درماندہ نہیں ہوتی اگرچہ وہ کتنی ہی بڑی ہو، اور کوئی چیز اس کے قبضے سے نکلنے نہیں پاتی اگرچہ وہ کتنی ہی لطیف و نازک ہو

(۲) فَخَتَمَ بِنَا عَلٰى جَمِيْعِ مَنْ ذَرَاَ وَجَعَلَنَا شُهَدَآءَ عَلٰى مَنْ جَحَدَ وَكَثَّرَنَا بِمَنِّهٖ عَلٰى مَنْ قَلَّ

(۲) اس نے اپنے مخلوقات میں ہمیں آخری اُمت قرار دیا، اور انکار کرنے والوں پر گواہ بنایا، اور اپنے لطف و کرم سے کم تعداد والوں کے مقابلہ میں ہمیں کثرت دی

(۳) اَللّٰهُمَّ فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ اَمِيْنِكَ عَلٰى وَحْيِكَ وَنَجِيْبِكَ مِنْ خَلْقِكَ وَصَفِيِّكَ مِنْ عِبَادِكَ اِمَامِ الرَّحْمَةِ وَقَآئِدِ الْخَيْرِ وَمِفْتَاحِ الْبَرَكَةِ.

(۳) اے اللہ! تو رحمت نازل فرما محمدؐ اور ان کی آلؑ پر جو تیری وحی کے امانتدار، تمام مخلوقات میں تیرے برگزیدہ، تیرے بندوں میں پسندیدہ، رحمت کے پیشوا، خیر وسعادت کے پیشرو اور برکت کا سرچشمہ تھے۔

(۴) كَمَا نَصَبَ لِاَمْرِكَ نَفْسَهٗ

(۴) جس طرح اُنہوں نے تیری شریعت کی خاطر اپنے کو مضبوطی سے جمایا

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۵) وَعَرَّضَ فِیْکَ لِلْمَکْرُوْهِ بَدَنَه' .

(۵) اور تیری راہ میں اپنے جسم کو ہر طرح کے آزار کا نشانہ بنایا

(۶) وَکَاشَفَ فِی الدُّعَاءِ اِلَیْکَ حَامَّتَه' .

(۶) اور تیری طرف دعوت دینے کے سلسلہ میں اپنے عزیزوں سے دشمنی کا مظاہرہ کیا،

(۷) وَحَارَبَ فِیْ رِضَاکَ اُسْرَتَه' .

(۷) اور تیری رضامندی کے لئے اپنے قوم قبیلے سے جنگ کی

(۸) وَقَطَعَ فِیْ اِحْیَاءِ دِیْنِکَ رَحِمَه'

(۸) اور تیرے دین کو زندہ کرنے کے لئے سب رشتے ناطے قطع کر لئے .

(۹) وَاَقْصَی الْاَدْنَیْنَ عَلٰی جُحُوْدِهِمْ .

(۹) نزدیک کے رشتہ داروں کو انکار کی وجہ سے دور کر دیا

(۱۰) وَقَرَّبَ الْاَقْصَیْنَ عَلٰی اسْتِجَابَتِهِمْ لَکَ .

(۱۰) اور دور والوں کو اقرار کی وجہ سے قریب کیا.

(۱۱) وَ وَالٰی فِیْکَ الْاَبْعَدِیْنَ .

(۱۱) اور تیری وجہ سے دور والوں سے دوستی.

(۱۲) وَعَادٰی فِیْکَ الْاَقْرَبِیْنَ

(۱۲) اور نزدیک والوں سے دشمنی رکھی

(۱۳) وَاَدْاَبَ نَفْسَه' فِیْ تَبْلِیْغِ رِسَالَتِکَ

(۱۳) اور تیرا پیغام پہنچانے کے لئے تکلیفیں اُٹھائیں

(۱۴) وَاَتْعَبَهَا بِالدُّعَاءِ اِلٰی مِلَّتِکَ

(۱۴) اور دین کی طرف دعوت دینے کے سلسلہ میں زحمتیں برداشت کیں.

(۱۵) وَشَغَلَهَا بِالنُّصْحِ لِاَهْلِ دَعْوَتِکَ

(۱۵) اور اپنے نفس کو ان لوگوں کے پند و نصیحت کرنے میں مصروف رکھا جنہوں نے تیری دعوت کو قبول کیا

(۱۶) وَ هَاجَرَ اِلٰی بِلَادِ الْغُرْبَةِ وَمَحَلِّ النَّاْیِ عَنْ مَوْطِنِ رَحْلِه وَمَوْضِعِ رِجْلِه وَمَسْقِطِ رَاْسِه وَمَاْنَسِ نَفْسِه' اِرَادَةً مِنْهُ لِاِعْزَازِ دِیْنِکَ

(۱۶) اور اپنے محل سکونت و مقام رہائش اور جائے ولادت و وطن مالوف سے پردیس کی سرزمین اور دور دراز مقام کی طرف محض اس مقصد سے ہجرت کی کہ تیرے دین کو مضبوط کریں اور تجھ سے کفر اختیار کرنے والو پر غلبہ پائیں

(۱۷) وَاسْتِنْصَارًا عَلٰی اَهْلِ الْکُفْرِ بِکَ حَتّٰی اسْتَتَبَّ لَه' مَا حَاوَلَ فِیْ اَعْدَآئِکَ

(۱۷) یہاں تک کہ دشمنوں کے بارے میں جو انہوں چاہا تھا وہ مکمل ہو گیا

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(١٨) وَاسْتَتَمَّ لَهُ مَا دَبَّرَ فِي اَوْلِيَائِكَ

(۱۸) اور تیرے دوستوں کو جنگ و جہاد پر آمادہ کرنے کی تدبیریں کامل ہو گئیں.

(١٩) فَنَهَدَ اِلَيْهِمْ مُسْتَفْتِحًا بِعَوْنِكَ وَمُتَقَوِّيًا عَلٰى ضَعْفِهِ بِنَصْرِكَ

(۱۹) تو وہ تیری نصرت سے فتح و کامرانی چاہتے ہوئے اور اپنی کمزوری کے باوجود تیری مدد کی پشت پناہی پر دشمنوں کے مقابلہ کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے

(٢٠) فَغَزَاهُمْ فِي عُقْرِ دِيَارِهِمْ

(۲۰) اور ان کے گھروں کے حدود میں ان سے لڑے

(٢١) وَهَجَمَ عَلَيْهِمْ فِي بُحْبُوحَةِ قَرَارِهِمْ

(۲۱) اور ان کی قیام گاہوں کے وسط میں ان پر ٹوٹ پڑے

(٢٢) حَتّٰى ظَهَرَ اَمْرُكَ وَعَلَتْ كَلِمَتُكَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ

(۲۲) یہاں تک کہ تیرا دین غالب اور تیرا کلمہ بلند ہو کر رہا۔ اگرچہ مشرک اسے ناپسند کرتے رہے.

(٢٣) اَللّٰهُمَّ فَارْفَعْهُ بِمَا كَدَحَ فِيْكَ اِلَى الدَّرَجَةِ الْعُلْيَا مِنْ جَنَّتِكَ

جنت میں ایسا بلند درجہ عطا کر کہ کوئی مرتبہ میں ان کے برابر نہ ہو سکے.

(٢٤) حَتّٰى لَا يُسَاوٰى فِي مَنْزِلَةٍ وَلَا يُكَافَا فِي مَرْتَبَةٍ وَلَا يُوَازِيَهُ لَدَيْكَ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ

(۲۴) اور نہ منزلت میں ان کا ہم پایہ قرار پا سکے. اور نہ کوئی مقرب بارگاہ فرشتہ، اور نہ کوئی فرستادہ پیغمبر تیرے نزدیک ان کا ہمسر ہو سکے.

(٢٥) وَعَرِّفْهُ فِي اَهْلِهِ الطَّاهِرِيْنَ وَاُمَّتِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ حُسْنِ الشَّفَاعَةِ اَجَلَّ مَا وَعَدْتَهُ

(۲۵) اور ان کے اہلبیتؑ اطہار اور مومنین کی جماعت کے بارے میں جس قابل قبول شفاعت کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے، اس وعدہ سے بڑھ کر انہیں عطا فرما،

(٢٦) يَا نَافِذَ الْعِدَةِ يَا وَافِيَ الْقَوْلِ يَا مُبَدِّلَ السَّيِّئَاتِ بِاَضْعَافِهَا مِنَ الْحَسَنَاتِ اِنَّكَ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ.

(۲۶) اے وعدہ کے نافذ کرنے والے قول کے پورا کرنے اور برائیوں کو کئی گنا زائد اچھائیوں سے بدل دینے والے بے شک تو فضل عظیم کا مالک ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

صحیفہ کاملہ امام سجادؑ کی دعاؤں کا مجموعہ ہے

امام سجادؑ کا دور امامت حالات کے اعتبار سے بہت کٹھن دور تھا آپ نے اپنے دورامامت میں نہ تو لوگوں کے ساتھ آزادانہ گفتگو کر سکتے تھے اور نہ ہی مجمع میں خطبہ دے سکتے تھے اس بناء پر آپ نے معارف دین اور اسلام سے متعلق ضروریات کو دعاؤں کے انداز میں لوگوں تک پہنچایا پس صحیفہ کاملہ نہ صرف دعاؤں کی کتاب ہے بلکہ حقیقت میں امام سجادؑ کی سیاسی واجتماعی زندگی کا ترجمان ہے۔ ہم نے کتاب اسوہ بشریت کے آغاز میں امام سجادؑ کی دوسری دعا کو بطور التاحیہ ذکر کرنے کی سعادت حاصل کی ہے جس میں امام عالی مقام نے دعا کے انداز میں پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر مکمل انداز میں روشنی ڈالی ہے جس کے اہم نکات ذیل میں بیان کر رہے ہیں۔

(۱) آپ کا وجود کائنات کی وہ عظیم ترین نعمت ہے جس نعمت سے گذشتہ امتیں محروم رہیں۔

(۲) خداوند عالم نے آپ کو تمام انبیاء کے بعد بھیجا جس کے بعد سلسلہ نبوت ختم کر دیا لہذا آپ آخری پیغمبر اور آپ کی امت آخری امت ہے اور آپ کے اہل بیت لوگوں کے اعمال کے نگران اور ان کے گواہ ہیں۔

(۳) آپ اور آپ کے اہلبیت، وحی الٰہی کے امانت دار، پاکیزہ نسب، اور برگزیدہ خلائق تھے۔

(۴) آپ رحمت ورأفت کا مجسمہ اور خیر و برکت کا سرچشمہ تھے۔

(۵) آپ نے دین خدا کی نشر واشاعت میں ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کیں اور سب رشتے ناطے قطع کر لیے۔

(۶) آپ نے اللہ تعالیٰ کی رضامندی میں اپنے قوم وقبیلے سے دشمنی کا مظاہرہ کیا اور جنگ کی۔

(۷) آپ کی دوستی اور دشمنی کا معیار صرف ایمان وعمل صالح ہے اور اس سلسلے میں اپنے اور بیگانے میں کوئی امتیاز اور تفرقہ روا نہیں رکھا۔

(۸) آپ نے تبلیغ احکام اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جان نثاری کی۔

(۹) آپ نے دین کی خاطر دکھ سہے مصیبتیں جھیلیں اور ہجرت اختیار کی۔

(۱۰) آپ نے اپنی صلاحیت نظم ونسق سے مسلمانوں کی شیرازہ بندی کی اور ان کی فلاح ونجاح کا سامان کیا۔

(۱۱) آپ ہر طرح کے خطرات کا مقابلہ کرتے ہوئے دشمنوں سے صف آرا ہوئے اور کسی موقع پر اپنی قوت و طاقت پر بھروسا نہیں کیا۔ بلکہ آپ ہمیشہ خدا کی نصرت وتائید کے خواہاں اور اس کی مدد کے طالب رہے۔

(۱۲) آپ کو حسن نیت وعمل کی بدولت کامیابی نصیب ہوئی۔

(۱۳) بالآخر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کے اہلبیت کو قبولیت شفاعت کے درجے پر فائز کیا۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مقدمہ کتاب

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہ وروش اور حالات زندگی کو سیرت کہا جاتا ہے، سیرت پیغمبر اکرم سے آشنائی اور اسے نمونہ عمل بنانے کا حکم قرآن مجید میں دیا گیا ہے چنانچہ ارشاد رب العزت ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ اسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيرًا﴾ ۱

(یقیناً تم میں سے اس کے لیے اللہ کے رسول کی حیات طیبہ بہترین نمونہ عمل ہے جو اللہ اور روز قیامت سے امیدیں وابستہ کیے ہوئے ہے اور اللہ کا بہت زیادہ ذکر کرتا ہے۔)

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ..﴾ ۲

(اے رسول کہہ دیجئے کہ اگر تم لوگ اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، خدا بھی تم سے محبت کرے گا۔) اس کے علاوہ معصومینؑ اور عقل سلیم نے بھی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کی پیروی کا حکم دیا ہے، نیز راہنماؤں کے گفتار و کردار کا گہرا مطالعہ اس لحاظ سے بھی ضروری ہے کہ ان کے کردار اور گفتار میں سچائی اور گفتار کے ساتھ کردار کی سازگاری کو دیکھتے ہوئے آگاہانہ طور پر اس شخصیت کی تعلیمات اور طرز زندگی کی پیروی کی جا سکے۔

مذکورہ وجوہات کی روشنی میں مسلمان شروع ہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و افعال کی جانب توجہ کرتے اور دوسروں کو بھی ان گہرائیوں سے آگاہ کرتے، گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہی میں تدوین ہونا شروع ہو گئی تھی البتہ سیرت کا یہ مجموعہ صحابہ کرام کے ذہنوں میں محفوظ تھا جسے وہ اپنی یادداشت کے زور پر دوسروں تک پہنچایا کرتے تھے، علاوہ ازیں سیرت طیبہ کا ایک حصہ

۱۔ سورۃ احزاب آیت ۲۱

۲۔ سورۃ آل عمران آیت ۳۱

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

قبیلہ پرستی، سیاسی مصلحتیں، قصہ گوئی اور اس قسم کے دیگر عناصر نظر آتے ہیں۔

سیرت کے سلسلہ میں مذکورہ عوامل کو مدنظر رکھتے ہوئے سیرت کے طبقات اور سیرت نگاری کے عملی آغاز پر روشنی ڈالتے ہیں۔

سیرت نگاری کا آغاز:

سیرت پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلہ میں قدیمی ترین کتاب " السیرۃ النبویہ " ابن اسحاق شمار ہوتی ہے اور ابن اسحاق ہی کو ایک لحاظ سے سیرہ نگاری کا بانی کہا جاتا ہے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ سیرت کے طبقات کو ابن اسحاق ہی کے ذریعہ درج ذیل صورتوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

☆ ابن اسحاق سے قبل سیرۃ نگاری۔

☆ سیرۃ نگاری ابن اسحاق۔

☆ ابن اسحاق کے بعد سیرۃ نگاری۔

الف: سیرت نگاری ابن اسحاق سے قبل:

مذکورہ تقسیم کی بنیاد پر سب سے پہلے یہ سوال پیش آتا ہے کہ ابن اسحاق سے قبل سیرت نگاری نے کون سے مراحل طے کیے اور آیا کوئی مکتوب اثر مسلمانوں کے حوالہ کیا گیا ہے یا نہیں؟

سیرت نگاری کا عملی آغاز، نقل حدیث پر سے پابندی اٹھنے کے بعد ہوا البتہ اس سے قبل بھی کچھ لوگ حکومت کے مزاج کے خلاف، نقل حدیث اور سیرت نگاری میں مشغول نظر آتے ہیں چنانچہ سلیمان بن عبدالملک اپنی ولایت عہدی کے دور میں مدینہ آیا تو سیرت نبوی کے بارے میں دلچسپی کا اظہار کیا اور ابان ابن عثمان سے کہا کہ اس سلسلہ میں کچھ لکھ دو، ابان نے کہا میرے پاس کچھ صفحات پر مشتمل ایک کتاب ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات زندگی پر محیط ہے، سلیمان نے فوراً چند آدمیوں کو حکم دیا کہ اس کتاب سے نسخہ برداری کی جائے، نسخہ برداری مکمل ہونے کے بعد سلیمان نے کتاب پڑھی تو اس میں انصار کے فضائل

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بھی موجود تھے جو سلیمان کی طبیعت پر نہایت ناگوار گزرے، سلیمان نے کہا کہ میرا نہیں خیال کہ انصار اس قسم کے فضائل کے حامل ہوں۔

اور حکم دیا کہ یہ تمام نسخے نذر آتش کر دیئے جائیں اور ابان سے کہا کہ اگر میرے باپ (خلیفہ عبدالملک بن مروان) نے اجازت دی تو دوبارہ نسخہ برداری کرواؤں گا(۱)۔

ابان بن عثمان کے علاوہ پہلی صدی ہجری میں عروۃ بن زبیر کا بھی نام لیا جاتا ہے، حتیٰ کہ واقدی کے بقول" "اول من صنف فی المغازی" یعنی عروۃ ابن زبیر وہ پہلا شخص ہے جس نے مغازی کے سلسلہ میں کتاب تحریر کی۔ سہل بن خثیمہ، وھب بن منبہ اور بعض دیگر (۲) افراد کا نام بھی لیا جاتا ہے جنہوں نے اس سلسلہ میں قدم اٹھایا۔

دوسری صدی ہجری کے آغاز میں نقل حدیث پر سے پابندی ختم ہوتے ہی بہت زیادہ تیزی سے روایات سیرت واحادیث اکٹھا ہونا شروع ہوئیں، اس دوران سیرہ نگاری کے میدان میں ابن شہاب زہری پیش پیش نظر آتے ہیں۔ چنانچہ طبری، زہری کے بارے میں کہتے ہیں کہ کان مقدما فی العلم بمغازی رسول الله، زہری نے سیرہ کے سلسلہ اتنی کثیر تعداد میں روایات نقل کی ہیں کہ موجودہ دانشمند یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ سیرت کی کتابیں درحقیقت زہری کی محنتوں کا نتیجہ ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ سب کچھ ہونے کے باوجود بھی کسی کی کتاب یا نوشتہ ابن اسحاق کی کتاب کی جگہ نہ لے سکا اور سیرت کے باب میں ابن اسحاق کا نام ہمیشہ جگمگاتا رہے گا۔

زہری کے علاوہ بھی بہت سے افراد سے مثلاً یعقوب بن عتبہ وغیرہ کے نام بھی لئے جاتے ہیں۔

یہاں ایک نکتہ کی جانب اشارہ کر دیں تو نہایت مناسب ہوگا کہ سیرۃ نگاری کے مذکورہ افراد کا ذکر ہم صرف

۱۔ الموفقیات ص ۳۳۲

۲۔ تاریخ التراث العربی سزگین، اکثر افراد کے بارے میں وضاحت موجود ہے۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سیرت کے آغاز کے حوالہ سے کر رہے ہیں۔اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ان افراد کی جانب سے نقل ہونے والی سیرت صد در صد حقیقت پر مبنی ہے، نہیں، ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ بہت سے افراد نے قبائلی تعصب، خاندانی بڑے پن اور علاقائی وابستگیوں کے پیش نظر سیرت میں تحریف سے کام لیا ہے۔

ب: دوران ابن اسحاق:

سیرت نگاری کا سب سے اہم دور یہی ہے کہ آج تک سیرت کے سلسلہ میں لکھے جانے والے تمام آثار اس دور کے مرہون منت ہیں، عام طور پر مذکورہ طبقہ میں تین افراد کے نام کثرت سے دیکھنے میں آتے ہیں، محمد بن اسحاق، موسیٰ بن عقبہ اور ابان بن عثمان۔

آیئے! مذکورہ افراد کا ایک مختصر سا تعارف پیش کرتے ہیں:

ا۔ محمد بن اسحاق بن یسار مطلبی حوالہ ۸۱۔۸۵ھ متوفی ۱۵۰۔۱۵۱ھ

مدینہ میں نشو ونما پانے والی اس شخصیت نے سیرت کے سلسلہ میں صرف مدینہ کے علماء و دانشوروں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مختلف علاقوں کا سفر کیا اور سیرت کے سلسلہ میں اپنی کتاب جاوداں کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزار نہیں کیا چنانچہ مدینہ کے علاوہ ایک طویل مدت مصر میں گزاری اور وہاں یزید بن حبیب متوفی ۱۱۷ھ کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کیا (۱) بنی عباس کی فتح کے بعد عراق کا رخ کیا اور وہاں اپنی معروف کتاب کو آخری شکل دی جو بعد میں کوفہ میں نسخہ برداری ہوئی اور پھر عالم اسلام میں پھیل گئی، ابن اسحاق کی سیرت میں بعض ایسی باتوں کی موجودگی کی بناء پر جو بہت سی طبیعتوں پر ناگوار گزرتی تھیں خصوصاً فضائل اہل بیتؑ وغیرہ، ابن ہشام نے سیرت کا خلاصہ کیا اور آج وہی خلاصہ ہمارے سامنے موجود ہے۔

ابن اسحاق کے بارے میں آج بھی مؤرخین و محدثین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ کچھ لوگ ابن اسحاق کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ تاریخ و سیرت میں ابن اسحاق کی روایت قبول کی

۱۔ مقالہ و دراسۃ فی سیرۃ النبی ص ۱۱۷

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

جاسکتی ہے مگر فقہ واحکام میں ابن اسحاق کی کوئی حیثیت نہیں، کچھ لوگ ابن اسحاق کو یہودیوں اور عیسائیوں سے روایات نقل کرنے پر ناسزا کہتے ہیں تو کچھ فضائل اہل بیتؑ بیان کرنے پر تشیع کا لیبل لگا کر نا قابل اعتبار گردانتے ہیں(۱) لیکن اس کے باوجود اس کی اہمیت اور عظمت اپنی جگہ پر باقی ہے۔

۲۔ موسیٰ ابن عقبہ بن ابی عیاش متوفی ۱۴۱ھ۔

زہری کا معروف شاگرد اور آل زبیر سے وابستہ موسیٰ بن عقبہ نے ابن اسحاق سے ہٹ کر سیرت ومغازی میں کام کیا، بڑھاپے میں سیرہ نگاری کا آغاز کیا یہی وجہ ہے کہ مالک بن انس کہتے ہیں" علیکم بمغازی موسیٰ بن عقبہ فانہ ثقۃ" (۲) یعنی موسیٰ بن عقبہ کی سیرت ومغازی کی جانب رجوع کرو کیونکہ وہ ثقہ ہیں لیکن موسیٰ بن عقبہ کی کتاب زیادہ شہرت حاصل نہ کر سکی۔

البتہ علاوہ ازیں موسیٰ بن عقبہ کی جانب بعض محدثین کے رجحان کے دیگر اسباب بھی ہیں جنھیں بیان کرنا فی الحال ہمارے دائرہ بحث سے خارج ہے۔

۳۔ ابان بن عثمان الاحمر بجلی: متوفی ۱۷۰ھ تقریباً۔

کوفہ میں ساکن قبیلہ بجلیہ کے چشم وچراغ جنھیں علماء نے اصحاب اجماع میں شمار کیا ہے، ابان کی کتاب ایک محدود حلقہ میں رہی البتہ اس کے باوجود عالم اسلام کے بڑے بڑے مورخین اس کتاب سے استفادہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، ابان بن عثمان کی کتابیں آج موجود نہیں بلکہ مختلف تراشے ہیں جو بعد والی کتابوں میں پائے جاتے ہیں اور انہی تراشوں کو جوڑ کر جناب رسول جعفریان صاحب نے المبعث والمغازی کے نام سے پیش کیا ہے۔

۱۔ منابع تاریخ اسلام ص ۵۶ بہ بعد

۲۔ تہذیب الکمال ج ۲۹ ص ۱۱۹

Presented by: Rana Jabir Abbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ج:ابن اسحاق کے بعد:

ابن اسحاق کے بعد سیرۃ نگاری مسلمانوں کے اندر تیزی سے رائج ہونے لگی یہاں تک کہ اگر کوئی شخص کتاب لکھتا تو تبرکاً آنحضرتؐ کی زندگی کی جانب ضرور اشارہ کرتا یہی وجہ ہے کہ ابن اسحاق کے بعد جہاں سیرۃ نگاری پر متعدد آثار قلمبند ہوئے وہیں کتب تاریخ وتذکرہ نویسی بھی آپؐ کے ذکر سے خالی نظر نہیں آتیں، اس سلسلے میں تاریخ طبری، تاریخ یعقوبی، سیرۃ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ ابن کثیر، سیرہ حلبیہ، سیرۃ زینی دحلان، المغازی واقدی، الروض الانف اور تاریخ الخمیس وغیرہ کا نام زبان زد خاص وعام ہے البتہ ان کتب کے علاوہ دیگر کتب بھی ہیں جن کے تذکرے اور توصیف کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

ابن اسحاق کے بعد کتب سیرت کا ایک تانتا سا بندھ گیا اور ہر مکتب فکر کے ہر طبقے نے اپنے طرز فکر کے مطابق پیارے نبی کی سیرت لکھنے کی کوشش کی، جس کی وجہ سے تاریخ خاص کر سیرت النبی کا اسلوب تحریر بھی بدلتا گیا جن میں سے دو اسلوب کی مختصر وضاحت ضروری محسوس ہوتی ہے۔

ا۔نقلی یا منقول اسلوب:

اس اسلوب میں عصر پیغمبر اکرمؐ سے مربوط واقعات، اقوام یا شخصیات وغیرہ کا ذکر ہوتا ہے لیکن ان کی صحت یا سقم کے متعلق کوئی وضاحت یا تبصرہ وغیرہ نہیں پایا جاتا گذشتہ لوگوں کی کتب سیرت اسی قسم سے تھیں ان میں سیرۃ ابن اسحاق، سیرہ ابن ہشام، تاریخ طبری وغیرہ کا نام لیا جا سکتا ہے بعض مورخین صرف انہی واقعات کو نقل کرتے تھے جو ان کے نظریات سے میل کھاتے تھے اس کی دلیل سیرۃ ابن ہشام کا مقدمہ ہے۔ اسی بناء پر مورخین اور سیرۃ نویسوں نے بھی تاریخ کی کانٹ چھانٹ اور تحریف میں اپنا علیحدہ کردار بھی ادا کیا، لیکن پھر جو مطالب کتب میں تحریر ہو گئے وہ وحی منزل کی طرح صحیح اور ناقابل تنقید بن گئے اور اسی سے سوء استفادہ کرتے ہوئے بعض مغربی اسکالرز اور اسلام دشمنوں نے مسلمانوں اور پیغمبرؐ اسلام کے خلاف زہر اگلنا شروع کر دیا جس کی وجہ سے مسلمانوں پر ان واقعات کی جرح وتعدیل ضروری ہو گئی۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۲۔علمی اور تحقیقی اسلوب:

اس میں نہ صرف گذشتہ اقوام، واقعات یا شخصیات وغیرہ کا ذکر ہوتا ہے۔ بلکہ ان واقعات پر کسی نہ کسی لحاظ سے تجزیہ وتحلیل، تشریح یا جانچ پڑتال وغیرہ کا کام بھی ہوتا ہے، خاص کر سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلے میں یہ بھی پرکھا جاتا ہے کہ کیا یہ سیرت قرآن، عقل اور خودان کے فرامین کے مطابق بھی ہے یا نہیں؟ اور متضاد احادیث وروایات کی موجودگی میں ترجیح عقل وآیات کی کسوٹی پر پورا اترنے والی روایت کو دی جاتی ہے جس کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ مزید نکھر کر سامنے آتی ہے۔ اور تاریخ وسیرت کی یہ قسم سب سے مشکل اور کٹھن ہوتی ہے

اس لئے کہ ایک محقق کو نہ صرف سیرت سے متعلق تمام واقعات، اور احادیث وروایات کو نئے سرے سے یکجا کرنا پڑتا ہے بلکہ ان تمام چیزوں کو عقل، قرآنی تعلیمات اور فرامین رسولؐ پر پرکھنا پڑتا ہے بلکہ ضرورت پڑنے پر ان روایات کی اسناد کی جانچ پڑتال بھی کرنی پڑتی ہے اور اسے تمام اغراض ومقاصد سے بالاتر ہو کر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح سیرت بیان کرنی پڑتی ہے۔

اس باب میں اگرچہ بعض مؤرخین نے پہلے بھی قلم فرسائی کی ہے لیکن وہ اپنے ذاتی اغراض سے کبھی بھی جدا نہ ہو سکے جس کی وجہ سے انہوں نے اپنی تحقیق کو اپنے اغراض واہداف کی نذر کر دیا، ان میں سیرۃ حلبی کا نام قابل ذکر ہے۔ تعجب اور حیرانگی کی بات تو یہ ہے کہ بعض محققین اپنی تحقیق میں اس نتیجہ پر پہنچے کہ فلاں بات، واقعہ یا مطلب صحیح نہیں ہے مگر اس کے باوجود ان لوگوں کا کہنا ہے کہ چاہے یہ صحیح نہ بھی ہو لیکن چونکہ ہماری معتبر کتابوں میں یہ بات آچکی ہے اس لئے اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ شاید یہ ہماری فہم کا قصور ہے کہ ہم یہ بات نہیں سمجھ سکے، واقعہ شق صدر اور واقعہ غرانیق اس کی عمدہ مثالیں ہیں، بہرصورت اس دور میں عظیم محقق علامہ جعفر مرتضی عاملی کی کتاب الصحیح من سیرۃ النبی الاعظمؐ، ابوریہ کی کتاب اضواء علی السنۃ المحمدیہ، رسول جعفریان کی تاریخ سیاسی اسلام کو اور چند دیگر کتب کو تحقیقی وتحلیلی اسلوب کا آئینہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com

http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

برصغیر میں سیرت نگاری :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت سے آشنائی کی ابتدا برصغیر میں صوفیاء، اولیاء اور مبلغین کے ذریعہ ہوئی یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے برصغیر کے تازہ مسلمانوں کو آنحضرت کی زندگی کے بعض گوشوں سے روشناس کروایا، دوسرے مرحلہ میں جب اسلام یہاں پوری طرح جلوہ فگن ہوا تو عربی و فارسی کتب کے ذریعہ سیرت سے آشنائی کے مزید دروازے کھلے مزید یہ کہ چونکہ علمی وثقافتی زبان فارسی شمار ہوتی تھی بلکہ ایک عرصے تک سرکاری زبان بھی رہی لہذا یہاں کے باسیوں نے بھی اسی زبان کو ذریعہ بیان قرار دیا اور اس زبان میں آنحضرتؐ کے حالات زندگی قلم بند کئے۔

برصغیر میں سامراجی قبضہ کے دوران ایک طرف اردو زبان اپنے تکمیلی مراحل طے کر رہی تھی اور دوسری طرف مسلمان آہستہ آہستہ اپنی ثقافت سے دور ہو رہے تھے، یہ وہ مرحلہ تھا جہاں شدت کے ساتھ اردو زبان میں سیرہ نویسی کی ضرورت محسوس کی گئی اور سیرہ نویسی کی اہمیت اس وقت دو چنداں ہوگئی جب مغربی اسکالرز کی تحقیقات کا اردو میں ترجمہ ہوا اور بہت سے شکوک وشبہات مسلمانوں کے ذہن میں سر اٹھانے لگے چنانچہ سر سید احمد خان کی کتاب سیرت محمدی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

اس کے بعد سیرہ نویسی کے ایک نہ تھمنے والے سلسلے کا آغاز ہوتا ہے جس میں شبلی نعمانی کی سیرۃ النبی، سید اولاد حیدر بلگرامی کی اسوۂ رسول یا ولی رازی کی اچھوتی تحریر ہادی عالم (سیرت پر اردو زبان میں واحد ایسی کتاب ہے جس میں کوئی نقطہ موجود نہیں ہے) علامہ طالب حسین کرپالوی کی تیس سے زیادہ جلدوں پر مشتمل کتاب سیرۃ النبی قابل ذکر ہیں۔

سلسلہ سیرت کے انہی ان گنت آثار میں اسوۂ بشریت سے موسوم یہ کتاب ایک خوبصورت اضافہ ہے، تقریبا تین سال قبل ۲۰۰۳ء میں مؤسسہ امام المنتظرؑ کے سربراہ حجۃ الاسلام والمسلمین جناب قاضی سید نیاز حسین نقوی دام ظلہ العالی نے حوزہ علمیہ قم کے بعض فضلاء کے ساتھ منعقدہ ایک نشست میں مؤسسہ کے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اہداف کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اردو زبان میں سیرت معصومین علیہم السلام کے بارے میں علمی و تحقیقی کام کرنے کی تاکید فرمائی۔ اس کے بعد اس نشست کے فضلاء پر مشتمل ایک علمی اور تحقیقاتی کمیٹی نے سیرۃ النبیؐ کے موضوع پر کام شروع کیا، جس میں جناب سید محمد حسن نقوی صاحب، جناب اظہر حسین زیدی صاحب، جناب شاہد رئیس صاحب اور جناب محمد تقی فاضل صاحب جیسے فضلاء عزم مصمم کی عملی تصویر بنے، سیرۃ النبی کی تکمیل تک ساتھ رہے اور بھرپور جانفشانی سے اسے مکمل کیا، جس کی پہلی جلد قارئین کے ذوق مطالعہ کی نذر ہے۔

اس کتاب کو اگر بیان واقعہ تک محدود کرنا ہوتا تو یہ کام عرصہ سے مکمل ہو چکا ہوتا مگر اردو زبان میں یہ کام تکرار مکررات کے سوا کچھ نہ ہوتا، اس لئے کہ یہ کام مختلف مکاتب فکر کے مختلف مصنفین اور مؤلفین کے قلم سے بارہا ہو چکا ہے، اس کتاب کی اہمیت اس بات میں مضمر ہے کہ واقعات کے تذکرے کے ساتھ ساتھ ان کا منصفانہ تجزیہ و تحلیل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ پہلی جلد میں مقدمہ کے علاوہ پہلا اور تیسرا باب جو بالترتیب زمانہ جاہلیت اور آنحضرت کی بعثت سے ہجرت تک کے واقعات پر مشتمل ہے، حجۃ الاسلام سید اظہر حسین زیدی صاحب کے قلم گوہر بار کا شاہکار ہے۔ دوسرے باب میں رسول خداؐ کی ولادت سے بعثت تک کے حالات و واقعات کا تجزیہ ہے جو حجۃ الاسلام جناب محمد تقی فاضل صاحب کی عرق ریزی کا نتیجہ ہے جبکہ پروف ریڈنگ، تجدید منابع اور ان منابع کی یکساں سازی کی کٹھن ذمہ داری حجۃ الاسلام جناب شاہد رئیس کے کاندھوں پر آئی وہ بھی اس مشکل مرحلے کی ذمہ داری سے بخو احسن عہدہ برآ ہوئے حالانکہ دوسرے باب کی تیاری میں بھی انہوں نے بہت زیادہ محنت اور جانفشانی کے ساتھ کام انجام دیا، کتاب کی تیاری کے دوران محققین کو جس بات یا واقعہ کے متعلق کسی وضاحت طلب نکتہ کا سامنا ہوتا تو ہفتہ وار نشست میں اس پر غور و خوض کیا جاتا اور دلائل اور قرائن و شواہد کی روشنی میں کسی مناسب نتیجہ پر پہنچا جاتا تھا اور محققین کی مختلف ذاتی اور قومی مصروفیات کے باوجود الحمد للہ کتاب کی پہلی جلد منظر عام پر آرہی ہے۔

کتاب تیاری کے آخری مراحل میں تھی کہ مغربی ممالک میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توہین

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

آمیز خاکوں کی اشاعت کا افسوس ناک واقعہ پیش آیا جس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے آزادی کے دعویدار مغربی ممالک میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دینی راہنماؤں کی توہین کو آزادی بیان کا ناگزیر حصہ سمجھا جاتا ہے جبکہ ہولوکاسٹ کے انکار اور مغربی بربریت کے بارے میں لب کشائی قابل سزا جرم ہیں۔ بہرحال اہل مغرب کی اس گستاخی نے مسلمانوں بلکہ دیگر مذاہب کے حقیقت کے متلاشی روشن فکر افراد کو خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کے گہرے مطالعہ کی طرف راغب کیا ہے اور

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

کے مصداق بہت سے وسیع النظر افراد نے مغرب کی اطاعت کو چھوڑ کر اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کا عزم مصمم کرلیا ہے۔ اور ﴿ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِکْرِ اللّٰهِ ﴾ کی آیت پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ مسلمانوں کو دل کی آنکھیں کھول کر مغرب پرستی کی قید سے نکل آنا چاہیے اور اپنے رہبر اور راہنما کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کر کے اس کی پیروی کرنا چاہیے۔ خدا ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح تاریخ اور سیرت کو سمجھ کر اس کی صحیح معنوں میں پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔ اور اسی مناسبت کی وجہ سے اسلامی جمہوریہ ایران میں عالم اسلام کے روحانی پیشوا، ولی امر مسلمین حضرت آیۃ اللہ العظمی سید علی خامنہ ای نے نئے سال ۲۰۰۶ء ۱۳۸۵ شمسی کو پیغمبر اکرمؐ کے نام نامی سے منسوب کر کے مسلمانوں کے دلوں میں امید کی ایک شمع جلائی اور کتاب کے محققین کو ایک نیا عزم اور حوصلہ عطا کیا اور اب دوسری جلد کے لئے نئے جوش اور ولولے سے کام شروع ہے۔ امید ہے کہ یہ کاوش سنجیدہ قارئین کو پسند آئے گی اور معصومینؑ خاص کر رسولؐ خدا کے حضور شرف قبولیت حاصل کرے گی۔

حتی المقدور اغلاط کی تصحیح اور جانچ پڑتال میں دقت نظر سے کام لیا گیا ہے لیکن اسکے باوجود ممکن ہے اغلاط موجود ہوں اپنے مفید مشوروں اور اصلاحی آراء کے ذریعہ ہماری راہنمائی فرمائیں گے۔

موسسہ امام المنتظر (عج) قم المقدسہ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

خاتم الانبیاءؐ اسوہ بشریت

بشریت کی فلاح وسعادت کے لیے ابتدائے تاریخ سے آج تک بہت سے اصول ونظریات پیش کیے گئے، بہت سے ادیان ومکاتب نے انسانیت کی نجات کا بیڑا اٹھانے کا دعویٰ کیا، بہت سے افراد و شخصیات نے بشریت کی قیادت کا بار اٹھانے کی کوشش کی مگر نہ کوئی انسانیت کی مادی ومعنوی مشکلات سے عہدہ برآ ہوسکا اور نہ ہی کوئی انسان کی دینوی واخروی حیات کے لیے مناسب لائحہ عمل پیش کرسکا۔

اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ غیر الٰہی مکاتب عموماً کسی خاص معاشرتی مسئلہ کے نتیجہ میں وجود میں آتے ہیں، اسی وجہ سے ان کی پیش کردہ تعلیمات بھی معاشرے کی اسی خاص مشکل کا عارضی حل ہوتی ہیں جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بوسیدہ ہوجاتی ہیں اور وہ مکتب معاشرتی مسائل کی چارہ جوئی کرنے سے قبل ہی بذات خود ایک مشکل کا روپ دھار جاتا ہے۔

مذکورہ مکاتب کی دوسری اور سب سے اہم مشکل "نمونہ عمل" اور "اسوہ" کا نہ ہونا ہے، یعنی یہ مکاتب ایسی شخصیات سے محروم ہوتے ہیں جو انکی پیش کردہ تعلیمات پر عمل پیرا ہوں اور یہ بھی ایک حقیقت

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہے کہ تصوری پیش کرنا نسبتاً آسان ہے اور اس پر عمل پیرا ہونا نہایت مشکل ہے۔

کسی بھی مکتب یا دین کی تعلیمات اس وقت تک بے جان، خشک اور نا قابل عمل شمار ہوتی ہیں جب تک اسوہ، نمونہ عمل یا ماڈل ہمراہ نہ ہو، کیونکہ اسی اسوہ اور ماڈل کو دیکھ کر لوگوں میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ یہ تعلیمات نا قابل عمل نہیں ہیں بلکہ ان پر عمل پیرا ہو کر حقیقی سعادت اور خوش بختی حاصل کی جا سکتی ہے۔

لہذا خداوند متعال نے بشریت کو فلاح و سعادت اور نجات سے ہمکنار کرنے کے لیے لائحہ عمل اور نمونہ عمل ساتھ ساتھ بھیجے، چنانچہ ارشاد رب العزت ہے ﴿اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ﴾ دین خدا کے نزدیک صرف اسلام ہے اور نمونہ عمل کے بارے میں ارشاد فرمایا ﴿لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنۡ کَانَ یَرۡجُوا اللّٰہَ وَ الۡیَوۡمَ الۡاٰخِرَ وَ ذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیۡرًا﴾ (۱) یقیناً رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے لیے بہترین نمونہ عمل ہیں اور ان لوگوں کے لیے جو خدا اور روز قیامت سے امید وابستہ کئے ہوئے ہیں اور بہت زیادہ ذکر خدا کرتے ہیں۔

خداوند عالم کی جانب سے پیش کردہ نمونہ عمل اور اسوہ کامل میں وہ شرائط اور خصوصیات موجود ہیں کہ جو کسی انسان میں تصور کی جا سکتی ہیں اور جنہیں مشعل راہ بنا کر ابدی سعادت کی جانب گامزن ہوا جا سکتا ہے، آئیے! ان میں سے بعض خصوصیات کی جانب مختصر سا اشارہ کرتے ہیں:

علم و آگاہی: کسی بھی مکتب میں اسوہ اور ماڈل وہی شخصیت قرار پا سکتی ہے جو اس مکتب کی تعلیمات سے کاملاً آشنا ہو اور اس کے بعد عمل کے ذریعہ لوگوں کو اس مکتب کی پیروی کی دعوت دے، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ علم و آگاہی کا شاہکار ہے اور لوگوں میں علم و آگاہی کے شعور کو پروان چڑھاتی ہے چنانچہ تاریخ میں ملتا ہے کہ جس دن پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند کا انتقال ہوا اتفاق سے اسی دن سورج گرہن بھی ہو گیا، بعض لوگوں نے آپؐ کے فرزند کے انتقال پر سورج گرہن کو آپ کی حقانیت

۱۔ سورہ ۳۳ احزاب آیت ۲۱

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کی دلیل سمجھا اور مائل بہ اسلام ہوئے تو آنحضرتؐ نے انھیں واضح الفاظ میں سمجھا دیا کہ سورج اور چاند خدا کی آیات ہیں جو اس کے قانون کے تحت رواں ہیں اور سورج گرہن و چاند گرہن اسی قانون کا حصہ ہیں، جن کا میرے فرزند کی وفات سے کوئی تعلق نہیں۔

خداوند عالم بھی علم و آگاہی کو بہت اہمیت دیتا ہے اور پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمان دیتا ہے کہ: ﴿قُلْ هَـٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي. ۱﴾ ''اے رسول کہہ دو کہ یہ ہے میرا راستہ، میں اور میرے پیروکار مکمل بصیرت اور آگاہی کے ساتھ خدا کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

ایمان و یقین: اسوہ ہونے کے لیے دوسری شرط اور خصوصیت ایمان قوی اور یقین محکم ہے کیونکہ یہی وہ چیز ہے جو اتباع کرنے والوں کو استوار تر کرتی ہے اور پھر وہ لوگ جان و مال سے بھی دریغ نہیں کرتے چنانچہ ارشاد رب العزت ہے: ﴿لَـٰكِنِ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ جَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ أُولَـٰئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ وَأُولَـٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ. ۲﴾ لیکن پیامبر اکرمؐ اور وہ لوگ جو آپؐ کے ساتھ ایمان لائے، انہوں نے اپنی جان و مال کے ذریعہ جہاد کیا اور تمام نیکیاں انہی کے لیے ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔

پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ، ایمان قوی اور یقین محکم کی تصویر ہے چنانچہ جب قریش مکہ متعدد بار حضرت ابوطالبؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آنحضرتؐ کو دعوت اسلام سے دست بردار ہونے کے لیے کہا تو آپؐ نے ایمان قوی اور یقین محکم کے ساتھ ارشاد فرمایا: یا عماه الو وضعوا الشمس فی یمینی والقمر فی شمالی علی ان اترک هذا الامر. (۳)

۱۔ سورہ یوسف۔ ۱۰۸

۲۔ سورۃ توبہ آیت ۸۸

۳۔ سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۲۸۴

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

چچا جان! خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند رکھ دیں تا کہ میں دین اسلام کی تبلیغ سے دست بردار ہو جاؤں، ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔

پیامبر اکرمؐ کے اسی ایمان و یقین کا نتیجہ ہے کہ آپؐ کے حقیقی پیروکار بھی دنیا کے ہر ظلم و ستم کے سامنے ثابت قدم اور استوار ہیں۔

اخلاص:

کسی بھی مکتب میں اسوہ وہی شخص قرار پاتا ہے جو عقیدہ و عمل اور مکتب کی تبلیغ میں مخلص ہو، جس کا ہر عمل رضائے حق اور ادائے فریضہ کے تحت ہو اور اس آیت کا مصداق ہو کہ ﴿ اَلَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسَالَاتِ اللهِ وَ يَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللهَ﴾ (۱) جو لوگ خدا کی رسالت کی تبلیغ کرتے ہیں وہ سوائے خدا کے کسی سے نہیں ڈرتے" اس سلسلے میں بھی آنحضرتؐ کی ذات گرامی اسوہ کامل ہے اور آپ کی پوری حیات طیبہ صرف خدا کے لیے ہے چنانچہ ارشاد رب العزت ہے، ﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.﴾ (۲) کہہ دو کہ میری نماز و عبادت اور میری زندگی و موت سب کے سب اللہ تعالی کے لیے ہیں۔ علاوہ ازیں آنحضرتؐ تبلیغ رسالت کے سلسلہ میں کسی اجر و جزا کے منتظر بھی نظر نہیں آتے بلکہ ﴿اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللهِ﴾ کا کامل نمونہ ہیں۔

نصیحت و خیر خواہی:

اسوہ و نمونہ عمل کی ایک بنیادی خصوصیت انسانیت کی خیر خواہی ہے اور اسی خیر خواہی کے نتیجہ میں نصیحت کی جاتی ہے، پیامبر اکرمؐ کی زندگی میں نصیحت و خیر خواہی کے بہت سے نمونے دیکھے جا سکتے ہیں چنانچہ اس کی واضح سی مثال آنحضرتؐ کی جانب سے بھیجے جانے والے خطوط ہیں۔

۱۔ سورہ احزاب ۳۹

۲۔ سورۂ انعام آیت ۳۹

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

محبت ودلسوزی:

اسوہ اور نمونہ عمل افراد کی ضروری وحتمی خصوصیت محبت ودلسوزی ہے، اسوہ ہمیشہ دوسروں کی ہدایت کے لیے کوشاں اور نجات کے لیے مصروف عمل رہتا ہے، پیامبر اکرمؐ بھی ہمیشہ لوگوں کی ہدایت کے لیے سرگرم عمل رہتے اور اس حد تک زحمت برداشت کرتے کہ خداوند متعال فرماتا ہے: ﴿طٰه مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرآنَ لِتَشْقٰی. ۱﴾ اے حبیب ہم نے تمھیں زحمت ومشقت میں مبتلا کرنے کے لیے قرآن نازل نہیں کیا۔

آنحضرتؐ کی دلسوزی کے بارے میں ارشاد ہے ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ عَلٰی آثَارِهِمْ. ۲﴾ اے رسول اگر یہ امت ایمان نہ لائے تو قریب ہے کہ شدت حزن وافسوس سے تم ان کی خاطر اپنی جان دے بیٹھو۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ. ۳﴾ "تمھی میں سے ایک پیغمبر ہدایت کے لیے آیا ہے اور تمھاری پریشانیاں اس پر سخت گراں ہیں شدت محبت کی وجہ سے اور تمھاری ہدایت کے لیے حریص ہے اور مومنین کے لیے دل سوز اور رحیم ہے۔

خوش بینی:

خوش بینی وامید آنحضرتؐ کی صفات حسنہ میں سے ایک نمایاں صفت تھی جس کے تحت آپ کبھی بھی کسی کی ہدایت سے ناامید نہیں ہوتے تھے اور ابر رحمت کی طرح ہمیشہ سایہ فگن رہتے، آپ مکہ میں مسلسل تیرہ سال تک قریش کے مظالم اور سخت دلی کے مقابلہ میں ان کی ہدایت میں مصروف رہے اور کبھی بھی ان کی

۱۔ سورہ طٰہٰ آیت ۲۔۳

۲۔ سورہ کہف آیت ۶

۳۔ سورۂ توبہ ۱۲۸

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

ہدایت سے مایوس نہیں ہوئے۔

صبر و استقامت:

تبلیغ اسلام کے سلسلے میں آنحضرتؐ کی ذات والا صفات صبر و استقامت کا مجموعہ تھی کیونکہ رسول اکرمؐ ایک ایسے معاشرے میں مبعوث بہ رسالت ہوئے تھے جو جہالت اور گمراہی میں ڈوبا ہوا تھا اور نفسیاتی طور پر جاہل آسانی کے ساتھ کوئی بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے وہ صرف وہی حقیقت سمجھتے ہیں جو ان کے ذہنوں میں پہلے سے محفوظ ہوتی ہے، پیغمبر اکرمؐ ایک طرف تو ان کی ہدایت کے لیے زحمت برداشت کرتے اور دوسری طرف ان کی جانب سے تہمت و تمسخر کا نشانہ بنتے اور مختلف قسم کی اذیتوں کا شکار ہوتے مگر ان سب باتوں کے باوجود آپ صبر اور استقامت کا مظاہرہ کرتے جیسا کہ خداوند متعال بھی آپ کو حکم دے رہا ہے ﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ. ۱﴾ صبر کرو جیسے اولوالعزم انبیاء نے صبر کیا۔ ﴿اصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ. ۲﴾ "جو کچھ وہ کہتے ہیں اس پر صبر کرو اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کرو"

اسوہ بشریت کی یہ چند صفات و خصوصیات صرف مشتی از خروار کے طور پر ذکر کی ہیں کیونکہ اس وقت آپ کے ہاتھ میں "اسوہ بشریت" نامی کتاب ہے جس میں آنحضرتؐ کی سیرت طیبہ و حیات طاہرہ کے نشیب و فراز بیان کیے گئے ہیں تاکہ ہر شخص آپ کی حیات مبارکہ سے آشنائی حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ آپؐ کو ہمیشہ اپنے لیے نمونہ عمل اور اسوہ حسنہ قرار دے۔

واللہ الموفق

گروہ تحقیق: موسسہ امام المنتظر (عج) قم المقدسہ ایران

۱۔ سورہ احقاف ۳۵

۲۔ سورہ ص آیت ۱۷

Presented by: Rana Jabir Abbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

باب اول

تاریخ عصر جاہلیت

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

زمانہ جاہلیت میں جزیرۃ العرب کی صورت حال

محل وقوع:

تین لاکھ مربع کلومیٹر سے زیادہ رقبہ پر محیط جزیرۃ العرب، براعظم ایشیاء کے جنوب میں دنیا کا سب سے بڑا جزیرہ نما ہے، اس کے شمال میں عراق، اردن اور سوریہ پر مشتمل مملکت شام (۱) واقع ہے، مغرب میں بحر احمر، مشرق میں عمان و خلیج فارس اور جنوب میں بحر ہند کی نیلگوں موجیں متلاطم ہیں، بحر احمر کا ساحلی علاقہ بنجر اور شور ہے اور ساحل سے ہٹ کر خشک پہاڑوں، ریتلے ٹیلوں اور کف دست ریگستانوں کا سلسلہ حد نظر تک پھیلا ہوا ہے یہ ریگستانی و صحرائی خطہ حجاز کہلاتا ہے۔

جزیرہ نما کے درمیانی علاقہ کو جو ایک طرف سے حجاز اور دوسری طرف سے عراق سے متصل ہے "نجد" کہا جاتا ہے، حجاز اور نجد کے جنوب میں واقع زمینوں کو یمن کا نام دیا گیا ہے اور وہ تمام علاقہ جو نجد کو خلیج فارس کے ساتھ جوڑتا ہے عروض کہلاتا ہے۔

جاہلیت کی تعریف :

عام طور پر اسلام سے پہلے مگر اس سے متصل دور کو زمانہ جاہلیت سے تعبیر کیا جاتا ہے لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں گفتگو کی جائے کہ جاہلیت کا مطلب کیا ہے؟ اور جاہلیت کتنے عرصہ پر محیط ہے؟

جاہلیت قرآن کی نظر میں:

یہ کلمہ قرآن مجید کی آیات کی روشنی میں اسلام سے پہلے اعراب کی حالت پر روشنی ڈالنے کے لئے استعمال کیا

۱۔ پرانے زمانے میں عراق، اردن، شام اور فلسطین...... کے مجموعے کو مملکت شام یا شامات کہا جاتا تھا۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جاتا ہے، یوں تو قرآن مجید میں اس کلمہ کا استعمال بہت سے مقامات پر نادانی و کم علمی کے بارے میں ہوا ہے مگر چند آیات میں یہ مفہوم ذرا وسیع اور مخصوص دور سے مربوط نظر آتا ہے:

چنانچہ ارشاد رب العزت ہے: ﴿اذا جعل الذین کفروا فی قلوبھم الحمیہ حمیة الجاھلیة﴾(۱)، اور جب کافروں نے اپنے دلوں میں غیرت وحمیت اور وہ بھی، زمانہ جاہلیت والی غیرت وحمیت کو قرار دیا، ﴿و طائفة قد اھمّتھم انفسھم یظنون باللہ غیر الحق ظن الجاھلیة﴾ (۲) اور ایک گروہ صرف اپنی اپنی جان کی فکر میں تھا اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں الٹا سیدھا گمان کر رہا تھا جیسے زمانہ جاہلیت میں گمان کیا کرتے تھے۔ ﴿وقرن فی بیوتکن ولاتبرّجن تبرّج الجاھلیة الاولی﴾(۳) اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور زمانہ جاہلیت کی طرح اپنا بناؤ سنگار آشکار نہ کرو۔

آیات قرآن کے علاوہ زمانہ جاہلیت کے بارے میں آنحضرتؐ اور دیگر شخصیات کے کلام میں بھی زمانہ جاہلیت کی بازگشت سنائی دیتی ہے اور مجموعی طور پر ان تمام عقائد وآداب ورسوم کو جاہلیت کہا جاسکتا ہے جو بعثت پیامبر اکرمؐ سے قبل عرب معاشرہ کا حصہ تھیں اور اسلام نے انھیں ٹھکرا دیا۔

آیات وروایات کی روشنی میں زمانہ جاہلیت میں عرب معاشرے کی بعض عادات وخصوصیات کی جانب مختصراً اشارہ کرتے ہیں:

☆ تعصب: اپنے قبیلہ اور دیگر وابستہ افراد کی اندھی حمایت۔

☆ اللہ تعالیٰ کے بارے میں الٹے سیدھے گمان۔

☆ عفت وپاکدامنی کا خیال نہ رکھنا۔

۱۔ سورہ فتح ۲۶۔

۲۔ سورۂ آل عمران ۱۵۴۔

۳۔ سورۂ احزاب ۳۳۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

☆غلط اقداروں کی بنیاد پر جاہلانہ قضاوت کرنا۔

☆استدلال کا فقدان اور خرافات کی پیروی۔

☆آباء و اجداد پر فخر و مباہات۔

☆مال، اولاد اور رشتہ داروں کی کثرت پر فخر۔

☆غلط معیاروں پر کسی کی مدح و ہجو۔

☆انتقام کے وقت کینہ توزی و تجاوز۔

☆لاابالی پن، حلم و وقار سے دوری، بلاوجہ شدید غصہ زور زبردستی اور اس کے علاوہ دیگر موارد۔

زمانہ جاہلیت:

مؤرخین کے نزدیک بعثت سے (۱۵۰ سے ۲۰۰) سال قبل کے زمانہ کو زمانہ جاہلیت کہا جاتا ہے(۱) سورۃ احزاب آیت ۳۳ میں بیان ہونے والے زمانہ "جاہلیت اولیٰ" کے بارے میں دو نظریے پیش کئے گئے ہیں، ایک نظریہ کے مطابق حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ کے درمیانی یا حضرت موسیٰ اور عیسیٰ کے یا کسی اور نبی کے درمیانی عرصہ کو جاہلیت اولیٰ کہا جاتا ہے اور دوسرے نظریہ کی روشنی میں جاہلیت اولیٰ سے مراد وہ زمانہ ہے جو آنحضرت کی بعثت سے ۱۵۰ سے ۲۰۰ سال قبل شروع اور آپ کی بعثت کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے اور اس نظریہ کی روشنی میں بعد والی جاہلیت سے مراد وہ عرصہ اور اقدامات ہیں جو آنحضرت کی رحلت کے بعد واقع ہوئے مثلاً سقیفہ میں قبائلی تعصب یا بعد میں عرب و عجم کی تقسیم وغیرہ اور زمانہ جاہلیت بنی امیہ کے دور میں اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ نمایاں ہوتا ہے اور وہ تمام خصوصیات جو جاہلیت کے بارے میں بیان کی گئی ہیں اس عرصہ میں بخوبی دیکھی جا سکتی ہیں البتہ یہ باتیں مزید تحقیق کی محتاج ہیں جنہیں کسی اور موقع پر بیان کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ تاریخ الادب العربی، العصر الجاہلی، ۳۸، سیرۃ رسول خدا ص ۸۳۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com   http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

عرب:

لفظ عرب کے بارے میں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں بلغت میں عرب کا مطلب فصاحت و زبان آوری ہے اور چونکہ اعراب خود کو نہایت ہی فصیح و اہل زبان سمجھتے تھے یہاں تک کہ باقی دنیا ان کے نزدیک عجم و گونگی تھی۔ بعض دانشوروں کے نزدیک لفظ عرب، عربہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی صحرا کے ہیں اور چونکہ اعراب صحرائی زندگی بسر کرتے تھے لہذا انھیں عرب کہا جانے لگا، صحرائے عرب کی باسی اقوام کو نسلی یا لسانی اعتبار سے مختلف اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے ذیل میں اس بحث کے بارے میں مختصر اشارہ کرنے سے قبل اعراب کی صحرائی زندگی کی اساسی و بنیادی اکائی یعنی قبیلہ کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

قبیلہ:

عربوں نے جب بیابانوں میں زندگی کی مشکلات کا مقابلہ کیا تو انھیں یہ اندازہ لگانے میں کوئی دیر نہیں لگی کہ وہ اس وسیع ریگستان میں تنہائی کی زندگی نہیں گزار سکتے ایک تو مدنی الطبع ہونے کے ناطے سے اور دوسرا ریگستانوں کی خاص مشکلات کی وجہ سے انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ جن لوگوں کے ساتھ ان کی نسلی یا سسرالی رشتہ داری ہے ان کے ساتھ مل کر ایک گروہ تشکیل دیں جس کا نام انھوں نے قبیلہ رکھا قبیلہ ایسی مستقل اکائی تھی جس کے ذریعہ زمانہ جاہلیت میں عرب قومیت کی اساس و بنیاد تشکیل پائی جو ہر اعتبار سے خود انحصاری کا منہ بولتا ثبوت تھی۔

زمانہ جاہلیت میں عربوں کی ذاتی اقدار، قبائلی اقدار میں منحصر تھیں ہر فرد کی قدر و منزلت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاتا تھا کہ قبیلہ میں اسے کیا مقام حاصل ہے اور قبیلہ والوں پر وہ کس حد تک اثر انداز ہے دوسرے لفظوں میں اسے قبیلہ میں کس حد تک اثر و رسوخ حاصل ہے، یہی وجہ تھی کہ قدر و منزلت کے اعتبار سے سردار قبیلہ کو سب سے اونچا مقام حاصل تھا جبکہ اس کے مقابلے میں غلاموں اور کنیزوں کا شمار قبیلہ کے سب سے پست طبقے میں ہوتا تھا بلکہ یہ بھی مال کی طرح خرید و فروخت ہوتے اور وراثت میں منتقل ہوتے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

رہتے تھے یہاں تک کہ مرجاتے یا پھر اپنی آزادی کی قیمت ادا کردیتے۔

جس قبیلہ کے افراد کی تعداد جتنی زیادہ ہوتی وہ اتنا ہی عزت واحترام کا حق دار ہوتا تھا اسی وجہ سے وہ اپنے قبیلہ کی کثرت پر بھی اتراتے رہتے تھے ہر قبیلہ اپنے قبیلہ کے افراد کی تعداد کو زیادہ دکھا کر اپنی قدر ومنزلت بڑھانے کی غرض سے اپنے قبیلہ کے مردوں اوران کی قبروں کو بھی اپنی تعداد میں شامل کرنے سے دریغ نہیں کرتا تھا اور تعداد بڑھانے کی خاطر وہ قبروں کو بھی زندہ افراد کے ساتھ گنتے تھے۔

جزیرہ نما عرب کے اکثر وبیشتر لوگ اپنے مشاغل کے تقاضوں کے باعث صحرا نشینی کی زندگی اختیار کرنے پر مجبور تھے، کل آبادی کا صرف چھٹا حصہ ایسا تھا جو شہروں میں آباد تھا، شہروں میں ان کے جمع ہونے کی وجہ یا تو ان شہروں کا تقدس تھا یا یہ کہ ان میں تجارت ہوتی تھی چنانچہ مکہ کو دونوں لحاظ سے اہمیت حاصل تھی البتہ شہروں میں آباد ہونے کی ایک اور بنیادی وجہ وہاں کی زمینوں کا سرسبز وشاداب ہونا اور ان لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے ان میں پانی کے علاوہ عمدہ چراگاہوں کا وجود بھی تھا، یثرب، طائف، یمن، حضرموت اور غسان کا شمار ایسے ہی شہروں میں ہوتا تھا شہروں میں آباد لوگوں کی سطح فکر زیادہ وسیع اور بلند تھی اور ایسے مسائل کے بارے میں ان کی واقفیت بھی زیادہ تھی جن کا تعلق قبائلی مسائل سے ہٹ کر ہوتا تھا لیکن اس کے مقابلے میں عرب بادیہ نشینوں کو اپنے خالص لب ولہجے اور قومی عادات واطوار نیز قبائلی اقدار کی حفاظت کے لحاظ سے شہرنشین عربوں کی نسبت اچھا سمجھا جاتا تھا، اسی لئے عرب کے شہری اپنے بچوں کو چند سال کے لئے صحراؤں اور دیہاتوں میں بھیجتے تھے تاکہ وہاں ان کی پرورش اسی ماحول اور تہذیب وثقافت میں ہو، صحرا نشین لوگوں کو شہریوں کے مقابلے میں زیادہ آزادی حاصل تھی۔

اپنے قبیلے کی مفادات کی خاطر ہر شخص کو یہ حق حاصل تھا کہ عملی طور پر جو چاہے کرے۔ اس معاملے میں اہل قبیلہ بھی اس کی مدد کرتے تھے، اسی لئے دوسروں سے جنگ وجدال اور دشمن کے مال ودولت کی لوٹ مار ان کے درمیان ایک معمولی چیز بن کر رہ گئی تھی، عربوں میں شجاعت وبہادری کے کارنامے سرانجام دینے والے اکثر وبیشتر افراد کا تعلق صحرانشینوں سے ہی تھا۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اقوام عرب

اعراب بائدہ:

حضرت عیسیٰؑ سے قبل جزیرۃ العرب میں زندگی بسر کرنے والی اقوام جن کا وجود ناپید ہو چکا ہے کو عرب بائدہ کا نام دیا جاتا ہے بعض محققین اعراب بائدہ کو "لاذ" یا "لاوذ" کی نسل سے قرار دیتے ہیں (۱) جبکہ بعض دیگر انہیں عرب کے دیگر خرافات کی طرح افسانوی اقوام تسلیم کرتے ہیں البتہ یہاں یہ ذکر کرنا مناسب ہوگا کہ آثار قدیمہ کے ماہرین نے چند ایسے آثار ڈھونڈ نکالے ہیں جو ان اقوام کے پائے جانے کی علامت سمجھے جاسکتے ہیں۔

مورخین و عرب شناس افراد نے اعراب بائدہ کی متعدد اقسام و طبقات بیان فرمائی ہیں جن میں اہم اقسام مندرجہ ذیل ہیں: ۱۔ عاد ۲۔ لقمان ۳۔ ثمود ۴۔ طسم ۵۔ جدیس ۶۔ عبیل ۷۔ امیم ۸۔ عمالقہ ۹۔ جرہم اولی ۱۰۔ حضورا و.....

۲۔ اعراب باقیہ:

یعنی وہ اعراب جن کی نسل باقی رہی اور جن کا سلسلہ جاری رہا یا ابھی تک باقی ہے، علماء نے ان کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے لیکن ذوق و سلیقہ کے تحت مختلف نام دیے ہیں: عرب عاربہ و مستعربہ یا قحطانی و عدنانی یا شمالی و جنوبی یا قحطانی و اسماعیلی۔

۱۔ تاریخ صدر اسلام ص ۱۵

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۲۔۱۔عرب عاربہ:

یعنی اصیل عرب، اعراب عاربہ کے دیگر نام اعراب قحطانی اور اعراب جنوبی ہیں، ان کا اصلی وطن جزیرۃ العرب کا جنوبی علاقہ ہے قحطانیوں کو عرب اصیل کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا کہنا ہے کہ سب سے پہلے ان کے جدامجد یعنی یعرب بن قحطان نے عربی میں بات کی تھی البتہ یہ ادعا اعراب مستعربہ یا عدنانیوں کی جانب سے کبھی بھی سند قبولیت حاصل نہیں کر پایا۔قحطانی اعراب کے بعض مشہور قبائل مندرجہ ذیل ہیں ،سباء، حمیر، حضرموت، کہلان، اوس، خزرج، خزاعہ، ازد، ہمدان، مذحج طئی ، اشعری، لخم، جذام، عاملہ، خولان، رہم۔

۲۔۲۔عرب مستعربہ:

حضرت اسماعیلؑ کی اولاد کو اعراب مستعربہ، عدنانی، اسماعیلی، نزاری، معدی اور شمالی کے نام سے پکارا جاتا ہے، اعراب مستعربہ کا آغاز مکہ میں حضرت اسماعیلؑ کی سکونت سے ہوا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بارہ بیٹے عطا فرمائے اور اس طرح آپ کی اولاد جزیرۃ العرب کے شمال میں جاگزین ہوئی۔

اولاد حضرت اسماعیلؑ کو عدنانی بھی کہا جاتا ہے، جناب عدنان، اولاد حضرت اسماعیلؑ میں ایک معروف شخصیت ہیں اگرچہ حضرت اسماعیلؑ اور آپ کے درمیان واسطوں کے بارے میں اختلاف ہے حتیٰ کہ آنحضرتؐ سے حدیث منقول ہے کہ میرے نسب میں معد بن عدنان تک جا کر رک جایا کرو، جناب عدنان وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا(۱) جناب معد بن عدنان کے چار بیٹے تھے: نزار، قضاعہ، قنص اور ایاد اور جناب نزار کے بھی چار فرزند تھے: ربیعہ، مضر، انمار اور ایاد جناب مضر سے چلنے والی نسل میں قبیلہ قریش وجود میں آیا اور قریش کے قبیلہ بنی ہاشم کو اللہ تعالیٰ نے منتخب فرما کر ہدایت بشر کی ذمہ داری سونپ دی۔

۱۔تاریخ صدر اسلام ص ۲۳

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

قدیم حکومتیں:

جزیرۃ العرب اگرچہ کسی مرکزی حکومت سے عاری تا لیکن اس کے باوجود سرزمین عرب کے مختلف گوشوں میں چند حکومتوں نے تہذیب اور تمدن کے گھواروں کو جنم دیا جس کے گواہ وہاں سے ملنے والے کتبے اور آثار قدیمہ ہیں ذیل میں چند حکومتوں کا ذکر کرتے ہیں:

حکومت معین:

اسلامی منابع میں عموماً اس حکومت کا ذکر نہیں پایا جاتا تھا بلکہ اس بارے میں صرف اتنا ملتا ہے کہ معین یمن کے کسی شہر یا قلعہ کا نام ہے(۱)

حکومت معین کے آثار کو سب سے پہلے ایک فرانسیسی محقق ہالیفی نے ۱۸۷۰ میں کشف کیا، آثار قدیمہ میں ملنے والوں کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت معین ایک دینی حکومت تھی جس میں کاہنوں کو خصوصی امتیازات حاصل تھے، حکومت معین کا دارالحکومت سد مارب سے ایک سو دس کیلومیٹر کے فاصلہ پر واقع تھا۔

حکومت حضر موت:

یمن کے ایک علاقہ کو حضر موت کہا جاتا ہے اور یہ حضر موت بن حمیر کی جانب منسوب ہے یمن کے اس علاقہ میں ہونے والی کھدائی کے دوران ملنے والے آثار قدیمہ سے اس حکومت کے وجود کا علم ہوا وہاں سے ملنے والے کتبوں کے مطابق حکومت حضر موت کا دارالحکومت "شبوہ" نامی شہر تھا، جو تجارتی اور زراعتی اعتبار سے کافی اہمیت کا حامل تھا، حضرت موت کے شہروں میں "مکرب" نامی افراد پائے جاتے تھے جن کا کام لوگوں کے مذہبی معاملات کی دیکھ بھال تھا۔

۱۔ معجم البلدان ج ۵ ص ۱۶۰

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حکومت سباء:

جزیرۃ العرب کے جنوب میں ملنے والے کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت سباء حکومت معین کے جنوب میں واقع تھی اور حکومت معین کے زوال کے بعد انہوں نے تمام علاقے پر قبضہ کرلیا اور اپنی حکومت کو خلیج فارس سے لے کر دریائے قلزم تک پھیلا دیا، سبائیوں کا دارالحکومت "صرواح" نامی شہر تھا اور ان کے بادشاہوں کو "مکرب" کہا جاتا تھا، جزیرۃ العرب کے جنوب میں ایک مشہور و معروف ڈیم "سد مأرب" اسی حکومت کے دور میں بنایا گیا جو اس علاقے کی زراعتی زندگی کی بنیاد تھا۔

حکومت حمیر:

جنوبی عرب کا معروف قبیلہ جس نے اس خطہ میں حکومت تشکیل دی قبیلہ حمیر ہے ابتدا میں یہ قبیلہ اطراف میں موجود حکومتوں کے تحتِ فرمان تھا لیکن آہستہ آہستہ اس قدر مضبوط ہوگیا کہ حکومت سباء کو زیر فرمان لے آیا، آغاز میں حکومت حمیر کا دارالحکومت شہر "ظفار" تھا مگر بعد میں بالترتیب شہر مأرب اور صنعاء کو بطور پایۂ تخت استعمال کیا گیا، حکومت حمیر نے بہت مستحکم قلعے وغیرہ بنائے جو آج بھی آثار قدیمہ کے طور پر محفوظ ہیں۔

☆☆☆

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حجاز تاریخی، تہذیبی اور مذہبی آئینہ میں

تاریخ مکہ

اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق حضرت ابراہیمؑ جناب ہاجرہ اور حضرت اسماعیلؑ کو بے آب وگیاہ اور بنجر زمین میں چھوڑ کر واپسی کے ارادہ سے پلٹے اور گڑگڑا کر بارگاہ الٰہی میں دعا فرمائی: ﴿رَبَّنَا اِنِّی اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِی بِوَادٍ غَیْرِ ذِی زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِنَ النَّاسِ تَھْوِیْ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ﴾(۱) پروردگارا! میں نے تیرے مقدس گھر کے پاس ایسی سرزمین پر جہاں کھیتی باڑی نہیں ہوتی اپنی کچھ ذریت کو لا بسایا ہے اے ہمارے پروردگار تا کہ وہ نماز قائم کریں تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف جھکا دے اور ان کے لئے پھلوں کی روزی کا سامان کرتا کہ وہ تیرے شکر گزار رہوں۔

حضرت ابراہیم یہ دعا مانگ کر اپنی منزل کی جانب روانہ ہوگئے، خلیل خدا کی روانگی کے بعد حضرت ہاجرہ نے سائے کا مختصر سا بندوبست کیا اور لق ودق صحرا میں زندگی کا باقاعدہ آغاز کیا، ام القریٰ کے سب سے پہلے باسیوں کے ہمراہ موجود پانی جلد ہی ختم ہوگیا اور سورج کی تمازت میں کچھ ہی دیر بعد جب پیاس کی شدت محسوس ہونا شروع ہوئی تو جناب ہاجرہ پانی کی تلاش میں اٹھ کھڑی ہوئیں صفا ومروہ کی پہاڑیوں پر چڑھ کر چاروں طرف نظر دوڑائی مگر کہیں پانی نظر نہیں آیا، بیتابی میں بار بار صفا ومروہ کی بلندیوں پر تشریف لے جاتیں یہاں تک کہ ان پہاڑیوں کے درمیان سات چکر لگائے اور بالآخر نڈھال ہو کر بیٹھ گئیں،

۱۔ سورۂ ابراہیم آیت ۳۷

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یکا یک نظر پڑی کہ سنگریزوں سے ڈھکی ہوئی زمین سے پانی بہہ رہا ہے، پتھر ہٹائے تو ٹھنڈے اور میٹھے پانی کا چشمہ بہہ نکلا جسے دیکھ کر جناب ہاجرہ نے بے اختیار کہا زم زم "رک جا" اور پھر اس چشمہ کے گرد پتھروں کی ایک منڈیر بنادی تا کہ پانی جمع ہو جائے فضا میں پرواز کرتے ہوئے پرندوں نے جب پانی دیکھا تو چشمہ کے گرد منڈلانے لگے جنہیں دیکھ کر یمن سے شام کی جانب رواں بنی جرہم کا ایک قافلہ ٹھہر گیا، درّے اور پہاڑیاں عبور کر کے چشمہ کے قریب پہنچا اور وہاں موجود جناب ہاجرہ سے رہنے کی اجازت مانگی، جناب ہاجرہ نے خلیل خدا کی آمد تک انھیں توقف کرنے کو کہا، جب حضرت ابراہیمؑ آئے تو انھوں نے بنی جرہم کو وہاں آباد ہونے کی اجازت دیدی اور اس طرح خیموں اور چند جھونپڑیوں پر مشتمل ایک بستی وجود میں آئی۔

حضرت ابراہیمؑ نے حکم خداوندی کی روشنی میں خانہ کعبہ کی تعمیر شروع کی اور دونوں باپ بیٹوں نے مل کر پایہ تکمیل تک پہنچایا اور بہت جلد یہ گھر جزیرۃ العرب میں مرکزی عبادت گاہ کی شکل اختیار کر گیا اور پورے جزیرۃ العرب سے لوگ اس کی زیارت اور عبادت کے لئے کھنچ کھنچ کر آنے لگے، اس نئی بستی کے نام کے بارے میں اختلاف ہے قرآنی آیات کی روشنی میں اس کے مشہور نام بکہ، ام القریٰ اور مکہ ہے:

﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَّهُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ﴾(۱)

"پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا وہ بکہ میں تھا جو بابرکت اور تمام جہانوں کے لیے ذریعہ ہدایت ہے"۔

مکہ کی وجہ تسمیہ کے بارے میں مختلف اقوال ونظریات پیش کیے گئے ہیں، کوئی مکہ کو مکورابا" یعنی مقدس معبد، قرار دیتا ہے تو کوئی اسے مکاء، یا بکاء سے مشتق گردانتا ہے البتہ بعض روایات سے بھی اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ مکہ یا بکہ، بکاء یا مکاء سے مشتق ہیں چنانچہ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: "سميت مكة ببكة لان الناس كانوا يتباكون فيها"(۲) مکہ کا نام بکہ اس بناء پر ہوا کہ لوگ وہاں پر جمع ہو کر گریہ

۱۔ سورۂ آل عمران آیت ۹۶

۲۔ علل الشرائع

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

وبکاء کرتے تھے. اسی طرح مجاہد کہتے ہیں: "انما سمیت بکة لان الناس یتباکون فیها الرجال والنساء" "مکہ کو بکہ اس لیے کہا جاتا تھا کہ وہاں پر زن و مرد جمع ہو کر روتے چلاتے تھے، امام رضاؑ فرماتے ہیں" سمیت مکه مکة لان الناس کانوا یمکون بها" مکہ کو مکہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہاں پر لوگ چیختے چلاتے اور شور و غل کیا کرتے تھے۔

ان تمام وجوہات کا جائزہ لیا جائے تو ایک بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ مکہ شروع ہی سے ایک مذہبی شہر کی صورت میں وجود میں آیا جس کا مرکز خانہ کعبہ تھا، خانہ کعبہ کی تولیت اولاد اسماعیل کے پاس تھی اور مختلف اقوال کی بناء پر کچھ عرصہ بعد یہ اہم عہدہ بنی جرہم کے ہاتھ آیا، بنی جرہم کا اقتدار مضبوط ہوا تو انھوں نے اقتدار کے نشہ میں ظلم و ستم کرنا شروع کیا، نہ کسی کی عزت محفوظ تھی نہ جان و مال اور بالآخر ظلم پھر ظلم ہے بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے، یمن میں آنے والے سیلاب کی وجہ سے مکہ کے اطراف میں آباد ہونے والے قبائل میں سے بنو خزاعہ نے قبیلہ بکر بن عبد مناۃ کے ساتھ متحد ہو کر مکہ کو جرہمیوں کے قبضہ سے چھڑوایا اور اس کی ریاست اپنے ہاتھ میں لے لی۔

مکہ کی ریاست قبیلہ خزاعہ کے سردار ربیعہ بن حارث سے شروع ہو کر دست بہ دست ہوتے ہوئے حلیل بن حبشیہ کے ہاتھ آئی، اس دوران مکہ میں بت پرستی عام ہو چکی تھی۔

دوسری طرف اولاد اسماعیل کافی حد تک پراگندہ و ضعیف ہو چکی تھی یہاں تک کہ سب کے سب مکہ کے اطراف میں گوناگوں قبائل کی صورت میں زندگی بسر کر رہے تھے، اسی دوران اولاد حضرت اسماعیلؑ میں ایک عظیم شخصیت ظاہر ہوتی ہیں جو مکہ کے اطراف و اکناف میں پھیلی ہوئی اولاد حضرت اسماعیلؑ کو یکجا کر کے دوبارہ ایک باعزت و باوقار قوم کے مرتبہ پر پہنچا دیتے ہیں اور وہ ہیں جناب قصی بن کلاب (۱)

ا۔ جناب قصی بن کلاب کے حالات سے مزید آگاہی کے لیے اس کتاب کے دوسرے باب میں آنحضرتؐ کے آباء و اجداد کے اجمالی تعارف کی فصل نیز اس کے حاشیہ میں مذکور کتب کا مطالعہ فرمائیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

قصی بن کلاب کے دور میں مکہ کی صورت حال:

یہ وہ زمانہ تھا جب مکہ میں حلیل بن حبشیہ مسند فرمانروائی پر براجمان تھا، مکہ میں قیام کے دوران جناب قصی نے حلیل سے اس کی بیٹی حبّی کا رشتہ مانگا جسے حلیل نے قبول کیا اور اس طرح جناب قصی رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے، اس شادی کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے جناب قصی کو چار فرزند عطا فرمائے بنام عبدمناف، عبدالدار، عبدالعزیٰ اور عبدالقصی، حلیل کے اولاد ذکور نہ ہونے کی وجہ سے اس نے چاہا کہ خانہ کعبہ کی تولیت اور مکہ کی حکمرانی قصی کے سپرد کرے، چنانچہ اس نے اعلان کیا کہ قصی کے بیٹے میرے بیٹے ہیں لہذا آئندہ وہی خانہ کعبہ کے متولی اور مکہ کے حکمران ہونگے اور خانہ کعبہ کی تولیت حبّی کے حوالے کی اور ابوغبشان کو شریک قرار دیا، اس طرح کہ ایک دن خانہ کعبہ کا دروازہ ابوغبشان کھولتا اور دوسرے دن حبّی کی جانب سے جناب قصی اس فریضہ کو انجام دیتے۔

ایک روایت کے مطابق یہ سلسلہ کچھ عرصہ یونہی چلتا رہا یہاں تک کہ جناب قصی نے کہا کہ خانہ کعبہ کی تولیت اولاد اسماعیلؑ کا حق ہے لہذا اس کا اختیار بنی اسماعیل کے پاس ہونا چاہیے، جناب حبّی نے کہا مگر اس امر میں تو ابوغبشان بھی شریک ہے جناب قصی نے کہا میں اسے راضی کرلوں گا اور اس طرح ایک دن جب ابوغبشان نشہ میں ڈوبا ہوا تھا تو جناب قصی نے خانہ کعبہ کی تولیت ابوغبشان سے ایک اونٹ اور ایک مشکیزہ شراب کے عوض خرید لی، جب ابوغبشان کو ہوش آیا تو اس نے واویلا مچایا اور جنگ کے لیے آمادہ ہوگیا، یہ روایت جناب قصی کی عظمت عالی ظرفی سے منافی ہونے کے ساتھ ساتھ ابوغبشان کی سادگی پر دلالت کررہی ہے کیونکہ ابوغبشان اتنا غریب نہ تھا کہ ایک اونٹ یا شراب کے ایک مشکیزے کی خاطر پورے عرب کے اتنے اہم عہدہ سے دست بردار ہوجائے، اگر کسی سادہ لوح اور شدید نشہ میں مخمور و مدہوش آدمی کے ساتھ بھی اس قسم کی دھوکہ بازی کی کوشش کی جائے تو یقیناً اس کا سارا نشہ ہرن ہوجائے گا۔

ایک روایت کے مطابق جب حلیل کا وقت آخر آپہنچا تو اس نے خانہ کعبہ کی تولیت قصی کے ذریعہ

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سے اپنے نواسوں کے حوالے کرنا چاہی اور جناب قصی کو بلا کر خانہ کعبہ کی کلید ان کے حوالے کی اور جب حلیل کا انتقال ہو گیا تو بنی خزاعہ نے جناب قصی کی سرداری کا انکار کیا اور لڑنے مرنے پر اتر آئے جناب قصی نے بھی جنگ کی ٹھان لی، قریش اور بنی کنانہ تو ان کے ساتھ تھے ہی، زراج بن ربیعہ اور اس کے بھائی بنی قضاعہ کی ایک جماعت کے ساتھ ان کی مدد کو پہنچ گئے جنگ شروع ہوئی اور بہت سے لوگ مارے گئے، جب جنگ نے مزید طول پکڑا تو کچھ لوگوں نے بیچ میں پڑ کر جنگ رکوانا چاہی اور بالآخر یہ طے پایا کہ فریقین کی رضایت سے کسی شخص کو ثالث بنایا جائے اور اس کے فیصلہ پر عمل کیا جائے چنانچہ فریقین نے یعمر بن عوف بن کعب کنانی کے ثالث بننے پر رضامندی کا اظہار کیا، یعمر نے فیصلہ دیا کہ تمام مقتولین کا خون رائیگاں، خانہ کعبہ کی پردہ داری اور مکہ کی سرداری قصی کا حق ہے البتہ بنی خزاعہ کو مکہ سے نکالا نہیں جائے گا۔

اس فتح کے بعد جناب قصی نے اولاد فہر کو جو پہاڑوں کے دامنوں اور صحراؤں میں خانہ بدوشوں کی سی زندگی بسر کر رہے تھے جمع کر کے مکہ کے مختلف حصوں میں آباد کیا اور ان میں اتحاد و یکجہتی پیدا کی، اسی جمع آوری کی وجہ سے جناب قصی کو "مجمع" یعنی اکٹھا کرنے والا بھی کہا جاتا ہے، "اَبُو کُم قُصَی کَانَ یدعی مجمعا بہ مجمع القبائل من فہر" "تمہارے باپ قصی، مجمع کے لقب سے پکارے جاتے تھے اور انھی کے ذریعہ اللہ نے اولاد فہر کے مختلف قبیلوں کو یکجا کیا، قبائل فہر کو یکجا کرنے کی وجہ سے جناب قصی کا ایک لقب قریش بھی ہے کیونکہ تقرش سے ماخوذ ہے اور تقرش کے معنی یکجا کرنے کے ہیں، البتہ قریش کا لقب سب سے پہلے کسے نصیب ہوا اس سلسلہ میں مختلف اقوال ہیں بعض اولاد معتر کو قریش کہتے ہیں تو بعض الیاس کی نسل کو یہ عنوان عطا کرتے ہیں، کوئی اس لقب کا سہرا نضر بن کنانہ کے سر پر باندھتا ہے تو کوئی فہر بن مالک کو اس کا حق دار گردانتا ہے۔ البتہ سب سے مشہور و معروف قول یہی ہے کہ قریش کا لقب سب سے پہلے جناب قصی کو دیا گیا۔

بہر حال قصی نے اولاد فہر کو خانہ کعبہ کے جوار میں بسا کر ان کی عظمت رفتہ کو پھر سے زندہ کیا اور انھیں متمدن زندگی سے ہمکنار کر کے قدر و منزلت کی انتہائی رفعتوں پر پہنچا دیا، جناب قصی نے اپنے دور

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اقتدار میں نئے عہدے قائم کئے اور پہلے سے رائج رسوم کو ایک نیا نظم وضبط عطا کیا، اولاد فہر اور دوسرے قبائل جناب قصی کو عظمت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے اور ان کے ہر حکم کے سامنے اس طرح سر تسلیم خم کرتے جس طرح دینی ومذہبی احکام کے سامنے سر جھکایا جاتا ہے، كَانَ أَمْرُ قصي عِنْدَ قُرَيْشٍ دِيْناً يَعْمَلُوْنَ بِهِ وَلَا يُخَالِفُوْنَهُ.(۱) قریش کے نزدیک قصی کا ہر حکم دین ومذہب کے حکم کا درجہ رکھتا تھا جس پر وہ عمل پیرا ہوتے اور سر مو اس کی مخالفت نہ کرتے" چنانچہ جناب قصی کے قائم کردہ عہدوں اور رسوم کو بھی اسی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، ذیل میں جناب قصی کی جانب سے قائم ہونے والے عہدوں اور دیگر اہم امور کی جانب مختصر اشارہ کرتے ہیں.

۱۔سقایت:

دور دراز علاقوں سے آئے ہوئے حاجیوں کو بلا معاوضہ پانی مہیا کرنے کو سقایت کہا جاتا ہے، ظہور اسلام کے وقت یہ منصب عباس بن عبدالمطلبؑ کے پاس تھا، موسم حج میں حاجیوں کو پانی مہیا کرنے کیلئے چمڑے کے حوض بنا کر خانہ کعبہ کے اطراف میں رکھ دیے جاتے تھے تا کہ حاجی آسانی سے پانی حاصل کر سکیں، بعض کے بقول چمڑے کے بعض حوضوں میں رات کے وقت خرما اور کشمش بھگو دیے جاتے اور پھر انھیں پانی میں گھوٹ کر حاجیوں کی خاطر تواضع کی جاتی تھی۔

۲۔رفادت:

یعنی حاجیوں کو کھانا کھلانا، جناب قصی نے برسر اقتدار آکر اہل مکہ کے ذمہ لگایا کہ اپنے اموال میں سے سالانہ کچھ مقدار جدا کریں تا کہ ہر سال حاجیوں کو کھانا کھلایا جا سکے، عموماً وہ حجاج یا افراد جنھیں سارا سال ڈھنگ کا کھانا نصیب نہیں ہوتا تھا یا تہی دست تھے اس کھانے کو نہایت مرغوبیت سے تناول فرماتے،

۱۔انساب الاشراف ج۱ص ۵۹

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جناب قصی اہل مکہ سے کہا کرتے تھے حجاج خدا کے مہمان ہیں اور خدا کے مہمانوں کی خدمت تمہاری ذمہ داری ہے۔

۳۔ حجابت یا سدانۃ البیت:

یعنی کلید برداری و پردہ داری اور خانہ کعبہ کی حفاظت و نظافت سے متعلقہ امور اسی منصب سے مخصوص تھے اور اس عہدہ کے لحاظ سے جب تک حاجب البیت اجازت نہ دے کسی کو کعبہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔

۴۔ قیادت:

ظاہراً قیادت کا مطلب جنگوں کی سالاری، حاجیوں کی راہنمائی اور ان کے اونٹوں کی دیکھ بھال ہے۔

۵۔ لواء:

جنگ میں پرچم اٹھانا عموماً کسی خاص فرد یا خاندان سے مخصوص ہوتا ہے اور جب تک جناب قصی زندہ رہے دیگر عہدوں کیطرح یہ ذمہ داری بھی آپ خود ہی نبھاتے تھے۔

۶۔ دارالندوۃ:

جناب قصی سے پہلے مکہ کی حدود میں مکانات تعمیر نہیں کیے جاتے تھے اور لوگ جھونپڑیاں بنا کر رہتے تھے، آپ نے سب سے پہلے خانہ کعبہ کے قریب ایک گھر تعمیر کیا، یہ گھر دارالندوہ کے نام سے مشہور ہوا بنی داره بمكة وهي اول دار بيت بمكة وهي دار الندوه(۱) قصی نے اپنا گھر مکہ میں تعمیر کیا اور وہ پہلا گھر تھا جو مکہ میں تعمیر ہوا اور دارالندوہ کہلایا۔

۱۔ تاریخ یعقوبی ج ۱ ص ۲۳۹

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

جناب قصی کی عظمت و تکریم کے پیشِ نظر آپ کے گھر کو احترام و تقدس کی نگاہ سے دیکھا جاتا، شروع میں تبرکاً شادی بیاہ کی رسوم، قبائلی معاملات اور باہمی جھگڑے یہیں چکائے جاتے لیکن بعد میں دارالندوہ ایک شوریٰ کی شکل اختیار کر گیا جس میں صرف چالیس سال یا اس سے زیادہ عمر کے لوگ شرکت کر سکتے تھے، جنگ کے لیے پرچم یہیں سجایا جاتا اور دیگر قومی و ملی معاملات اور اہم امور یہیں انجام پاتے۔

اس کے علاوہ آپ نے بہت سے کارہائے نمایاں انجام دیئے چنانچہ خانہ کعبہ کی عمارت کو گرا کر تعمیر نو کی اور اس پر کھجور کی لکڑیوں کی چھت ڈالی، عرفات اور منیٰ کے درمیان ایک عمارت تعمیر کی اور اسے مشعر الحرام سے موسوم کیا، ایام حج میں اس پر چراغ جلائے جاتے تھے تاکہ حجاج کو وہاں تک پہنچنے میں آسانی ہو، مزدلفہ میں رات کو آگ جلانے کا انتظام کیا تاکہ عرفات سے آنے والے نشان منزل نہ گم کر بیٹھیں اہل مکہ لوی بن غالب یا مرہ بن کعب کے کنویں سے پانی لایا کرتے تھے یا ان کے پانی کا ذریعہ وہ جوہڑ تھے جو بارش کے پانی سے بھر جایا کرتے تھے، اسی ضرورت کے پیش نظر عجون نامی کنواں کھدوایا اور اس قسم کے دیگر امور انجام دیکر عظمت اور غیر معمولی کارکردگی کی روشن مثال قائم کی، آپ نے ۴۸۰ء میں مکہ مکرمہ میں وفات پائی اور کوہ حجون کے دامن میں دفن ہوئے۔

مکہ جناب قصی کے بعد:

جب جناب قصی کا آخری وقت آن پہنچا تو آپ نے اپنے مناصب کو اپنے بیٹوں عبدالدار اور عبد مناف کے درمیان اس طرح تقسیم کیا کہ سقایت، رفادت اور قیادت عبد مناف اور حجابت، لواء اور دارالندوۃ کی ریاست عبدالدار کے حصہ میں آئی، باپ کے احترام میں دونوں بیٹوں نے تاحیات کسی قسم کا اختلاف نہیں کیا، لیکن جب یہ امور ان کی اولاد کے اختیار میں آئے تو چونکہ عبد مناف اپنے باپ ہی کی زندگی میں حسن عمل اور بلند اخلاق کی بدولت قومی قیادت و سیادت کے منصب پر فائز سمجھے جاتے تھے اس لیے ان کی اولاد نے دعویٰ کیا کہ ہم اولاد عبدالدار سے زیادہ سزاوار ہیں کہ حجابت، لواء اور دارالندوۃ کی سرپرستی کریں،

Presented by: Rana Jabir Abbas

یہ ادعا قریش کے درمیان اختلاف کی ابتداء قرار پایا اور اس کے نتیجہ میں مندرجہ ذیل مختلف معاہدے اور حلف وجود میں آئے۔

۱۔حلف المطیبین:

جس زمانہ میں ان اختلافات نے سر اٹھایا، قریش اس دوران بارہ قبائل پر مشتمل تھے، ان قبائل میں سے کچھ نے غیر جانبداری کا مظاہرہ کیا اور بعض بنی عبدمناف یا بنی عبدالدار کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے، بنی اسد، بنی زہرہ، بنی تیم اور بنی حارث نے خانہ کعبہ کے قریب خوشبو سے بھرے ہوئے ایک ظرف میں ہاتھ ڈال کر عبدمناف کی اولاد کی حمایت کی قسم کھائی، ان قبائل کا یہ حلف ''حلف المطیبین'' کے نام سے مشہور ہوا اور یہ قبائل مطیبین کہلائے۔

۲۔حلف الاحلاف:

دوسری طرف بنی سہم، بنی جمح، بنی عدی اور بنی مخزوم نے بنی عبدالدار کی حمایت میں معاہدہ ''حلف الاحلاف'' انجام دیا،

بعض مورخین نے بیان کیا ہے کہ ان قبائل نے اپنی طرف داری کا یقین دلانے کے لیے خون سے بھرے ہوئے ایک برتن میں ہاتھ ڈالے اور بنی عبدالدار کی حمایت کی قسم کھائی، اسی وجہ سے اس معاہدہ کو ''حلف لعقۃ الدم'' بھی کہا جاتا ہے، ان معاہدوں کے بعد مکہ جنگ کے دہانے پر پہنچ چکا تھا اور قریب تھا کہ جان لیوا اور ہولناک نتائج کی حامل جنگ شروع ہو جائے کہ کچھ امن پسند اور صلح جو افراد نے صلح کی کوشش کی اور بالآخر اولاد عبدمناف کے حق میں فیصلہ کچھ اس طرح ہوا کہ حجابت ولواء بنی عبدالدار کے پاس رہے جبکہ دارالندوہ کی سرپرستی اولاد عبدمناف اور اولاد عبدالدار مل جل کر انجام دیں گے۔

جناب عبدمناف کی اولاد میں سے جناب ہاشم نے رفادت وسقایت کی ذمہ داری سنبھالی، اس سلسلہ میں بعض مورخین کا کہنا ہے کہ قبائل قریش میں صلح ہو جانے کے بعد ان مناصب کے لیے اولاد

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

عبد مناف کے درمیان قرعہ اندازی ہوئی اور اور جناب ہاشم کا نام نکلا، اور بعض کہتے ہیں کہ یہ مناصب عبد شمس کے سپرد ہونا تھا مگر چونکہ وہ ہمیشہ سفر میں رہتے اور کثرت اولاد کی وجہ سے تنگدست تھے لہذا یہ عہدے جناب ہاشم کے سپرد کردیے گئے۔

ہاشم بن عبد مناف:

آپ کا اصل نام عمرو بن عبد مناف تھا، کنیت ابونضلہ اور لقب سید البطحاء وابوالبطحاء تھا، ہاشم کے نام سے مشہور ہوئے جس کی وجہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ قحط سالی کے دوران آپ شام سے روٹیاں پکوا کر مکہ لائے اور مکہ پہنچ کر اونٹوں کو ذبح کرکے روٹیاں توڑ توڑ کر شوربے میں بھگوئیں اور اہل مکہ اور مکہ آنے والوں کو پیٹ بھر کر کھلائیں، اس وقت سے ہاشم کے لقب سے یاد کیے جانے لگے، ہشم یعنی توڑنے والا۔

البتہ یہ جناب ہاشم کا صرف ایک مرتبہ کا کارنامہ نہیں بلکہ جناب ہاشم نے رفادہ وسقایہ کے عہدے سنبھالنے کے بعد حاجیوں کے کھانے پینے کا صحیح بندوبست کیا اور مکہ کی بنیادی مشکل یعنی پانی کی کمی کو دور کرنے کے لیے بجلہ نامی کنواں کھدوایا جو بعد میں چاہ جبیر بن مطعم کے نام سے معروف ہوا۔

جناب ہاشم نے قریش کی معاشی اصلاح کے لئے ایک بنیادی قدم اٹھایا اور انھیں وسیع تجارت پر آمادہ کیا، جناب ہاشم سے پہلے بھی قریش تجارت کیا کرتے تھے مگر ان کا دائرہ تجارت مکہ اور اطراف کے قبائل تک محدود تھا، آپ نے انھیں سردیوں میں یمن وحبشہ اور گرمیوں میں شام کی طرف تجارت کرنے پر آمادہ کیا اور بالآخر قریش کے قافلے یمن اور شام آنے جانے لگے اور ان کی معاشی حالت پہلے سے کہیں بہتر ہوگئی۔

جناب ہاشم کی زندگی کے واقعات میں عموماً دو واقعات بڑی آب وتاب کے ساتھ بیان کئے جاتے ہیں:

اول: جناب ہاشم کی ولادت کے وقت آپ کا پاؤں جڑواں بھائی عبد شمس کی پیشانی کے ساتھ جڑا

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہوا تھا، دونوں کو تلوار سے کاٹ کر جدا کیا گیا، اس موقعہ پر موجود کسی نے پیش گوئی کی کہ ان دونوں کی اولاد میں ہمیشہ تلوار چلے گی اور ہمیشہ ایک دوسرے کے خلاف برسر پیکار رہیں گے۔

دوم: امیہ بن عبد شمس یعنی جناب ہاشم کا برادرزادہ، جناب ہاشم کی نیک نامی و شہرت کی وجہ سے حسد اور احساس کمتری میں مبتلا ہو گیا، امیہ نے جناب ہاشم کو نیچا دکھانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، جود و سخا کے مظاہرے کئے، بات بے بات عمومی دعوتوں کا اہتمام کیا مگر جب کچھ نہ بن پڑی تو جناب ہاشم کی شان میں ناشائستہ کلمات کہے اور منافرہ کی دعوت دی یعنی کسی ثالثی سے فیصلہ کروایا جائے کہ عظیم اور فخریہ کارناموں کے لحاظ سے کس کا پایہ بلند ہے۔ چنانچہ بنی خزاعہ کے ایک شخص کو بطور ثالث منتخب کیا گیا اس شرط کے ساتھ کہ جس کے خلاف فیصلہ ہو گا وہ پچاس اونٹنیاں دینے کے بعد حجاز سے چلا جائے گا۔

ان دو واقعات کے صحیح یا غلط ہونے سے فی الحال ہمیں کوئی سروکار نہیں بلکہ ہمارے مدنظر وہ نتائج ہیں جو ان واقعات کو بنیاد بنا کر حاصل کئے جاتے ہیں، ان واقعات کی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ تاریخ اسلام انھی دو خاندانوں کے باہمی ٹکراؤ کا نتیجہ ہے، چنانچہ پیامبر اکرمؐ اور ابوسفیان برسر پیکار رہے، معاویہ اور امیرالمومنینؑ کے درمیان جنگ رہی، یزید بن معاویہ نے امام حسینؑ پر ظلم و ستم ڈھائے، غرض بنی امیہ اور بنی ہاشم کی دشمنی پشت در پشت چلتی رہی ہے۔

شیعہ نقطہ نظر سے تاریخ اسلام دو خاندانوں کی باہمی چپقلش نہیں بلکہ حق و باطل کا ٹکراؤ ہے، پیامبر اکرم کا قیام قبائلی جھگڑے کا شاخسانہ نہیں بلکہ وحی پر استوار حقیقت کا نام ہے البتہ یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ بنی امیہ نے اسلام کو ہمیشہ قبائلی تعصب ہی کی عینک سے دیکھا، چنانچہ اس سلسلہ میں یزید بن معاویہ کے اشعار بہترین گواہ ہیں کہ "لعبت بنی هاشم بالملک فلا خبر جاء ولا وحی نزل" بنی ہاشم نے حکومت کے حصول کے لیے ڈھونگ رچایا ہے ورنہ نہ کوئی فرشتہ آیا ہے اور نہ ہی وحی نازل ہوئی ہے۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جناب ہاشم نے شام کے تجارتی سفر پر جاتے ہوئے بنی نجار کی خاتون سلمٰی بنت عمرو سے یثرب میں عقد کیا جس کے نتیجہ میں شیبۃ الحمد عبدالمطلب پیدا ہوئے ، جناب ہاشم ، سلمٰی بنت عمرو کو حضرت عبدالمطلب کی ولادت سے پہلے یثرب چھوڑ کر شام روانہ ہوگئے ، جناب ہاشم کا یہ سفر، سفر آخرت ثابت ہوا اور عسقلان سے چھ میل کے فاصلہ پر مقام غزہ میں دفن ہوئے۔

جناب عبدالمطلب :

آپ کا اصل نام عامر، کنیت ابوالحارث اور پیدائش کے وقت سر میں موجود کچھ سفید بالوں کی وجہ سے شیبہ یا شیبۃ الحمد کے نام سے پکارے جاتے تھے، یثرب میں بنی نجار کے درمیان پرورش پائی اور اپنے چچا مطلب کے ہمراہ مکہ تشریف لائے، جب شہر میں داخل ہوئے تو قریش نے سمجھا کہ جناب مطلب نے غلام خریدا ہے اور اپنے ہمراہ مکہ لائے ہیں، یہیں سے جناب شیبہ کا نام عبدالمطلب معروف ہوگیا۔

جناب مطلب کی وفات کے بعد رفادت وسقایت کی ذمہ داری جناب عبدالمطلب کے کاندھوں پر آپڑی جسے آپ نے باحسن نبھایا، آپ کے دور کے اہم واقعات میں چاہ زم زم کی کھدائی اور اصحاب فیل کا واقعہ سرفہرست، جن سے ان کی فہم وفراست اور دوراندیشی کا ثبوت ملتا ہے ان واقعات کی تفصیل انشاء اللہ بعد میں بیان کی جائیگی۔

☆☆☆

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تاریخ مدینہ :

مکہ کے شمال میں ۵۰۰ کلومیٹر کے فاصلہ پر وسیع و عریض دشت کی نمناک زمین پر آباد بستی کو یثرب کہا جاتا تھا. یہ شہر کب آباد ہوا؟ اس سوال کے جواب میں متعدد آراء پیش کی جاتی ہیں: بعض اس کے زمانہ وجود میں آنے سے لاعلمی کا اظہار کرتے ہیں اور بعض اس شہر کو بسانے کا سہرا یثرب بن قانیہ بن مہلائیل بن ارم بن عبیل بن عوص بن ارم بن سام بن نوح کے سر باندھتے ہیں، بعض کے نزدیک اس شہر کو بسانے میں حضرت موسیٰ کی فوج دخیل ہے جو حجاز میں عمالقہ کی سرکشیوں اور ظلم و ستم کا خاتمہ کرنے آئی تھی اور واپسی پر یہودیوں کو یہاں بسا گئی اور بعض مدینہ کے وجود میں آنے کو طبیعی ماحول کی کرشمہ سازی قرار دیتے ہیں کیونکہ شام اور یمن کے تجارتی راستہ پر واقع ہونے کے علاوہ یہاں مناسب آب و ہوا اور نسبتاً زیادہ پانی کی موجودگی نے خانہ بدوش قبائل کو رکنے پر مجبور کر دیا اور اس طرح یہ آبادی آہستہ آہستہ شہر کا روپ دھارتی گئی۔

یثرب کو یثرب کیوں کہا جاتا تھا؟ اس سوال کے چند جواب دیئے جاتے ہیں:

الف: اس شہر کو آباد کرنے والے کا نام چونکہ یثرب بن قانیہ تھا لھذا یہی نام بعد میں اس شہر کی پہچان بنا۔

ب: یثرب، ثرب سے ماخوذ ہے اور ثرب اس زمین کو کہا جاتا ہے جس کے پتھر آتش فشانی کا نتیجہ ہوں اور اس معنی کی روشنی میں اگر مدینہ کے اطراف میں موجود پہاڑوں کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہاڑ آتش فشاں مادہ کے نتیجہ میں وجود میں آئے ہیں۔

ج: یثرب، تثریب سے ماخوذ ہے جس کے معنی فساد پھیلانے کے ہیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یثرب کو یثرب خواہ کسی بھی وجہ سے کہا جاتا ہو لیکن تمام مورخین اس نکتہ پر متفق ہیں کہ پیامبر اکرم کی ہجرت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس نام سے ناپسندیدگی کے نتیجہ میں اس شہر کو "طابہ" "طیبہ" اور مدینۃ الرسول کہا جانے لگا البتہ علماء نے مدینہ کے مزید نام بھی ذکر کیے ہیں جن کی تعداد ۱۱ سے ۹۹ تک ہے۔

یثرب کے ابتدائی باسی عمالقہ کے وہ صحرانورد قبائل تھے جو پانی اور قابل زراعت زمین دیکھ کر یہیں خیمہ زن ہو گئے، ان کے بعد یہودیوں نے اس سرزمین پر قدم رکھا، یہودیوں کی یہاں آمد کے سلسلہ میں چند اقوال پائے جاتے ہیں۔

۱۔ عمالقہ نے یثرب میں بسیرا کرنے کے بعد جہاں کھیتی باڑی اور شہر سازی کو رونق بخشی وہیں یثرب کے اطراف میں ظلم وستم کو بھی فروغ دیا، حضرت موسیٰؑ بن عمرانؑ کو جب عمالقہ کی حرکات کی اطلاع ملی تو آپ نے ان کی سرکوبی کے لئے ایک لشکر روانہ کیا جس نے یثرب میں عمالقہ کا کام تمام کر کے وہیں سکونت اختیار کر لی (۱)

۲۔ بعض مؤرخین یہودیوں کی یثرب ہجرت کی وجہ شام پر رومیوں کے قبضہ کو قرار دیتے ہیں جس کے نتیجہ میں بنی قریظہ، بنی نضیر، بنی قینقاع اور بنی زید وغیرہ یثرب میں رہائش پذیر ہوئے۔ (۲)

۳۔ بعض مورخین فرماتے ہیں کہ علمائے یہود نے پیامبر اکرم کی نشانیاں اور ان کی ہجرت کے مقام کے بارے میں توریت میں پڑھا تو آنحضرت کی پیروی واتباع کے شوق میں نکل کھڑے ہوئے، شام سے حجاز اور پھر تیماء یا مدینہ پہنچے تو کوہ عیر واحد اور نخلستان کو دیکھ کر شہر موعود کو پہچان گئے اور پھر وہیں کے ہو کر رہ گئے۔

۱۔ ڈاکٹر جواد علی اس قول کو سند نہ ہونے کی وجہ سے قبول نہیں کرتے۔

۲۔ سیر داردیان زندہ جہان، سلمانی اردستانی۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یمن میں سیلاب کے نتیجہ میں سد مارب (مأرب ڈیم) تباہ ہوا تو زندگی تباہ فصلیں برباد اور گھر ویران ہوگئے، زیادہ آبادی کا وہاں زندگی بسر کرنا ناممکن ہوگیا تو یمنی قبائل نے حجاز کا رخ کیا بنی قضاعہ نے مکہ میں ڈیرے ڈالے اور قبیلہ اوس وخزرج نے یثرب کو رہائش کے لیے انتخاب کیا۔

اوس وخزرج جب یثرب پہنچے تو اس وقت شہر کی معاشی وسیاسی طاقت یہودیوں کے ہاتھ میں تھی لہذا انھوں نے یہودیوں کو تجویز پیش کی کہ حق ہمسایگی کے تحت ہمارے درمیان معاہدہ ہونا چاہیے تا کہ ایک دوسرے کو معترض نہ ہوں، یہودیوں نے اس تجویز کو قبول کیا تا کہ ان پر حکمرانی کے ذریعہ یثرب پر اپنی حکمرانی اور بیرونی حملہ آوروں سے دفاع کو یقینی بنائیں۔

یہودیوں کی جانب سے اس معاہدہ کی دیگر وجوہات بھی بیان کی جاتی ہیں، ان میں سے ایک اہم وجہ یہ تھی کہ یہ قبائل زراعت وکاشت کاری میں کافی تجربہ کار تھے اور یہودی ان کے تجربات سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔

دوسری جانب یہودیوں کو ہمیشہ سے یہ خطرہ لاحق تھا کہ کہیں اعراب، یثرب کی سرداری پر قابض نہ ہوجائیں چنانچہ جب اوس وخزرج یثرب میں سکونت پذیر ہوئے تو ان کے ساتھ معاہدہ کے باوجود احتمالی خطرہ کے پیش نظر یہودیوں نے انتہائی محکم قلعے بنانے شروع کردیئے جن کی تعداد ۵۹ تک بیان کی گئی ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اوس وخزرج کی تعداد اور اموال میں اضافہ ہوتا چلا گیا، یہ صورت حال دیکھ کر بنی قریظہ اور بنی نضیر نے حملہ کی ٹھانی اور اس طرح حق ہمسایگی کے تحت انجام پانے والا معاہدہ ختم ہوگیا۔

بنی قریظہ نے جنگ کی تیاری شروع کردی، دوسری طرف اوس وخزرج خوف کی وجہ سے گھروں میں دبکے رہے، اوس وخزرج کی بزدلی نے یہودیوں کو شیر کردیا یہاں تک کہ یہودیوں کا سردار فطیون اوس وخزرج پر ظلم وستم کے علاوہ ان کی ناموس پر دست درازی کرنے لگا اس شرم آور سلسلہ سے تنگ آکر قبیلہ خزرج

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کے جوان مالک بن عجلان نے دونوں قبیلوں کو اکٹھا کیا اور اپنی قوم کو یہودی غلامی سے نجات دینے کی ٹھانی اور موقعہ ملتے ہی یہودی سردار فطیون کو قتل کر دیا۔

یہودیوں کے انتقام سے بچنے اور یثرب کی سرداری حاصل کرنے کے لئے مالک نے شام میں موجود شاہ غسان ابوجبیلہ غسانی کے پاس جا کر مدد طلب کی، نتیجہ میں شاہ غسان ابوجبیلہ غسانی نے اوس وخزرج کی مدد کے لیے ایک لشکر روانہ کیا جس نے یہودیوں کو بری طرح شکست دی اور اس طرح یثرب کی سرداری مالک بن عجلان کے سپرد ہوئی۔

یہودیوں پر فتح پانے کے بعد کچھ عرصہ بھائی چارے کی فضا باقی رہی لیکن کچھ مدت گزرنے کے بعد باہمی تعلقات میں اختلافات کی خلیج حائل ہوتی چلی گئی جس کے نتیجہ میں جنگوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا جو جنگ سمیر یوم السراۃ... سے لیکر یوم بعاث تک جاری رہا اور آنحضرت کی یثرب آمد کے نتیجہ میں ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔

اوس وخزرج کے باہمی اختلافات اور جنگوں میں یہودیوں کے کردار سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی کیونکہ یہودیوں کی ابتدا سے یہ کوشش تھی کہ اعراب کی باہمی وحدت کو ختم کر کے دوبارہ یثرب کی سیادت و رہبری پر قبضہ جمایا جائے، دوسری جانب معاشی واقتصادی مفادات بھی یہ جنگ بھڑکانے میں بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

یہودیوں اور جاہ طلب وریاست پسند عناصر کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے اوس وخزرج کے درمیان موقع بموقع لڑائی جھگڑا ہوتا رہتا تھا جس سے سبھی لوگ تنگ آ چکے تھے اور کسی مناسب اور اچھے راہ حل کی تلاش میں تھے اور اس موقعہ سے عبداللہ بن ابی جیسے لوگ فائدہ اٹھانا چاہتے تھے مگر اللہ تعالی نے یثرب کو ہادی عالم کا مقام ہجرت قرار دیا اور آپؐ کے وجود کی برکت سے مدینہ کو ہمیشہ کے لئے امن کا گہوارہ بنا دیا۔

☆☆☆

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ایام العرب

زمانہ جاہلیت میں مختلف عرب قبائل کے درمیان ہونے والی جنگوں کوایام العرب کہا جاتا ہے، ان جنگوں کے بہت سے عوامل ہوتے تھے ذیل میں چند عوامل کی جانب اشارہ کرکے زمانہ جاہلیت کی چند مشہور جنگوں کا ذکر کریں گے:

ا۔ بعض اوقات جنگ قدرت اور ریاست کے حصول کے لیےلڑی جاتی جیسے اوس وخزرج کی باہمی جنگیں۔

۲۔ کبھی کبھی جنگ کا باعث غلامی سے نجات کی کوشش ہونا یہ غلامی خواہ کسی قبیلہ کی ہوتی یا کسی حکومت کی مثلاً قبیلہ ربیعہ اور یمن کے درمیان ہونے والی جنگ۔

۳۔ معاشی واقتصادی مفادات: جزیرۃ العرب میں زندگی کا دارمدار پانی اور چراگاہ پر ہوا کرتا تھا لہذا بعض اوقات دوحریفوں میں جنگ پانی کے چشمہ یا چراگاہ پر قبضہ کی خاطر شروع ہوتی تھی۔

کبھی پانی پینے پلانے پہ جھگڑا، کبھی گھوڑا آگے لے جانے پہ جھگڑا۔

۴۔ بعض اوقات صرف مبارزطلبی (چیلنج) ہی جنگ کے شعلے بھڑکانے کیلیے کافی ہوتی مثلاً جنگ نباج وثیل۔

۵۔ کبھی مہمان یا حلیف قبیلہ کے دفاع کے لئے آتش جنگ بھڑکائی جاتی الغرض اس جیسے اور بہت سے اسباب جن کے نتیجہ میں خون بہایا جاتا اور پھر اس خون کو روکنے کے لئے مزید خون بہایا جاتا اور جب نہایت خونریزی کے نتیجہ میں نابودی کے دہانے پر پہنچ جاتے تو صلح اور خون بہا کی ادائیگی پر راضی ہوتے۔

بہت زیادہ خونریز لڑائیوں کے بعد اعراب نے سال میں چار مہینے حرام قرار دیے یعنی ان باعظمت مہینوں میں جنگ وجدال ممنوع قرار پائے اور ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب کو محترم مہینے قرار دیا

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

گیا مگر اعراب بعض اوقات اپنی جنگویانہ طبیعت کے پیش نظر ان مہینوں کو آگے پیچھے کرلیا کرتے تھے جسے قرآن مجید میں نسیی کے نام سے یاد کیا گیا ہے اور اس کی مذمت کی گئی ہے عربوں کے درمیان ہونے والی جنگوں کی تعداد نا قابل شمار اور بہت زیادہ ہے، ایام العرب کی اہمیت کا اندازہ یہیں سے لگایا جاسکتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ان جنگوں کو ایک علم یا فن کے طور پر یاد کیا جاتا تھا۔

آیئے اب چند معروف جنگوں کی جانب اشارہ کرتے ہیں:

جنگ خزاز:

اس جنگ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ عربوں کے درمیان ہونے والی جنگوں میں سے ایک بہت بڑی جنگ ہے چونکہ ایک تو بہت سے عرب قبائل اس میں شریک تھے اور دوسرے اسی جنگ کے نتیجہ میں یمن کے تسلط سے بھی جان بخشی ہوئی، اس جنگ کے شروع ہونے کے بارے میں دو روایات بیان ہوتی ہیں:

ایک روایت کے مطابق یمن کے بادشاہ نے قبیلہ ربیعہ اور قبیلہ مضر کے چند افراد کو قید کرلیا قیدیوں کی رہائی کے لیے بنی معد کی جانب سے ایک وفد یمن روانہ کیا گیا، شاہ یمن نے قیدیوں کو رہا کرنے کے بجائے وفد کے اراکین کو بھی گرفتار کرلیا اور چند افراد کو واپس بھیجا کہ جاؤ اور اپنے سرداروں کو لیکر آؤ تاکہ وہ آکر میری اطاعت کا اعلان کریں ورنہ سب قیدیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائیگا۔

جب وفد کے باقی افراد نے آکر شاہ یمن کے مطالبہ کا ذکر کیا تو بنی معد نے کلیب بن وائل کی سرکردگی میں یمن کے خلاف جنگ کا اعلان کیا اور یمن کی جانب روانگی کی تیاری شروع کردی، اہل یمن کو جب بنی معد کی روانگی کی خبر ملی تو وہ بھی نکل پڑے۔

بنی معد نے لشکر کے آگے سلمۃ بن خالد کو روانہ کیا کہ آگے جا کر کوہ خزاز پر آگ روشن کردو تاکہ باقی لشکر کی راہنمائی ہوسکے اور ہاں اگر دشمن کو دیکھو تو دو جگہ آگ روشن کرنا، سلمۃ بن خالد نے کوہ خزاز پر جا کر دو

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جگہ آگ روشن کی جس کا مطلب تھا کہ دشمن قریب ہی ہے خلاصہ کلام یہ کہ دونوں لشکروں کا ٹکراؤ ہوا اور انتہائی خون ریز جنگ کے بعد اہل یمن کو شکست سے دوچار ہونا پڑا۔

دوسری روایت کے مطابق ربیعہ اور مضر اپنے لیے ایک سردار کا انتخاب کرنا چاہتے تھے اور ہر ایک کی خواہش تھی کہ سرداران کے قبیلہ کا فرد ہو، بحث ومباحثہ کے بعد طے پایا کہ ایک سردار کا انتخاب بنی ربیعہ سے کیا جائیگا اور ایک کا بنی مضر سے لیکن اس کے بعد ہر قبیلہ کے اندر موجود خاندانوں نے باہمی اختلاف چھیڑ دیا کہ سردار کا انتخاب ان کے خاندان سے کیا جائے، بالآخر نتیجہ یہ نکلا کہ یمن سے کسی کو حاکم سردار بنایا جائے چنانچہ بنی عامر نے شراحیل بن حارث بن عمرو بنی تمیم اور بنی ضبہ نے محرق بن حارث، بنی وائل نے شرجیل بن حارث، بنی اسد اور بنی کنانہ نے حجر بن حارث، بنی تغلب و بنی بکر نے سلمہ بن حارث اور باقی قبائل نے قیس غلفاء کو سردار قرار دیا لیکن کچھ مدت کے بعد تمام یمنی سردار سوائے سلمہ بن حارث کے شمالی قبیلوں کے ہاتھوں مارے گئے۔

سلمہ بن حارث اپنے بھائیوں کا انتقام لینے کے لئے یمن سے فوج جمع کر کے شمال کی جانب روانہ ہوا اور کوہ خزاز کے قریب یمنی اور شمالی قبائل کے درمیان خونریز جنگ ہوئی جس کے نتیجہ میں بہت سے افراد مارے گئے اور بنی معد نے کلیب بن وائل کی سرکردگی میں فتح وکامیابی حاصل کی اور اس طرح یمن کی غلامی سے بھی آزاد ہو گئے۔

جنگ بسوس:

تاریخ عرب کی انتہائی اہم جنگ جو تقریباً چالیس سال جاری رہی، جنگ بسوس درحقیقت جنگوں کے ایک طولانی سلسلہ کو کہا جاتا ہے جس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ جنگ خزاز کے بعد کلیب بن وائل کا مرتبہ بہت بڑھ گیا اور وہ بنی معد کے نزدیک ایک عظیم انسان میں تبدیل ہو گیا۔

تمام بنی معد پر سرداری کے خمار نے کلیب کو مغرور اور خودسر بنا دیا، جس کے نتیجہ میں اس نے

jabirabbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

دوسروں پر ظلم وستم شروع کر دیا، اس کی چراگاہ میں جانور تو کیا کسی انسان کو بھی داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی، نہ لوگ اس کے جانوروں کے ساتھ اپنے جانور چرا سکتے تھے، نہ اس کی آگ کے ساتھ آگ جلا سکتے تھے اور نہ ہی اس کے گھر کے قریب سے گزر سکتے تھے خلاصہ اس قسم کے اور بہت سے خود ساختہ قوانین تھے جو کلیب نے اپنی شخصیت اور رعب طاری کرنے کے لیے نافذ کیے ہوئے تھے۔

کلیب نے قبیلہ بکر کے معروف شخص جساس بن مرہ کی بہن جلیلہ بن مرۃ سے شادی کی، کلیب اور جساس اچھے دوست تھے یہاں تک کے دونوں کے اونٹ ایک ہی چراگاہ میں چرا کرتے تھے۔

ایک دن سعید بن شمیس نامی شخص جساس کی خالہ بسوس بنت منقذ تمیمی کے گھر مہمان آیا، سعید نے اپنی سراب نامی اونٹنی جساس کے اونٹوں کے ساتھ چھوڑ دی، کلیب ایک دن چراگاہ میں آیا تو سراب کو دیکھ کر طیش میں آگیا اور جساس سے پوچھا کہ یہ اونٹنی کس کی ہے، جساس نے سارا واقعہ کہہ سنایا، کلیب نے کہا کہ اسے یہاں سے نکالو، جساس کو یہ بات بہت بری لگی کیونکہ اونٹنی کا مالک جساس کی خالہ بسوس کا مہمان تھا، جساس نے کہا کہ یہ میرے اونٹوں کے ساتھ ہی رہے گی، کلیب نے جواب دیا کہ اگر میں نے دوبارہ اسے چراگاہ میں دیکھا تو اس کے پستانوں پر تیر ماروں گا، جساس نے کہا کہ اگر اسے تیر مارو گے تو میں اپنا نیزہ تمہارے سینے میں اتار دوں گا۔

اس تلخ کلامی کے بعد دونوں اپنے اپنے گھر چلے گئے، اگلے دن جلیلہ نے جسے اس واقعہ کی اطلاع مل چکی تھی کلیب کو قسمیں دیکر چراگاہ جانے سے روک دیا اور دوسری طرف جساس کو بھی منع کیا کہ چند دن چراگاہ کی طرف نہ جائے۔

چند دن بعد کلیب چراگاہ گیا اور سراب نامی اونٹنی کو دوبارہ وہاں دیکھ کر سیخ پا ہو گیا اور اس کے پستان میں تیر مارا جو دوسری جانب سے نکل گیا اونٹنی چیختی چلاتی اپنے مالک کے دروازے پر پہنچی تو جساس کی خالہ بسوس نکل آئی اور مہمان کے ساتھ ہونے والے اس ذلت بار سلوک پر فریاد کرنے لگی، گھر میں موجود جساس نے دونوں کو آکر تسلی دی اور کہا عنقریب میں اس سے بڑا اونٹ قتل کروں گا۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس کے بعد جساس ہمیشہ موقعہ کی تلاش میں رہتا تا کہ کلیب سے اپنا حساب برابر کرے، ایک دن کلیب گھر سے نکلا تو جساس گھوڑے پر سوار ہو کر اس کے تعاقب میں روانہ ہوا اور موقعہ ملتے ہی نیزہ اس کے بدن میں اتار دیا۔

کلیب کی موت کی خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی اور کلیب کے رشتہ داروں نے خوب سوگ منایا، کلیب کے بھائی مہلہل کو جو شراب نوشی وغیرہ میں مصروف تھا جب کلیب کے مرنے کی خبر دی گئی تو اس نے عورت اور شراب کو اپنے اوپر حرام قرار دے دیا، سر منڈ والیا، لباس کوتاہ کر لیا اور قبیلہ کو انتقام کے لئے اکٹھا کیا اور جساس کے قبیلہ شیبان کے سردار کے پاس وفد بھیجا اور چند تجاویز پیش کیں کہ یا کلیب کو زندہ کر دو یا اس کے قاتل جساس کو ہمارے حوالے کر دو یا ہمام جو کلیب کا ہم مرتبہ ہے کو ہماری تحویل میں دو اگر یہ نہیں کر سکتے ہو تو خود کو ہمارے حوالے کر دو ہم کلیب کے بدلے تمہارے خون پر ہی اکتفاء کر لیں گے۔

بنی شیبان کے سردار نے جواب میں کہا کہ کلیب کو زندہ کرنا ہمارے بس سے باہر ہے، رہی بات جساس کی تو وہ کلیب کو قتل کرنے کے بعد نہیں معلوم کہاں چلا گیا ہے اور جہاں تک ہمام کو تمہارے حوالے کرنے کی بات ہے تو اولاً ہمام دس آدمیوں کا باپ، دس کا بھائی اور دس کا بھتیجا ہے جو سب کے سب انتہائی بہادر ہیں اور ثانیاً کسی کے جرم کی سزا کسی دوسرے کو دینا صحیح نہیں ہے لہذا ہمام کو تمہارے حوالے نہیں کیا جا سکتا باقی رہ گیا میں تو مجھے مرنے کی کوئی جلدی نہیں ہے ہاں اگر میدان جنگ گرم کیا گیا تو سب سے پہلے قتل ہونے والا میں ہوں گا۔

تمہارے پاس راہ حل یہ ہے کہ یا تو میرے بیٹوں میں سے کسی کا انتخاب کر کے کلیب کے بدلے قتل کر دو یا میں ایک ہزار اونٹ خونبہا کے طور پر تمہیں دیتا ہوں۔

بنی شیبان کے سردار کی گفتگو نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور اس طرح دونوں قبیلوں کے درمیان جنگوں کا آغاز ہوا جو چالیس سال تک جاری رہا اور قیس بن شراحیل کی کوششوں سے دونوں قبیلوں کے درمیان جاری جنگ کا خاتمہ ہوا۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جنگ داحس وغبراء:

عدنانی قبائل کے درمیان چالیس سال جاری رہنے والے جنگوں کے اس سلسلہ کو جنگ داحس وغبراء کہا جاتا ہے، ان جنگوں کا آغاز یوں ہوا کہ حذیفہ بن بدر فرازی بہت سے گھوڑوں کا مالک تھا ایک دن ایک جوان ورد بن مالک نے کہا کہ اگر تم قیس کے گھوڑوں میں سے کسی کا انتخاب کرلو تو تمہارے گھوڑوں کی نسل اچھی ہوجائے گی، حذیفہ نے جواب دیا کہ میرے گھوڑوں کی نسل قیس کے گھوڑوں سے اچھی ہے اس کو ثابت کرنے کے لئے گھڑ دوڑ کا اہتمام کیا گیا۔

حذیفہ کی طرف سے خطار اور حنفار نامی گھوڑے، دوڑ میں شریک ہوئے اور قیس کی جانب سے داحس وغبراء نامی گھوڑوں کا انتخاب کیا گیا، دوڑ میں کامیاب ہونے والے کو مخالف فریق کی جانب سے سو اونٹ بطور انعام دیئے جانے تھے۔

حذیفہ کو ڈر تھا کہ شاید اس کے گھوڑے کامیاب نہ ہو پائیں لہذا اس نے قبیلہ بنی اسد کے ایک شخص کو مامور کیا کہ وادی ذات الاصیاد کے قریب داحس اور غبراء کی راہ میں حائل ہوجائے اور کچھ دیر کے لیے انھیں روکے رکھے۔

دوڑ شروع ہوتے ہی داحس آگے نکل گیا اور جب وادی ذات الاصیاد پہنچا تو حذیفہ کے کارندے نے اسے روک لیا، داحس کے پیچھے آنے والے غبراء سوار نے یہ دیکھ کر راستہ بدلا اور طے شدہ فاصلہ تیزی سے عبور کر کے پہلے نمبر پر آیا، اس کے بعد خطار اور حنفار اور آخر میں داحس پہنچا۔

مقابلہ کے نتیجہ کے بارے میں حذیفہ اور قیس میں اختلاف ہوگیا، حذیفہ نے انعام کی وصولی کے لیے اپنے بیٹے کو قیس کے پاس بھیجا، قیس نے انعام کی بجائے اسے قتل کردیا اور اس کے بعد جنگ کا سلسلہ چل نکلا جو یوم عذق، ذات الجراجر، یوم بوار وغیرہ پر مشتمل ہے اس کا خاتمہ حارث بن عوف بن حارثہ مری اور ہرم بن سنان کی کوششوں سے ہوا۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جنگ فجار:

اعراب کی باہمی جنگوں کے ایک سلسلہ کا نام فجار ہے، فجار نافرمانی یا گناہ کو کہا جاتا ہے اور یہ جنگیں چونکہ حرام مہینوں میں (یعنی جن میں قتل و غارت ممنوع قرار پائی تھی) لڑی گئیں لہذا انھیں فجار کہا جاتا ہے۔ ان جنگوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے فجار اول اور فجار ثانی، فجار اول تین اور فجار دوم پانچ جنگوں پر مشتمل ہے، ان جنگوں میں سے بعض کی جانب اشارہ کریں گے:

قبیلہ غفار کا ایک شخص بدر بن معشر بازار عکاظ آیا اور لوگوں میں بیٹھ کر فخر و مباہات کرنے لگا، اس کے بعد اپنے پاؤں پھیلا کر گویا ہوا کہ میں عرب کا سب سے باعزت فرد ہوں اگر کسی کو شک ہو تو تلوار کے ذریعہ میرے پیر سمیت کر دکھائے! یہ سن کر بنی نصر کے جوان احمر بن مازن نے تلوار مار کر اس کے دونوں پیر گھٹنوں سے جدا کر دیئے اور کہا کہ لو میں نے تمھارے پیر سمیت دیئے ہیں اس کے بعد تم کبھی بھی پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھوگے، یہیں سے دونوں افراد کے حمایتی اٹھ کھڑے ہوئے جنگ فجار کا آغاز ہوا۔

جنگ فجار میں سے ایک جنگ کا آغاز اس وقت ہوا جب قریش اور کنانہ کے جوانوں نے بنی عامر کی ایک خوبصورت عورت کو بازار عکاظ میں بیٹھے دیکھا، انھوں سے اس بات کرنا چاہی تو عورت نے منہ پھیر لیا ایک لڑکے نے خاموشی سے اس عورت کی چادر یا قمیص دھاگے کے ساتھ اس کی کمر سے باندھ دی. جب وہ عورت اٹھی تو اس کی کمر برہنہ ہوگئی، تمام لڑکے ہنسنے لگے کہ تم نے ہم سے چہرہ چھپا کر کمر دکھانے کا موقعہ دیا۔

یہ سن کر عورت نے چیخ و پکار شروع کی اور اپنے قبیلہ والوں کو مدد کے لیے پکارا جس کے نتیجہ میں بنی عامر مسلح ہو کر آگئے اور جنگ شروع ہوگئی۔

خلاصہ کلام یہ کہ اعراب میں ہونے والی جنگوں کا نقطہ آغاز کوئی بھی واقعہ ہوسکتا تھا اور تقریبا ہر جنگ کا اختتام خواہ کتنی ہی مدت کے بعد کیوں نہ ہو صلح پر ہوتا، وہ چیز جو ہمیشہ باقی رہتی آپس میں بغض و کینہ اور آنے والی نسلوں کے لیے فخر و مباہات کا سامان ہوتا تھا۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

ادیان

جزیرۃ العرب میں موجود ادیان اور ان کی پیدائش کے بارے میں گفتگو مختلف آراء ونظریات کی وجہ سے انتہائی پیچیدہ ہے اور محققین ودانشمند حضرات اس میدان میں شرک سے توحید یا توحید سے شرک جیسی مباحث کے ذریعہ کامل دین کے بارے میں گفتگو کرتے نظر آتے ہیں۔

اس بحث کو پیش کرنے کا ہمارا بنیادی مقصد زمانہ جاہلیت کے اس عرب معاشرے کی تصویر کشی کرنا ہے جس میں دین اسلام پیش کیا گیا تا کہ اعراب کے مذہبی معاشرہ کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلام کو بہتر انداز میں سمجھ سکیں۔

بت پرستی:

زمانہ جاہلیت میں اعراب کے درمیان سب سے زیادہ بت پرستی رائج تھی البتہ یہاں ایک حقیقت کی جانب اشارہ کرنا زیادہ مناسب ہوگا اور وہ یہ کہ بت پرستی سے قبل حجاز وغیرہ میں بنی اسماعیل کے درمیان خدائے یکتا کی عبادت کی جاتی تھی۔

یہ صرف ایک ادعا نہیں بلکہ بہت سے قرائن وشواہد اس بات کے گواہ ہیں کہ اس علاقہ میں انسان نے توحید سے شرک کی جانب سفر طے کیا ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے درمیان اللہ کی عبادت کا تصور اور اس کی خالقیت ومالکیت کا اعتقاد پایا جاتا ہے چنانچہ اس سلسلہ میں معتبر ترین تاریخی سند قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ ﴾ یا ﴿ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ ﴾ ''اگر ان سے پوچھو کہ آسمان اور زمین کو کس نے خلق کیا اور سورج اور چاند کو کس نے مسخر کیا ہے تو یقیناً کہیں گے کہ اللہ نے! اگر تم ان سے سوال کرو کہ آسمان سے پانی کون برساتا ہے اور اس کے ذریعہ مردہ زمین کو زندہ

Presented by: Rana Jabir Abbas
jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

کون کرتا ہے تو یقیناً کہیں گے اللہ"۔(۱)

مذکورہ آیات کے علاوہ ایسے نام اور رسوم بھی نظر آتی ہیں جو اسی حقیقت کی جانب اشارہ کرتی ہیں چنانچہ زمانہ جاہلیت میں موجود نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن یا قبیلہ قریش کا دوران طواف "تلبیہ" پڑھنا کہ: لبیک اللھم لبیک لاشریک لک الا شریک ھو لک تملکه وماملک اور اس تلبیہ میں خدا متعال کو لاشریک قرار دینے کے بعد اپنے خداؤں کو شریک قرار دے کہ خدا کی ملکیت قرار دینا اس سلسلہ میں بہترین گواہ ہیں(۲)

بت پرستی کا آغاز:

سوال یہ ہے کہ بنی اسماعیل نے توحید سے بت پرستی تک کا سفر کیسے طے کیا؟ یا بالفاظ دیگر بت پرستی کا آغاز حجاز میں کس طرح ہوا ؟اس سوال کے جواب میں متعدد نظریات پیش کیے گئے ہیں:

۱۔مکہ میں سکونت پذیر اولاد حضرت اسماعیل کی تعداد جب کچھ عرصہ بعد زیادہ ہوگئی تو ان میں سے بعض نے تلاش معاش کے لیے مکہ سے باہر کا رخ کیا، لیکن آباؤ اجداد کے شہر اور کعبہ سے محبت کے نتیجہ میں ہر جانے والا اس مقدس سرزمین کے چند پتھر بھی اپنے ہمراہ لے جاتا اور جہاں کہیں پڑاؤ ڈالا جاتا یا منزل کی جاتی وہاں ان پتھروں کو جوڑ کر کعبہ کی یاد میں طواف کیا جاتا۔

یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا یہاں تک کہ بعد والی نسلوں نے اسے اپنا شیوہ بنا لیا اور جہاں کہیں جاتے یہ پتھر اپنے ہمراہ لے جاتے یہاں تک کہ ایام حج میں بھی انھیں اپنے ہمراہ رکھتے، شاید یہ پتھر اب مکہ سے زیادہ اپنے آباؤ اجداد سے منسوب ہونے کی بناء پر انھیں عزیز تھے، بعض افراد نے تو اپنے بزرگوں کے مرنے کے بعد ان پتھروں کو تراش کر مرنے والے افراد کی شکل دینے کی کوشش بھی کی۔

۱۔سورۂ عنکبوت ۶۱/۶۳

۲۔الاصنام محمد بن صائب کلبی ۲۰۱۔۳۰۱ بہ نقل از تاریخ صدر السلام ص ۱۲۹

Presented by: Rana Jabir Abbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

خلاصہ کلام آہستہ آہستہ یہ پتھر تقدس کا لباس پہن کر ان کے خداؤں کی شکل اختیار کر گئے اور جب مالی حالت ٹھیک ہونے کے بعد ان میں سے بعض افراد دوبارہ مکہ میں سکونت پذیر ہونے کے لئے پلٹے تو وہ بت اپنے ہمراہ ہی لے آئے اور اس طرح مکہ میں بت پرستی کا آغاز ہوا اور یہیں سے بت پرستی دیگر مناطق میں بھی سرایت کر گئی کیونکہ ہر سال جزیرۃ العرب کے دور دراز علاقوں سے لوگ یہاں مذہبی رسومات ادا کرنے آتے تھے اور جب وہ قریش جیسے دین داروں کو بتوں کے سامنے پیشانی ٹیکتے ہوئے دیکھتے تو متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے اور واپسی پر زمانہ جاہلیت کی سوغات ہمراہ لئے جاتے۔

۲۔ بعض محققین و مورخین کے نزدیک بت پرستی کو رائج کرنے والی شخصیت کا نام عمرو بن لحی ہے،

عمرو بن لحی قبیلہ خزاعہ کا جد امجد ہے جس نے اولاد حضرت اسماعیل کے ساتھ مل کر قبیلہ جرہم سے جنگ کی اور مکہ پر حکمران ہو گیا، کہا جاتا ہے کہ عمرو بن لحی کسی نامعلوم مرض میں مبتلا ہو گیا اور علاج معالجہ کے باوجود جب افاقہ نہ ہوا تو کسی نے مشورہ دیا کہ شام کی طرف بلقاء نامی بستی میں گرم پانی کا چشمہ ہے وہاں جاؤ اور اس پانی سے غسل کرو، عمرو بن لحی نے وہاں جا کر غسل کیا تو ٹھیک ہو گیا، وہاں پر اس نے لوگوں کو بتوں کی پرستش کرتے ہوئے دیکھا تو پوچھا یہ کیا ہے؟ بلقاء کے رہنے والوں نے بتایا کہ یہ وہ ہیں جن کی شفاعت و سفارش کے نتیجہ میں بارشیں نازل ہوتی ہیں اور انھیں کو وسیلہ بنا کر ہم دشمن پر غلبہ پاتے ہیں۔

یہ سن کر عمرو بن لحی نے کہا کہ چند بت ہمیں بھی دے دو، چنانچہ انھوں نے چند بت عمرو کے حوالے کئے جنھیں اس نے مکہ آنے کے بعد کعبہ کے اطراف میں نصب کیا، عمرو کے لائے گئے بتوں میں سب سے معروف بت ہبل ہے چنانچہ جنگ احد کے بعد ابوسفیان اسی بت کا نام لے کر نعرے لگا رہا تھا۔

۳۔ بعض محققین بنی اسماعیل کے توحید سے شرک کی جانب سفر کے سلسلہ میں تہذیب و تمدن اور جنوبی قبائل سے لین دین کو دخیل قرار دیتے ہیں، بنی اسماعیل شروع ہی سے اعراب کے مختلف قبائل کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے کبھی قبیلہ جرہم کے ساتھ اور کبھی قبیلہ خزاعہ کے ساتھ، خلاصہ ان قبائل کی تہذیب نے بنی اسماعیل کی خدا پرستی کو کم اہمیت کر دیا اور رہی سہی کسر جنوبی قبائل کی حجاز مہاجرت نے پوری کر دی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کیونکہ درحقیقت وہ لوگ اپنے ہمراہ بتوں کو لے کر مکہ آئے تھے۔

۴۔ ایک نظریہ کے مطابق بت پرستی درحقیقت کسی شخصیت سے بے پناہ لگاؤ کا نتیجہ ہے ابتداء میں لوگوں نے اپنے آباءواجداد یا قبیلہ کے سردار کی موت کے بعد اس کا مجسمہ بنایا اور یہ مجسمہ آہستہ آہستہ ان کے خدا کا روپ دھارتا گیا۔

بت پرستی خواہ کسی بھی قالب میں وارد حجاز ہوئی ہو لیکن کچھ ہی مدت کے بعد جزیرۃ العرب کے سب سے بڑے دین کی شکل اختیار کر گئی یہاں تک کہ ہر قبیلہ، ہر خاندان بلکہ ہر گھر کا اپنا بت تھا اور اگر کسی کے پاس کچھ نہ ہوتا تو وہ چار پتھر لیکر تین پتھروں کا چبوترا بناتا اور چوتھے پتھر کو اس کے اوپر رکھ کر عبادت شروع کر دیتا۔

مکہ شہر میں بتوں کی تعداد تین سو ساٹھ سے بھی زیادہ بتائی جاتی ہے، اعراب کے نزدیک تمام بت قابل احترام نہیں تھے بلکہ ہر قبیلہ دوسرے قبیلے کے بت کا بھی دشمن ہوتا اور مخالف فریق پر فتح کی صورت میں دشمن کے بے جان خدا کو بھی جان سے ہاتھ دھونے پڑتے تھے البتہ چند بت ایسے بھی تھے جو تمام اعراب کے نزدیک قابل احترام تھے۔

مجموعی طور پر بت مختلف شکلوں کے حامل اور گوناگوں اشیاء سے بنائے جاتے تھے چنانچہ وہ بت جو لکڑی، سونا، چاندی وغیرہ سے بنائے جاتے تھے انھیں اصنام کہا جاتا تھا اور پتھروں کو تراش کر بنائے جانے والے بتوں کا نام، اوثان تھا بتوں کی تیسری قسم انصاب ہے، انصاب کے بارے میں مورخین کی آراء مختلف ہیں بعض کے نزدیک انصاب ایسے بت کو کہا جاتا ہے جو تراشیدہ نہیں ہوتا بلکہ پتھر کی شکل میں ہوتا ہے، بعض کے بقول انصاب وہ پتھر یا چٹان ہے جسے جانوروں کے ذبح کرنے کے لیے زمانہ جاہلیت میں نصب کیا جاتا تھا اور اعراب اس پر قربانی کیا کرتے تھے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی عبادت بھی شروع کر دی گئی، چنانچہ اس قول کی تائید قرآن مجید سے بھی ہوتی ہے۔ ﴿حرّمت علیکم المیتہ والدّم ولحم الخنزیر .... وما ذبح علی النّصب﴾ " تمہارے لیے مردار، خون، خنزیر کا گوشت

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

...............اور وہ جانور جو مقدس پتھروں پر ذبح کئے جاتے ہیں حرام قرار دیئے گئے ہیں"۔(۱)

مشہور و معروف بت:

قرآن مجید میں متعدد بتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے،ان میں سے بعض تو حضرت نوحؑ کے زمانہ سے بھی پہلے سے رائج تھے چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿قال نوح ربّ انّهم عصونی واتّبعوا من لم يزده ماله وولده الا خسارا ومکروا مکرا کبارا وقالوا لا تذرنّ ودا ولا سواعا ولا يغوث ويعوق ونسرا﴾ نوحؑ نے عرض کی "خدایا انھوں نے میری نافرمانی کی اور اس کی پیروی کی کہ جس کے مال و اولاد نے سوائے گھاٹے کے کچھ نہیں دیا اور ان لوگوں نے بہت بڑا مکر کیا اور بولے کہ اپنے خداؤں کو ہرگز نہ چھوڑنا، ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو ہرگز نہ چھوڑنا"(۲)

اعراب ان پانچ بتوں کی عبادت کیا کرتے تھے، چنانچہ ودّ کو پیامبر اکرمؐ کے فرمان کے مطابق غزوہ تبوک کے بعد منہدم کر دیا گیا، سواع کی پرستش یثرب کے مضافات میں کی جاتی تھی، بنی مذحج یغوث کی عبادت کیا کرتے تھے، عمرو بن لحی کی تجویز پر قبیلہ ہمدان نے یعوق کو پرستش کے لئے انتخاب کیا اور نسر، بنی حمیر کے حصہ میں آیا، ان بتوں کے علاوہ چند بت ایسے بھی ہیں جو اعراب کے نزدیک نہایت معروف اور قابل احترام تھے، آیئے ان میں سے بعض کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔

لات:

اعراب کے تین معروف ترین بت: لات، منات اور عزیٰ تھے جنھیں خدا کی بیٹیاں کہا جاتا تھا ﴿افرايتم اللات والعزی ومناة الثالثة الاخری، الکم الذّکر وله الانثی﴾ (۳) کیا تم نے

۱۔ سورۂ مائدہ ۳۔۵

۲۔ سورۂ نوح ۲۱۔۲۳)

۳۔ سورۂ نجم ۱۹۔۲۰

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

لات، عزیٰ اور منات کو دیکھا ہے! کیا تمہارے لیے بیٹے اور خدا کے لئے بیٹیاں ہیں" مذکورہ بتوں میں سے ایک بت کا نام ہے لات:

لات سفید رنگ کی ایک چوکور چٹان تھی جو طائف میں قبیلہ ثقیف کے درمیان موجود تھی، بنی ثقیف نے اس کے گرد عمارت بنا کر اسے حرم کا درجہ دیا ہوا تھا، کہا جاتا ہے کہ لات کسی شخص کا نام تھا اور اس کے مرنے کے بعد عمرو بن لحی نے طائف والوں سے کہا کہ وہ مرا نہیں ہے بلکہ اس چٹان کے اندر چلا گیا ہے چنانچہ بنی ثقیف نے وہاں عمارت بنا کر اس کا نام لات رکھدیا اور نذرانے پیش کرنے لگے (۱)

عزیٰ:

تین جڑے ہوئے درختوں کا نام عزیٰ تھا، (۲) حجاز کے لوگ حج مکمل کر کے احرام نہیں اتارتے تھے بلکہ حالت احرام ہی میں عزیٰ کے گرد جا کر طواف کرتے اور پھر احرام اتارتے تھے، عزیٰ اگرچہ قریش کا مخصوص بت تھا لیکن دیگر قبائل بھی عزیٰ کی پرستش کیا کرتے تھے۔ (۳)

منات:

دریائے سرخ کے ساحل کے نزدیک قدید میں سرزمین مشلل پر نصب منات، تمام اہل حجاز کے لئے قابل احترام تھا، لوگ مناسک حج ادا کرنے کے بعد سر منڈوائے بغیر منات کی بارگاہ میں آتے اور عبادت کرنے کے بعد سر منڈوایا کرتے تھے (۴)۔

۱۔ معجم البلدان ج ۵ ص ۴ از تاریخ صدر اسلام ص ۱۳۳

۲۔ اخبار مکہ ص ۱/۱۰۴ تفسیر ابن کثیر ج ۶ ص ۱/۴۵۴

۳۔ اخبار مکہ ص ۱/۱۰۴

۴۔ الاصنام ص ۱۱۰، تلبیس ابلیس ص ۱/۵۶

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہبل:

عربوں کے متعدد بتوں میں سے کچھ بت کعبہ میں نصب تھے، ان میں سے سب سے زیادہ معروف ومشہور بت کا نام ہبل تھا، انسانی شکل وصورت میں تراشیدہ یہ بت سرخ عقیق سے بنا ہوا تھا، اس بت کا ایک ہاتھ موجود نہیں تھا چنانچہ قریش نے اس کمی کو پورا کرنے کے لئے سونے کا ہاتھ لگا دیا تھا۔(۱)

ہبل کے قریب ہی ازلام یعنی مختلف امور میں قرعہ اندازی کے ذریعہ فیصلہ کرنے والے تیر رکھے رہتے تھے ان تیروں پر مختلف کلمات لکھے ہوئے تھے یا بعض اوقات خود ان پر نام لکھ کر قرعہ اندازی کرتے تھے مثلاً اگر کسی کا خون بہا دینے کے سلسلہ میں اختلاف ہوتا تو اختلاف کرنے والوں کے نام تیروں پر لکھے جاتے اور پھر جس کا نام نکل آتا وہی خون بہا ادا کرتا۔

عام طور پر کچھ جملے ہمیشہ ان تیروں پر ثبت رہتے مثلاً ہاں یا نہیں اگر کوئی شخص کوئی کام کرنا چاہتا تو ان تیروں کے ذریعہ معلوم کرتا تھا کہ اس کام کو انجام دے یا چھوڑ دے یا بعض تیروں پر لکھا ہوا تھا کہ تم میں سے ہے یا تمہارے غیر سے ہے ان تیروں کا استعمال عموماً اس وقت کیا جاتا جب کسی شخص کے نسب کے بارے میں شک کیا جاتا تھا۔

دلچسپ امر یہ ہے کہ بعض لوگ اس وقت تک ان تیروں کے ساتھ قسمت آزمائی کرتے رہتے جب تک من پسند تیر برآمد نہیں ہوتا تھا۔

اساف ونائلہ:

کعبہ میں موجود بتوں میں سے دو بت کچھ عرصہ صفا ومروہ پر بھی نصب رہے ہیں ان بتوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ دونوں درحقیقت مرد وعورت تھے لیکن کعبہ میں ہم بستری کے نتیجہ میں پتھر کے ہو گئے تھے لوگوں نے عبرت کے لئے انھیں صفا ومروہ پر نصب کر دیا لیکن کچھ عرصہ بعد ان کی پرستش شروع کر دی

۱۔ الاصنام ص ۱۲۳۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

گئی اور بعد میں ایک کو کعبہ کے قریب اور دوسرے کو زمزم کے کنارے نصب کر دیا گیا۔(۱)

دین حنیف یا حنفاء:

ظہور اسلام سے پہلے حجاز میں چند ایسے افراد دیکھنے کو ملتے ہیں جو خود کو دین ابراہیمؑ کا پیرو قرار دیتے تھے، حنفاء کے بارے میں گفتگو شروع کرنے سے پہلے ایک نظر حنیف و حنفاء کے معنی پر ڈال لی جائے، علمائے لغت و تاریخ نے حنیف یا حنفاء کے متعدد معانی ذکر کیے ہیں: مثلاً دین ابراہیمی پر کاربند، خیر سے شر یا شر سے خیر کی جانب گامزن، حج اور ختنہ کرنے والے افراد، بت پرست، مخلص وغیرہ...

سب سے اہم معنی یا اصطلاح کے مطابق حنفاء وہ افراد ہیں جو بت پرستی سے کنارہ کش اور حضرت ابراہیمؑ کی سنت پر عمل کرنے کی کوشش کریں البتہ مورخین نے ایسے افراد کو بھی حنفاء کے زمرہ میں شمار کیا ہے جو بت پرستی سے کنارہ کش ہونے کے بعد یہودیت یا عیسائیت کے پیرو ہو گئے تھے، ذیل میں چند معروف حنفاء کی جانب اشارہ کرتے ہیں:

ابن ہشام نے روایت کیا کہ قریش ہر سال ایک بت کے گرد جمع ہو کر جشن منایا کرتے تھے، ایک دفعہ سب جشن منانے میں مصروف تھے تو ان میں سے چند آدمی تھک کر یا کسی وجہ سے ایک طرف بیٹھ گئے اور جشن و عبادت کے بارے میں باتیں کرنے لگے، آہستہ آہستہ گفتگو عبادت سے ہوتی ہوئی بتوں کی عبادت دین ابراہیم وغیرہ پر پہنچ گئی، سب نے طے کیا کہ اس بات چیت سے کسی کو آگاہ نہیں کریں گے، عہد و پیمان کرنے کے بعد ایک نے کہا کہ خدا کی قسم بتوں کی عبادت ہمارے باپ ابراہیم کا شیوہ نہیں ہو سکتا یہ کام سراسر غلط ہے، دوسروں نے بھی تائید کی اور اس کے بعد یہ لوگ جدا ہو گئے۔

ورقہ بن نوفل، عبداللہ بن جحش، عثمان بن حویرث اور زید بن عمرو بن نفیل پر مشتمل گروہ میں سے ورقہ عیسائی ہو گیا، عثمان بن حویرث روم جا کر عیسائیت کے پیروکاروں میں شامل ہو گیا، عبداللہ شک و تردید

۱۔ سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۸۲، ۱ / روض الانف ج ۱ ص ۳۵۴۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

میں جتلا رہا یہاں تک کہ ظہور اسلام کے بعد مسلمان ہو کر حبشہ ہجرت کر گیا اور وہاں جا کر عیسائی ہو گیا اور زید بن عمرو بن نفیل نے بت پرستی چھوڑ دی اور خود کو دین حنیف کا پیروکار کہلوانے لگا، حنفاء کے زمرہ میں اور بھی چند افراد کا ذکر ہوا ہے مثلاً عدی بن حاتم، امیۃ ابن ابی الصلت وغیرہ۔

مورخین حضرت ابوذر غفاری کو حنفاء کے زمرہ میں شمار نہیں کرتے بلکہ انھیں صرف بت پرستی سے ہاتھ کھینچنے والوں میں قرار دیتے ہیں حضرت ابوذر غفاری کا قصہ کچھ یوں ہے کہ انھوں نے ایک مرتبہ دیکھا کہ ایک کتا انکے قبیلہ کے بت "فلس" پر پیشاب کر رہا ہے مگر بت کی جانب سے کوئی ردعمل سامنے نہیں آتا جس کے نتیجہ میں حضرت ابوذر سوچ میں پڑ جاتے ہیں اور بت پرستی سے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں۔

بعض تاریخی منابع میں مذکور ہے کہ حنفاء یا دین حنیف کے پیروکار عام طور پر چند آداب و رسوم کی پابندی کیا کرتے تھے اور حنفاء کے اہم ترین آداب و رسوم میں سے چند ایک یہ ہیں:

۱۔ حج ۲۔ ختنہ ۳۔ نکاح محارم سے پرہیز ۴۔ جنابت کے بعد غسل ۵۔ مردار کے گوشت سے اجتناب و......

البتہ یہ قطعاً ضروری نہیں تھا کہ جو بھی خود کو دین حنیف کا پیرو کہے وہ ان تمام آداب و رسوم کی پابندی بھی کرے بلکہ یہ سب اپنی مرضی پر مشتمل تھا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ دین حنیف کے کوئی آداب و رسوم یا اصول و ضوابط تھے ہی نہیں، ان لوگوں میں صرف ایک ہی قدر مشترک تھی یعنی بت پرستی سے بیزاری! اسلام آنے کے بعد جب ان کی جانب توجہ کی گئی تو ان کے کردار کو مدنظر رکھتے ہوئے بعد والے لوگوں نے ان کے لئے آداب و رسوم فرض کر لیے اور وہ بھی صرف اسی دائرے میں کہ جو کسی نہ کسی حوالے سے سنت ابراہیمی سے شباہت رکھتے تھے۔

مغربی اسکالرز اور حنفاء:

ایسے مغربی اسکالرز جن کی شروع سے یہ کوشش رہی ہے کہ کسی نہ کسی طرح یہ ثابت کریں کہ اسلام

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

آسمانی دین نہیں ہے اور اس کا خدا و وحی سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس سلسلہ میں وہ تمام ایسے شواہد و قرائن پر زور دیتے ہیں جن کے ذریعہ یہ ثابت کیا جاسکے کہ یا تو پیامبر اکرمؐ نے قرآنی و الٰہی مطالب یہودیت و عیسائیت سے لئے ہیں یا اسلام عرب معاشرے کے تکاملی و ارتقائی مراحل کا نتیجہ ہے چنانچہ دین حنیف یا حنفاء کے ذریعہ بھی انھوں نے اپنی کوشش جاری رکھی اور کہا اسلام دین حنیف کی ارتقائی شکل کا نام ہے اور پیامبر اکرمؐ نے جو تعلیمات پیش کی ہیں وہ در حقیقت حنفاء کے درمیان رائج تھیں چنانچہ اس سلسلہ میں امیہ بن ابی الصلت کے اشعار کو بنیاد بنایا جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ جائزہ لیتے ہیں کہ کیا اسلام واقعی دین حنیف کی ارتقائی شکل ہے؟

تاریخی روایات صریحی طور پر یہ بیان کرتی ہیں کہ دین حنیف نامی کوئی دین اس وقت موجود ہی نہیں تھا بلکہ حنفاء تھے جو صرف چند سنتوں پر عمل کیا کرتے تھے اور انھیں کسی دین کی پیروی کی وجہ سے نہیں بلکہ بت پرستی سے کنارہ کشی کی وجہ سے حنفاء کہا جاتا تھا۔

اگر اسلام، دین حنیف کی ارتقائی شکل ہے تو پھر اس ارتقائی عمل میں دین حنیف سے پہلے کونسا مرحلہ تھا؟ اس کے جواب میں یقیناً بت پرستی کہا جاسکتا ہے یعنی بت پرستی سے دین حنیف اور دین حنیف سے اسلام! جبکہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ مکہ میں بت پرستی کے وجود میں آنے سے پہلے لوگ توحید کے گرویدہ تھے لہٰذا بت پرستی ارتقائی مرحلہ نہیں ہو سکتی۔

اس کے علاوہ اگر اسلام ارتقائی شکل کا نام ہوتا تو پھر ظہور اسلام کے بعد تمام حنفاء کو اسلام کے دائرہ میں آجانا چاہیے تھا جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ صرف چند گنے چنے افراد مسلمان ہوئے جبکہ حنفاء کی اکثریت نے عیسائیت کو گلے لگایا۔

دوسرا مسئلہ اسلامی تعلیمات کے بارے میں ہے کہ جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ تعلیمات حنفاء سے لی گئی ہیں اور بطور دلیل امیہ بن ابی الصلت کے اشعار و واقعات پیش کیے جاتے ہیں، بحث کے طولانی ہو جانے کے پیش نظر صرف اتنا عرض کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں کہ ان روایات میں امیہ کی شخصیت کو

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا کہ جسے اپنی بعثت کی توقع تھی یا امیہ جانوروں کی زبان سمجھتا تھا اور اہم مسئلہ امیہ کے اشعار ہیں جن میں اسلامی عقائد، انبیاء کے قصے اور دیگر قرآنی تعلیمات ہیں سوال یہ ہے کہ کیا واقعا امیہ کے اشعار سے اسلامی تعلیمات لی گئی ہیں یا قصہ کچھ اور ہے؟

اس مسئلہ کے بارے میں ڈاکٹر جواد علی نے انتہائی خوبصورت بحث کی ہے ہم ان کی گفتگو کا خلاصہ قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں:

☆ سب سے پہلے یہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ امیہ نے یہ تعلیمات قرآن مجید سے لی ہوں اور اپنے نام سے اشعار کے قالب میں ڈھال کر پیش کردی ہوں اس فرض کو تسلیم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ:

۱۔ امیہ کے اشعار میں ہجرت کے آٹھویں سال کے بعد نازل ہونے والی تعلیمات نہیں ہونا چاہئیں کیونکہ ہجرت کے آٹھویں سال امیہ مر چکا تھا۔

۲۔ اس فرض کا مطلب ہے کہ امیہ ہمیشہ قرآن سنتا تھا یعنی جب بھی آیات نازل ہوتیں تو وہ سننے کے چکر میں رہتا تا کہ ان کی روشنی اپنا تازہ کلام پیش کر سکے۔

۳۔ اس کے علاوہ امیہ کے اشعار میں موجود قرآنی تعلیمات ترتیب نزول کے مطابق ہونا چاہیں البتہ یہ کام مشکل ہے کیونکہ اشعار کہے جانے کا وقت معین نہیں کیا جاسکتا۔

۴۔ امیہ کے اشعار میں ایسے الفاظ استعمال نہیں ہونے چاہئیں جو اسلام کے بعد والے ادوار میں رائج ہوئے ہیں اور امیہ کی زندگی میں نامانوس شمار ہوتے تھے۔

۵ اگر امیہ اس قسم کی ادبی چوری میں مصروف تھا تو مسلمانوں اور آنحضرتؐ کی جانب سے کوئی اقدام ضرور اٹھایا جانا چاہیے تھا۔

مذکورہ بالا باتوں کی روشنی یہ فرضیہ ٹھیک نہیں ہوسکتا۔

☆ دوسرا فرضیہ یہ ہے کہ قرآنی تعلیمات امیہ کے اشعار سے اخذ کی گئی ہیں البتہ یہ تصور کرنا بھی

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مشکل ہے کہ قرآن امیہ سے لیا گیا ہے کیونکہ اس صورت میں سب سے پہلے تو یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ امیہ کے یہ تمام اشعار بعثت سے قبل کہے گئے ہیں، جسے ثابت کرنا ناممکن ہے اور وہ لوگ جو قریش کی سربراہی میں پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کررہے تھے اگر یہ جانتے تھے کہ پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امیہ کے اشعار کو قرآن کی صورت میں پیش کررہے ہیں، خاموش کیوں بیٹھے رہے؟! چنانچہ کہہ سکتے تھے کہ یہ تو امیہ کے اشعار کا چربہ ہے۔

قریش تو چھوٹی چھوٹی باتوں کو بہانا بنا کر کہا کرتے تھے کہ یہ فلاں عیسائی غلام سے سیکھی گئی باتیں ہیں، وہ اتنے بڑے واقعہ کے بارے میں ساکت کیوں رہے؟ اور تو اور خود امیہ نے اس قسم کا کوئی دعویٰ نہیں کیا اور اگر امیہ اس قسم کا دعویٰ کرتا تو قریش اور بنی ثقیف تو اس کے حق میں آسمان سر پر اٹھا لیتے، لہذا یہ فرضیہ بھی حقیقت سے بہت بعید ہے۔

☆ تیسرا احتمال یہ دیا جاسکتا ہے کہ پیامبر اکرمؐ اور امیہ نے توریت وانجیل اور دیگر کتب سے استفادہ کیا ہے تو یہ الزام کوئی نیا نہیں ہے بلکہ بعض مشرکین نے نزول قرآن کے زمانہ ہی میں کہہ دیا تھا کہ یہ سب کچھ رومی غلام سے لیا گیا ہے، قرآن مجید نے اس کا جواب ان الفاظ میں دیا کہ ﴿ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ ﴾ (۱) اور ہم خوب جانتے ہیں کہ مشرکین کہتے ہیں کہ کوئی انسان قرآن کی تعلیم دے رہا ہے حالانکہ جس کی طرف یہ نسبت دیتے ہیں وہ عجمی ہے اور یہ واضح وفصیح عربی زبان ہے اور اگر قریش اور امیہ جانتے تھے کہ یہ دونوں ایک ہی منبع سے استفادہ کررہے ہیں تو انھوں نے اس حقیقت کو آشکار کیوں نہیں کیا؟ اور مسلیمہ کذاب نے جو خود دعویٰ نبوت کررہا تھا اور اسلام کے خلاف پرچم بلند کئے ہوئے تھا، اس حقیقت کی جانب اشارہ کیوں نہیں کیا؟ لہذا معلوم ہوا کہ یہ فرضیہ واحتمال بھی ٹھیک نہیں ہے۔

۱۔ سورۂ نحل ۱۰۳

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اب سوال یہ ہے کہ حقیقت کیا ہے؟ اور امیہ بن ابی الصلت کے اشعار اور قرآنی تعلیمات میں شباہت کیوں پائی جارہی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ قصہ گو اور جعل سازوں نے یہ خدمت انجام دی ہے اور ان اشعار کو امیہ سے منسوب کر دیا ہے اور یہ کام کوئی نیا نہیں ہے بلکہ ہمیں پورا حدیث ساز کارخانہ اسلام کے ابتدائی دور میں نظر آتا ہے، امیہ سے منسوب اشعار اور واقعات حجاج بن یوسف کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے گھڑے گئے جیسا کہ حجاج کے دیگر رشتہ داروں کی شان ومنزلت بڑھانے کے لیے یہ خدمات انجام دی گئی تھیں۔

یہودیت:

یہودیوں کی حجاز آمد کے بارے میں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں جن کے مطابق یہودیوں کی حجاز آمد کا سبب عمالقہ کی سرکشی اور ظلم وستم تھا جسے سرکوب کرنے کے لئے حضرت موسیٰ نے ایک لشکر روانہ کیا جس نے عمالقہ کو سرکوب کرنے کے بعد یہودیوں کو وہاں بسایا۔

بعض مورخین کے نزدیک رومیوں کے حملہ کے نتیجہ میں بے گھر ہونے والے یہودیوں نے جائے امن کی تلاش میں جزیرہ نمائے عرب کا رخ کیا اور یمن، مدینہ اور اس کی اطراف میں سکونت اختیار کر لی، بعض دیگر کے نزدیک پیامبر اکرمؐ کے شوق دیدار میں یہ لوگ راہی یثرب ہوئے تھے، زیادہ تر یہودی مدینہ اور اس کے اطراف میں سکونت پذیر تھے۔

مذہبی حوالے سے اگر جائزہ لیا جائے تو یہودیت کے بہت کم اثرات عرب کے قبائلی معاشرہ پر نظر آتے ہیں جبکہ اس کے برعکس عربوں کی بہت سی رسوم یہودیوں میں رائج تھی چنانچہ بعض یہودی قبائل خود کو دیگر یہودی قبائل سے زیادہ بافضیلت سمجھتے تھے لہذا اگر بنی قریظہ کا کوئی شخص بنی نضیر کے کسی آدمی کو قتل کرتا تو بدلہ میں قاتل کو بھی قتل کیا جاتا لیکن اگر یہ کام بنی نضیر کا آدمی انجام دیتا تو قاتل کو قتل کرنے کے بجائے خون بہا ادا کر دیا جاتا تھا۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حجاز میں رہنے والے یہودی اپنی مادری زبان یعنی عبرانی سے نا آشنا تھے اور صرف عربی ہی میں بات چیت کیا کرتے تھے جس کے نتیجہ میں وہ توریت کی تعلیمات سے نابلد تھے اور جو کچھ مذہبی پیشوا بتاتے اسے توریت سمجھ کر قبول کر لیتے چنانچہ احبار کی بھی کوشش یہی رہی کہ عام عوام توریت سے نا آشنا ہی رہیں تو بہتر ہے

علاوہ ازیں اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہودیت میں تحریف شدت پکڑ گئی اور اصول دین کی جگہ بے سروپا عقائد، خرافات جادو وغیرہ کا دور دورہ ہو گیا، حجاز میں یہودیت کے انحطاط کی ایک واضح مثال یہ پیش کی جاتی ہے کہ بت پرستی سے منہ موڑنے والے افراد میں سے کسی نے بھی یہودیت کا رخ نہیں کیا۔(۱)

بنی نضیر، بنی قریظہ، بنی قینقاع، بنی عکرمہ، بنی بہدل، بنی ثعلبہ وغیرہ یہودیوں کے معروف قبائل تھے جو مدینہ یا اس کے اطراف میں تیماء، خیبر، فدک وغیرہ میں آباد تھے، ان کے علاوہ چند عرب قبائل میں بھی کچھ لوگ یہودیت کی جانب مائل تھے۔

عیسائیت:

عیسائیت بظاہر چوتھی صدی عیسوی میں جزیرہ نمائے عرب میں وارد ہوئی، عموماً یہ لوگ شام اور یمن وغیرہ میں سکونت پذیر تھے اور حجاز میں نہ تو کوئی عیسائی قبیلہ نظر آتا ہے اور نہ ہی کوئی کلیسا دکھائی دیتا ہے البتہ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ حجاز میں عیسائیت موجود نہیں تھی۔

اس سلسلہ میں مکہ کے بعض آدمیوں کے نام لیے جاتے ہیں خصوصاً ورقہ بن نوفل یا زید بن عمرو بن نفیل وغیرہ کہ یہ لوگ عیسائی ہو گئے تھے ان کے علاوہ کچھ رومی یا حبشی غلام بھی موجود تھے جو عیسائیت کے پیرو کار شمار ہوتے تھے، مکہ میں عیسائیوں کی رفت و آمد یقیناً رہی ہوگی چونکہ مکہ یمن اور شام کے درمیان تجارتی راستہ میں واقع تھا۔

۱۔ یہودیت کے تبلیغی دین ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مذہبی حوالہ سے عیسائیوں کی جانب سے کوئی خاص فعالیت نظر نہیں آتی اور مزید یہ کہ مکہ میں موجود عیسائی بھی مذہب کی تعلیمات سے زیادہ آگاہ نہیں تھے، مذکورہ چند مذاہب کے علاوہ جزیرۃ العرب میں کہیں کہیں مجوسیت وغیرہ کے آثار بھی نظر آتے ہیں۔

☆☆☆

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

علوم وفنون

عصر جاہلیت کے اعراب کے بارے میں ابتدائی تصور یہی ابھرتا ہے کہ یہ لوگ ہر قسم کے علوم وفنون سے نابلد ونا آشنا تھے لیکن حقیقت اس کے برخلاف ہے اور اس دور کے عرب بہت سے علوم وفنون میں یکتائے روزگار تھے البتہ یہ بھی ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ان کے اکثر علوم فنون قوانین وضوابط کی سرحدوں سے خارج اور خداداد صلاحیتوں کا نتیجہ تھے، ذیل میں زمانہ جاہلیت کے چند علوم وفنون کی جانب اشارہ کرتے ہیں:

☆شعر:

اعراب کے اشعار اور خصوصاً زمانہ جاہلیت کے اشعار کے بارے میں تعارفی گفتگو بھی ایک چھوٹی موٹی کتاب کی شکل اختیار کرسکتی ہے ہم اس دور کے اشعار کے بارے میں صرف اسی نکتہ پر اکتفاء کرتے ہیں کہ خداوند متعال کا قانون وطریقہ یہ رہا ہے کہ جب بھی کسی نبی کو مبعوث فرمایا تو اسکی نبوت کو ثابت کرنے کے لیے ایسا معجزہ ہمراہ بھیجا جو اس دور کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ چیز پر بھاری ہوتا چنانچہ آنحضرتؐ پر قرآن کا نازل کیا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ عصر جاہلیت میں عربی ادب اپنے عروج پر تھا اور سبعہ معلقہ جیسے ادبی شہ پارے اسی دور کی یادگار ہیں۔

اعراب نظم کے علاوہ نثر میں بھی طبع آزمائی کیا کرتے تھے جو روزمرہ کی گفتگو سے ہٹ کر امثال وحکم اور خطابہ کے پیرائے میں ہوتی تھی اور ادبی محفلیں عموماً حجاز میں لگنے والے سالانہ بازاروں اور میلوں میں سجا کرتی تھیں۔

☆نسب:

حسب ونسب شروع ہی سے اعراب کے نزدیک بہت زیادہ اہمیت کا حامل رہا ہے اسی وجہ سے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اعراب اپنے نسب کی حفاظت کا خصوصی اہتمام کرتے ہوئے نظر آتے ہیں بلکہ اعراب کے درمیان جان پہچان کا ذریعہ نسب ہی ہوا کرتا تھا چنانچہ اگر کوئی نووارد نظر آتا تو اس کا نام پوچھنے کے بجائے لوگ پہلے حسب ونسب دریافت کیا کرتے تھے، اسی اہمیت کے پیش نظر کچھ لوگ علم نسب کے ماہر سمجھے جاتے چنانچہ حضرت عقیل ابن ابی طالبؑ وابوبکر کو اسی صف میں شمار کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ قریش واعراب کے عیبوں سے سب سے زیادہ واقف وآگاہ عقیل ابن ابی طالبؑ ہیں۔

☆ستارہ شناسی:

بے آب وگیاہ صحرا میں زندگی بسر کرنے والے قبائل ہمیشہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے تھے اور ہر لحظہ صحرا میں بھٹکنے کا دھڑکا لگا رہتا تھا، لہذا مجبور تھے کہ کوئی ایسا راہ حل تلاش کریں جس کے نتیجہ میں راستہ سے بھٹکنے نہ پائیں چنانچہ دن رات آسمان کی جانب تکتے رہنی والی آنکھوں نے بالآخر اپنے لئے تجربہ کی بنیاد پر کچھ قانون ڈھونڈ ہی نکالے۔

اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ ایک صحرانشین شخص نے ایک شہری کے سامنے ستاروں کی تقسیم پیش کی کہ کچھ ستارے تنہا ہوتے ہیں اور کچھ انگور کے گچھوں کی مانند، کچھ ستارے اگر طلوع ہوں تو بارش آنے کی علامت ہیں تو کچھ ستارے انسان کی راہنمائی کرتے ہیں، بعض ستارے سعد ونحس ہیں اور بعض ستارے رات گزرنے کے بارے میں بتاتے ہیں۔

جب صحرانشین سے پوچھا گیا کہ کیا تم ستارہ شناسی کے بارے میں جانتے ہو تو اس نے جواب دیا کہ یہ کیسے ممکن ہے میں اپنے گھر کی چھت کو نہ پہچانوں؟

☆انواء:

یہ علم پانی کے ذخیروں کی شناخت یا بالفاظ دیگر علم موسمیات ہے اس علم کی پیش رفت بھی اعراب کی ضرورتوں کے پیش نظر ہوئی، جزیرۃ العرب میں پانی کی قلت نے ہمیشہ قبائل کو سرگرداں رکھا ہے چنانچہ بعض

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

لوگ بادل دیکھ کر بتا سکتے تھے کہ بارش ہوگی یا نہیں یا مٹی کا رنگ دیکھ کر معلوم کر لیتے تھے کہ زمین کی تہہ میں پانی موجود ہے یا نہیں۔

☆ قیافہ شناسی:

درحقیقت یہ علم نسب شناسی ہی کی ایک شاخ ہے اس علم کے مطابق افراد کے خدوخال دیکھ کر اس کے نسب کا اندازہ کیا جاتا تھا یا اگر کسی بچے کے بارے میں جھگڑا ہوتا تو قیافہ شناس بچے کے اعضاء دیکھ کر اسے کسی شخص سے ملحق کرتا تھا۔

☆ طبابت:

طب ایک ایسا شعبہ ہے جو شروع ہی سے انسانی زندگی سے وابستہ ہے یا انسانی زندگی اس سے وابستہ ہے چنانچہ زمانہ جاہلیت میں ایسے افراد دیکھنے کو ملتے ہیں جو طبیب یا کاہن معروف تھے اور عموماً کسی بھی مریض کو جن زدہ وغیرہ کا عنوان دیکر جڑی بوٹیوں سے علاج کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، زمانہ جاہلیت میں بطور طبیب حارث بن کلدہ کا نام لیا جاتا ہے جس نے جندی شاپور" کے علاقہ سے یہ علم کسب کیا تھا۔

☆ کتابت:

گرچہ اکثر عرب تہذیب وتمدن سے بے بہرہ تھے مگر اسلام سے پہلے اعراب کے درمیان ایسے افراد بھی نظر آتے ہیں جو پڑھنا لکھنا جانتے تھے ظہور اسلام کے وقت قریش میں پڑھے لکھے افراد کی تعداد بلاذری نے سترہ تک بتائی ہے چنانچہ جنگ بدر میں گرفتار ہونے والے افراد میں سے بعض کا فدیہ بھی یہ قرار دیا جاتا ہے کہ وہ چند افراد کو لکھنا پڑھنا سکھائیں۔

زمانہ جاہلیت میں خرافات اور توہم پرستی:

یہ ایک حقیقت ہے کہ علمی حوالے سے جو بھی معاشرہ جس قدر پسماندہ ہوگا اس میں اتنا ہی توہمات اور خرافات کا رواج ہوگا جزیرہ نمائے عرب میں توہمات اور خرافات کا رواج عام تھا چنانچہ بہت سے واقعات

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تاریخ نے اپنے سینے میں محفوظ کرر کھے ہیں یہاں بطور مثال چند ایک نمونے پیش کیے جاتے ہیں:

ا۔ کمانوں کی تانت بنانے کے کام آنے والی آنتوں کو لوگ اپنے جانوروں خاص کر اونٹوں اور گھوڑوں کی گردنوں اور سروں پر لٹکا دیا کرتے تھے ان کا عقیدہ تھا کہ ایسے ٹوٹکوں سے ان کے جانور بھوت پریت جیسی آفتوں کے آسیب سے بچے رہتے ہیں اور انہیں کسی کی بری نظر بھی نہیں لگتی نیز جنگ اور لوٹ مار کے موقعہ پر بلکہ ہر موقعہ پر وہ انہیں دشمن کی گزند سے بھی محفوظ رکھتے ہیں۔

۲۔ قحطی کے زمانے میں بارش لانے کی غرض سے جزیرہ نمائے عرب کے بوڑھے اور کاہن لوگ سلع نامی درخت (جس کا پھل کڑوا ہوتا ہے) اور "عشر" نامی پیڑ (جس کی لکڑی جلدی جل جاتی ہے) کی لکڑیوں کو گائے کی دم اور پیروں میں باندھ دیتے اور انہیں پہاڑوں کی چوٹیوں تک ہانک کر لے جاتے تھے۔ اس کے بعد وہ ان لکڑیوں کو آگ لگا دیتے تھے، آگ کے شعلوں کی تاب نہ لا کر ان کی گائے ادھر ادھر بھاگنے لگتی اور سر مار مار کر ڈکرانا شروع کر دیتی تھی، ان کے خیال میں گائے کے ڈکرانے اور بے قراری سے بارش کا پانی برسنے لگے گا ان کو یہ گمان بھی تھا کہ بارش بھیجنے والا موکل یا خدا (ورشا کی دیوی یا جل دیوتا) گائے کو تڑپتا ہوا دیکھیں گے تو ان کی پاکیزگی اور تقدس کی خاطر جلد ہی بادلوں کو برسنے کے لئے بھیج دیں گے۔

۳۔ وہ لوگ مردوں کی قبروں کے پاس اونٹ نحر کر کے اسے قریبی گڑھے میں ڈال دیتے تھے، ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اس کام سے صاحب قبر عزت و احترام کے ساتھ اونٹ پر سوار محشر میں وارد ہوگا۔

زمانہ جاہلیت میں عورتوں کا مقام؟

زمانہ جاہلیت کے عرب، عورتوں کی قدر و منزلت کے ذرہ برابر بھی قائل نہ تھے وہ ہر قسم کے انفرادی اور اجتماعی حقوق سے محروم اور بے بہرہ تھیں، اس دور میں عورت صرف وراثت سے ہی محروم نہیں رکھی جاتی تھی بلکہ خود اس کا شمار بھی اپنے باپ، بھائی، شوہر یا بیٹے کی جائیداد میں ہوتا تھا چنانچہ مال اور جائیداد کی طرح اسے بھی ترکے میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بعض عرب، قحط سالی کے خوف یا اس خیال سے کہ لڑکیوں کا وجود ان کی ذات کے لئے باعث ننگ وعار ہے انہیں پیدا ہوتے ہی زمین میں زندہ دفن کردیتے تھے، قرآن مجید بھی ان کے اس غیر انسانی فعل پر مذمت کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

﴿ واذا بُشّرَ احدُهُم بالانثیٰ ظَلَّ وجْهُهُ مُسْوَدًّا وهو كظيمٌ يتوارى مِنَ القوم من سوءِ ما بشّر به أيُمسكُهُ على هونٍ ام يَدُسُّهُ فى التُرابِ ألاساءَ مايَحكُمُونَ ﴾(۱)

''جب ان میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خبر دی جاتی تو یہ سنتے ہی اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ خون کا گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے لوگوں سے منہ چھپاتا پھرتا ہے کہ اس بری خبر کے بعد اب کیا کسی کو منہ دکھائے پھر سوچتا ہے کہ ذلت کے ساتھ بیٹی کو پالے پوسے یا پھر اسے مٹی میں دبا دے، بے شک وہ بہت برا فیصلہ کرتے تھے''

سب سے زیادہ وہ افسوس ناک بات یہ تھی کہ ان کے درمیان شادی بیاہ کی ایسی بے بنیاد رسومات رائج تھیں جو کسی بھی حد و مرز کی پابند نہیں تھیں۔

وہ شادی کے لئے کسی بھی خاص حد اور تعداد کے قائل نہ تھے بلکہ جتنی بھی دل کرتا اپنے پاس رکھتے تھے۔ مہر کی رقم ادا کرنے کی ذمہ داری سے سبک دوش ہونے کے لئے وہ انہیں اذیت میں مبتلا رکھتے یا پھر وہ اپنی بیوی پر بے آبروئی کا الزام لگاتے تھے۔ ان کا باپ اگر کسی بیوی کو طلاق دے دیتا یا مرجاتا تو اس کی بیوی یا بیوہ سے بیٹوں کا شادی رچا لینا کوئی مشکل اور باعث ننگ و عار نہیں تھا۔

☆☆☆

۱۔ سورۂ نحل ۵۸، ۵۹

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

باب دوم

خلقت سے بعثت تک

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پہلی فصل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پاکیزہ شجرۂ نسب آباؤ اجداد کا تعارف

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پاکیزہ شجرۂ نسب

الف: آنحضرتؐ کے شجرہ نسب کی خصوصیات:

خداوند عالم نے اپنے دین کی تبلیغ کے لئے جس نبی کو بھی بھیجا اسے کائنات میں افضلیت سے نوازا اور جس نبی کا رتبہ جتنا بلند ہوتا گیا اسی لحاظ سے اس کی فضلیت اور خصوصیات بھی زیادہ ہوتی گئیں، ان خصوصیات میں آباء واجداد کی بزرگی، شرف اور فضلیت بھی شامل ہے، اسی لئے حضرت علی علیہ السلام تمام انبیاء کی توصیف میں فرماتے ہیں: "خداوند عالم نے انبیاء کو بہترین سونپے جانے کی جگہوں میں رکھا اور بہترین ٹھکانوں میں ٹھہرایا، وہ بلند مرتبہ صلبوں سے پاکیزہ شکموں کی طرف منتقل ہوتے رہے، جب ان میں سے کوئی گزر جانے والا گزر گیا تو دوسرا دین خدا کو لے کر کھڑا ہو گیا، یہاں تک کہ یہ منصب الٰہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا، جنہیں ایسے معدنوں سے کہ جو پھلنے پھولنے کے اعتبار سے بہترین اور ایسی اصلوں سے کہ جو نشو ونما کے لحاظ سے بہت باوقار تھیں پیدا کیا اور اسی شجرہ سے قرار دیا جس سے بہت سے انبیاء پیدا کئے اور اپنے امین منتخب فرمائے"(۱)

تمام انسانوں کی نسل حضرت آدمؑ سے چلی ہے، حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں قابیل اور جناب شیثؑ سے یہ انسانی دنیا پھلی اور پھولی (۲) جبکہ ان دونوں کی خصوصیات مختلف تھیں، قابیل کی نسل میں برائیوں اور جناب شیثؑ کی نسل میں اچھائیوں کا راج تھا اور جناب شیث کے صلب میں آپ کا نور منتقل ہوا، اس بارے میں حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: "میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے بندے، اس

۱۔ نہج البلاغۃ ترجمہ اردو خطبہ ۹۲

۲۔ جناب آدمؑ کی کل اولاد تقریباً ساٹھ کے قریب بتائی گئی ہے، ہوسکتا ہے ان سے بھی نسل چلی ہو لیکن ذکر صرف ان دونوں کا ملتا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کے رسول اور تمام بندوں کے سید و سردار ہیں۔ شروع سے ہی انسانی نسل میں جہاں جہاں پر سے شاخیں الگ ہوئیں، ہر منزل میں وہ شاخ جس میں اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرار دیا تھا دوسری شاخوں سے بہتر تھی، آپؐ کے نسب میں کسی بدکار کا ساجھا اور کسی فاسق کی شرکت نہیں"(۱) یعنی آپ کے تمام آباء واجداد پاکیزہ کردار کے مالک تھے۔

سنن بیہقی میں جناب ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میں جاہلیت کی برائیوں اور غلط کاریوں سے پیدا نہیں ہوا بلکہ ہمیشہ اسلامی نکاح کے ساتھ منتقل ہوتا رہا" یعنی اسلامی نکاح کی طرح صحیح عقد سے متولد ہوئے(۲)۔ اس سے ایک اور بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ آپؐ کے تمام آباء واجداد مسلمان(۳) اور موحد تھے یعنی یکتا پرست اور خدا کی وحدانیت کے قائل تھے۔

قرآن مجید میں آیا ہے: ﴿وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ وَ تَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ﴾(۴) اکثر مفسرین نے "سَاجِدِيْنَ" سے مراد آپؐ کے آباء واجداد لئے ہیں۔

مجمع البیان میں آیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ خدا تمہیں ایک نبی سے دوسرے نبی کی صلب میں منتقل ہوتا دیکھتا رہا، یہاں تک کہ تمہیں نبی بنا کر پیدا کیا اور یہ مطلب عطاء اور عکرمہ کی روایت میں بھی ابن عباس سے مروی ہے، امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام بھی فرماتے ہیں کہ اس جگہ پر "سَاجِدِيْنَ" سے مراد انبیاء کے صلب ہیں یعنی ایک کے بعد دوسرے نبی کی صلب میں منتقل ہوتے رہے یہاں تک کہ اپنے والد کے صلب سے نکاح کے ذریعہ متولد ہوئے(۵)۔

۱۔ نہج البلاغہ ترجمہ اردو خطبہ ۲۱۲

۲۔ سیرۂ نبویہ احمد زینی دحلان ج۱ ص۸

۳۔ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق آیا ہے کہ ﴿هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِن قَبْلُ﴾ پہلے بھی انہوں نے ہی تمہارا نام مسلمان رکھا تھا (حج/۷۸) اسی بنا پر ہم آپؐ کے آباء کو مسلمان کہہ سکتے ہیں۔

۴۔ شعراء/۲۱۹۔۲۱۸

۵۔ مجمع البیان ج۷ ص۳۵۶ ذیل آیہ مذکورہ دیگر روایات بھی ملاحظہ ہوں نیز ملاحظہ ہو سیرۂ حلبی ج۱ ص۴۸

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

خداوند عالم نے اشرف المخلوقات انسان کو قبیلوں اور خاندانوں میں تقسیم کرنا شروع کیا تو بعض قبیلوں اور خاندانوں کو دوسروں پر برتری اور فضیلت عطا فرمائی چنانچہ خداوند عالم فرماتا ہے ﴿إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى اٰدَمَ وَ نُوحاً وَ اٰلَ إِبْرَاهِيمَ وَ آلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ وَ اللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ (۱) "اللہ نے آدم، نوح، آل ابرہیم اور آل عمران کو منتخب کر لیا ہے، یہ ایک نسل ہے، جس میں ایک کا سلسلہ ایک سے ہے اللہ سب کی سننے والا اور جاننے والا ہے۔"

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: "بزرگی اور شرافت کے معدنوں اور پاکیزگی کی جگہوں میں ان کا مقام بہترین مقام اور مرزوبوم (جائے پیدائش) بہترین مرزوبوم ہیں" (۲) نیز فرمایا: "خدا نے انہیں انبیاء کے شجرہ، روشنی کے مرکز (آل ابراہیم)، بلندی کی جبیں (قریش)، بطحاء کی ناف (مکہ) اور اندھیرے کے چراغوں اور حکمت کے سرچشموں سے منتخب کیا" (۳)۔

ایک مقام پر فرماتے ہیں: "پس ان کا قوم وقبیلہ بہترین قوم وقبیلہ اور شجرہ بہترین شجرہ ہے کہ جس کی شاخیں سیدھی اور پھل جھکے ہوئے ہیں" (۴) اور ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں آپ کی عترت بہترین عترت، قبیلہ بہترین قبیلہ اور شجرہ بہترین شجرہ ہے جو سرزمین حرم پر وجود میں آیا، بزرگی کے سائے میں بڑھا، جس کی شاخیں دراز اور پھل دسترس سے باہر ہیں" (۵)۔

خلاصہ کلام یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر لحاظ سے اکمل وافضل ہیں اسی لئے تو کئی احادیث میں ملتا ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میں تمام بنی آدم کا سید وسردار ہوں البتہ مجھے اس بات پر کوئی فخر

۱۔ آل عمران/۳۳۔۳۴۔ نیز ملاحظہ ہو تفسیر المیزان مذکورہ آیت کی تفسیر۔

۲۔ نہج البلاغہ ترجمہ اردو خطبہ ۹۴۔

۳۔ نہج البلاغہ ترجمہ اردو خطبہ ۱۰۶۔

۴۔ نہج البلاغہ ترجمہ اردو خطبہ ۱۵۹۔

۵۔ نہج البلاغہ ترجمہ اردو خطبہ ۹۲۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور غرور نہیں ہے"(۱) شاید ان تمام باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ماوردی نے اعلام النبوۃ میں لکھا ہے کہ جب آپ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب کو جان چکے ہیں اور ان کی پاکیزہ ولادت معلوم کر چکے ہیں تو یہ بھی جان لیں کہ رسول کریمؐ کے آباء کرام کے سلسلے (شجرۂ نسب) میں کوئی بھی برے کردار کا مالک نہیں تھا بلکہ سب ہی سید، سردار، رہبر اور شریف النسب تھے اور نبوت کی شرائط میں سے ایک شرط پاکیزہ ولادت بھی ہے(۲)۔

ب: آپؐ کے شجرۂ نسب کا ذکر:

آنحضرتؐ کا پاکیزہ شجرۂ نسب کچھ یوں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرّہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان......(۳)۔

منقول ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب میرا نسب عدنان تک پہنچ جائے تو ٹھہر جاؤ(۴) اور یہ بھی فرماتے تھے کہ: "کَذَبَ النَّسَّابُوْنَ" نسب شناس جھوٹ بولتے ہیں(۵) اس لئے کہ جناب عدنان سے جناب اسماعیلؑ تک آپؐ کے آباء واجداد میں بہت حد تک اختلاف پایا جاتا ہے،

۱۔صف/۶۔

۲۔منھاج البراعۃ ترجمہ اردو ج۱ص۱۶۵ باقی تفصیل بھی وہاں مذکور ہے۔سیرہ ابن ہشام ج۱ص۱ نیز طبقات الکبریٰ ج۱ص۵۵۔

۳۔یہاں تک تقریباً تمام نسب شناسوں، سیرہ نویسوں اور مؤرخین کا اتفاق ہے۔

۴۔"اِذَا بَلَغَ نَسَبِیْ عَدْنَانَ فَامْسِکُوْا" ۔منتخب التواریخ از محمد ہاشم خراسانی، کتاب فروشی محمد حسن علمی تہران،ص۲، بحار الانوار ج۵۱ص۱۰۵، علم الیقین، کشف الغمہ از ابی الحسن اربلی ج۱ص۱۵، اعلام الوریٰ از فضل بن حسن طبرسی ایڈیشن اولی مؤسسہ آل بیت الاحیاء التراث قم ۱۴۱۷ھ ق، ج۱ص۴۳ اور طبقات الکبریٰ ج۱ص۵۶ ابن سعد، دار بیروت ۱۹۸۵ء وغیرہ میں مذکور ہے۔سبب اختلاف نسب، ممکن ہے اس لئے ہو چونکہ عرب حافظہ کے زور پر نسب یاد رکھتے تھے مکتوب نہیں ہوتا تھا اس لئے پیامبر اکرمؐ نے منع فرمایا ہو۔

۵۔سیرۂ حلبی ج۱ص۳۶ نیز طبقات الکبریٰ ج۱ص۵۶۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جناب آدم علیہ السلام تک بھی اختلاف کا ذکر ملتا ہے، گرچہ کہ یہاں اکثریت پر اتفاق نظر ہے، پھر بھی اختلاف تو بہر حال موجود ہے اور ایک نام کی غلطی سے بہت بڑے نتائج بھی مرتب ہو سکتے ہیں، اسی طرح عروۃ بن زبیر کہتا ہے کہ مجھے کوئی آدمی ایسا نہیں ملا جو معد بن عدنان کے بعد نسب کو صحیح طریقہ سے جانتا ہو(۱) اور اسی بات پر علماء کا اجماع و اتفاق بھی نقل کیا گیا ہے(۲)۔

اس کے باوجود بھی اکثر مورخین اور سیرہ نویس حضرات نے آپ کا شجرۂ نسب حضرت آدم علیہ السلام تک ذکر کیا ہے(۳)۔ جن میں سے سب سے معروف شجرۂ نسب جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اکثر مورخین کا اس پر اتفاق ہے وہ محمد بن اسحاق سے مروی ہے، جس کا سلسلہ جناب عدنان سے کچھ یوں ہے .....عدنان بن اد بن ادد بن الیسع بن الہمیسع بن سلامان بن نبت بن حمل بن قیدار بن اسماعیل بن ابراہیم بن تارح بن ناخور بن ساروح بن ارعواد بن فالغ بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح بن لمک بن متوشلخ بن اخنوخ بن یارد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم علیہ السلام (۴)

اس سلسلہ نسب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباء کی کل تعداد پچاس بنتی ہے، بہر حال اگر دقت سے کام لیا جائے تو بہت سے اشکالات اور اختلافات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلہ نسب میں موجود ہیں وہ قابل حل ہیں، کیونکہ بعض اختلافات رسم الخط کی وجہ سے پیش آتے ہیں، اس لئے کہ کوئی رسم

۱۔ سیرۂ زینی دحلان ص ۱۲

۲۔ ایضاً

۳۔ بطور مثال ملاحظہ ہو: السیرۃ النبویہ ابن ہشام ج ۱ ص ۲، حیاۃ القلوب علامہ مجلسی ج ۲ ص ۲، اعلام الوریٰ طبرسی ج ۱ ص ۴۲ اور دلائل النبوۃ و معرفۃ احوال صاحب الشریعۃ احمد بن حسین البیہقی، تعلیق عبدالمعطی قلعجی، ایڈیشن اول دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۸۵ء ص ۱۷۵ وغیرہ۔ ان لوگوں نے بھی حضرت آدم علیہ السلام تک شجرہ نسب کا ذکر کیا ہے جنہوں نے جناب عدنان تک رک جانے والی حدیثیں بھی بیان کی ہیں۔

۴۔ اعلام الوریٰ ج ۱ باب اوّل فصل اوّل ص ۴۴

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

الخط میں پہلے نقطے نہیں ہوتے تھے اور بعض لوگ الف بھی استعمال نہیں کرتے تھے۔

اس کے علاوہ زمانہ قدیم سے عربوں کی یہ رسم چلی آرہی ہے کہ ایک شخص کے کئی نام ہوتے تھے اور وہ کئی ناموں سے پکارا جاتا تھا، اس کی بہترین اور واضح ترین مثال خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والا صفات ہے چنانچہ قرآن مجید میں آپؐ کے دو نام ذکر کیے گئے ہیں، ایک نام محمدؐ ہے "مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ......"(۱) اور دوسرا نام احمدؐ ہے جو" ﴿مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗ اَحْمَدُ﴾ (۲) میں ذکر ہوا ہے۔

اس کے علاوہ آپؐ کے قریباً سو کے قریب اسماء بیان کئے گئے ہیں اسی طرح آپؐ کے آباء واجداد میں سے بعض اجداد کے بھی مختلف اسماء تھے بطور مثال جناب عبدالمطلب کا اسم گرامی شیبہ یا عامر (۳) تھا، جناب ہاشم کا اسم گرامی عمرو، جناب عبد مناف کا اسم گرامی مغیرہ، قصی کا نام زید (۴) ہے اور جناب مدرکہ کا اسم گرامی عامر بھی ہے (۵)۔

اس کی تائید منہاج البراعہ میں موجود اس خطاب سے ہوتی ہے جسے منبر بصرہ پر حضرت علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تھا کہ میں زید بن عبد مناف بن عامر بن عمرو بن مغیرہ بن کلاب ہوں۔

لیکن اس کے باوجود چونکہ کوئی بھی سلسلۂ نسب پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچا ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین بھی بیان ہو چکے ہیں کہ عدنان کے بعد سلسلۂ نسب کے ذکر سے رک جانا چاہیے، اسی لئے جناب عدنان تک آپؐ کے سلسلۂ نسب کو قطعی مان کر اسی پر اکتفاء کرنا مناسب رہے گا۔

۱۔ فتح/۲۹۔

۲۔ صف/۶۔

۳۔ سیرہ ابن ہشام ج ۱ ص ۱ انیز طبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۵۵۔

۴۔ لوگوں نے آپ کا نام مجمع رکھا۔ البتہ سیرہ ابن ہشام ج ۱ ص ۱ انیز طبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۵۵ میں یہ نام ذکر نہیں ہے۔

۵۔ ملاحظہ ہو طبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۵۵، سیرہ ابن ہشام ج ۱ ص ۱، ۲، ۳ وغیرہ۔ البتہ ان کتب میں عامر نہیں عمرو ہے۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجداد کا اجمالی تعارف

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شجرہ نسب کی خصوصیات کے بیان سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباء کا ایک ابتدائی سا تعارف تو ہو ہی جاتا ہے البتہ تنویر افکار کے لئے رسول کریمؐ کے سلسلۂ آباء و اجداد سے چند بزرگان کا خصوصی ذکر ضروری تصور کیا جاتا ہے۔

حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباء کرام کا اجمالی تعارف کروانے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک نظر آپؐ کے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حالات زندگی پر ڈالی جائے اور اس سلسلہ میں پیش کیے جانے والے مشہور و معروف اعتراض کہ "حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کافر تھے" کا جائزہ لیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام دنیا کے ہفت گانہ عجائب میں شمار ہونے والی سرزمین بابل میں پیدا ہوئے، باپ کا انتقال بچپنے میں ہو گیا، چچا نے تربیت کی جو آوار کہلاتا تھا، آوار کے معنی بت خانہ کے نگران اعلیٰ کے ہیں، اسی لفظ نے بعد میں آذر کی شکل اختیار کر لی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک ایسے معاشرے میں پلے بڑھے جہاں بت پرستی رائج تھی، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کبھی بھی بتوں کی چوکھٹ پر سر نہیں جھکایا اور ہمیشہ توحید پرستی کا پرچار کرتے اور اپنی قوم کو خدائے واحد کی پرستش کی دعوت دیتے رہتے مگر کسی نے آپ کی آواز پر لبیک نہیں کہا اور بتوں کو ہی داتا سمجھتے رہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کی بے مائیگی و ناتوانی سے آگاہ کرنے کے لئے ایک دن صنم کدہ کے تمام اصنام کو توڑ پھوڑ دیا اور اپنا تیشہ بڑے بت کے قریب رکھ دیا۔

جب اہل شہر آئے تو دیکھا کہ بت خانہ کا نقشہ بگڑا ہوا ہے، تمام بت ٹوٹے پڑے ہیں، یہ صورت حال دیکھ کر فوراً سمجھ گئے کہ ہو نہ ہو یہ حضرت ابراہیمؑ کی کارستانی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حاضر کیا گیا اور اس سلسلہ میں استفسار کیا گیا تو حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا: بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَٰذَا فَسْئَلُوا هُمْ إِنْ كَانُوا

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

يَنطِقُونَ (۱) "یہ حرکت ان بتوں کے بڑے کی ہے، اگر یہ بول سکتے ہیں تو انہی سے پوچھ لو"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس جواب کے مقابلہ میں جب کچھ نہیں بن پڑا تو آپ کو نمرود کے سامنے پیش کیا گیا، نمرود بھی لاجواب ہو گیا تو اس نے آپؑ کو آگ میں ڈالنے کا حکم دیا، چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کو نذر آتش کرنے کے لیے بڑے پیمانے پر آگ روشن کی گئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینک دیا گیا مگر اعجاز خداوندی سے آگ ٹھنڈک اور سلامتی کا گلستان بن گئی، نمرود یہ صورتحال دیکھ کر دم بخود رہ گیا اور بالآخر حکم دیا کہ آپکو شہر بدر کر دیا جائے، حضرت ابراہیمؑ بابل سے ہجرت کر کے فلسطین کے شہر حبرون میں سکونت پذیر ہوئے۔

حضرت ابراہیمؑ کے سلسلہ میں بعض آیات و روایات کی روشنی میں یہ شبہ پیش کیا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے والد کافر و بت پرست تھے اگر اس نظریہ کو تسلیم کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء کے والدین کا موحد اور یکتا پرست ہونا ضروری نہیں ہے جبکہ تمام شیعہ علماء اور بعض اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے انبیاء کے آباء و اجداد پاکیزہ شجرہ نسب کے حامل ہیں اور ان میں شرک و کفر کا کہیں گزر نہیں ہے، آیئے اسی روشنی میں اس بحث کا جائزہ لیتے ہیں:

حضرت ابراہیمؑ کے والد کو کافر قرار دینے والے حضرات قرآن مجید کی بعض آیات سے استدلال کرتے ہیں ذیل میں چند آیات اور ان کے ذریعہ کیا جانے والا استدلال نظر قارئین ہے:

ا۔ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنكَ شَيْئاً..........(۲) اور جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے کہا اے بابا! ان بہرے اور اندھے بتوں کی پوجا کیوں کرتے ہو جبکہ وہ تمہارے کسی کام کے نہیں، میری مانو تو میں تمہیں سیدھا راستہ دکھاؤں کیونکہ جو

ا۔ سورہ انبیاء آیت ۶۳۔

ا۔ سورہ مریم آیت ۴۲۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔

۲۔یَا اَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطَانَ اِنَّ الشَّیْطَانَ کَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِیًّا یَا اَبَتِ اِنِّیۤ اَخَافُ اَنْ یَمَسَّکَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَکُوْنَ لِلشَّیْطَانِ وَلِیًّا (۱) "اے بابا! شیطان کی پرستش نہ کریں کیونکہ شیطان، خدائے رحمان کا نافرمان ہے، اے بابا! میں ڈرتا ہوں کہ خدا رحمٰن کی جانب سے آپ پر عذاب نازل ہو اور پھر آپ "دوزخ میں" شیطان کے دوست وساتھی بن جائیں"

۳۔وَاغْفِرْ لِاَبِیۤ اِنَّهٗ کَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ (۲) "خدایا میرے باپ کو بخش کہ وہ گمراہ تھے"۔

مذکورہ آیات اور بعض روایات کی بنیاد پر کچھ افراد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد محترم کو کافر قرار دیتے ہیں چونکہ ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام صریحاً اپنے باپ کے کافر ہونے کی گواہی دے رہے ہیں اور اقرار کر رہے ہیں کہ ان کا باپ آذر بت پرست اور شیطان کا پیروکار ہے۔

تجزیہ:

۱۔مذکورہ افراد کی بحث کا مرکز قرآنی آیات میں استعمال ہونے والا لفظ "اب" ہے جس کا اردو میں عموماً "باپ" ترجمہ کیا جاتا ہے لیکن عربی میں یہ لفظ باپ کے علاوہ بعض دیگر افراد پر بھی بولا جاتا ہے اور عام طور پر مربی وسرپرست کے معنی دیتا ہے چنانچہ عربی میں کہا جاتا ہے "ما له اب یابوه" اس کا کوئی مربی وسرپرست نہیں جو اس کو کھانا دے اور اس کی تربیت کرے، "فلان یابو هذا الیتیم اباوه" فلاں شخص کا اس یتیم کے ساتھ باپ کا رشتہ ہے (۳)۔

۱۔سورہ مریم ۴۴، ۴۵۔

۲۔سورہ الشعراء آیت ۸۶

۳۔لسان العرب مادہ الف، ب، ی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

jabir.abbas@yahoo.com

Presented by: Rana Jabir Abbas

۲۔قرآن مجید اور روایت میں لفظ "اَب" باپ کے علاوہ دیگر افراد کے لیے استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ سورہ یوسف میں لفظ "ابویہ" سے مراد باپ اور خالہ مراد ہیں یا پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں "انا و علی ابوا ھذہ الامۃ"

۳۔گزشتہ مقدمات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لفظ "اب" اور "والد" میں فرق ہے، والد انسان کے صلبی باپ کو کہا جاتا ہے اور "اب" والد کے علاوہ دوسرے افراد پر بھی بولا جاتا ہے۔

آیئے گزشتہ مقدمات کی روشنی میں مذکورہ آیات کا جائزہ لیتے ہیں:

اول: مذکورہ آیات سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد تھے بلکہ یہ آیات آزر کے سرپرست ہونے پر دلالت کر رہی ہیں۔

دوم: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر کے لئے جو دعا کی تھی کہ "واغفر لابی انہ کان من الضالین" خدایا میرے باپ کو بخش دے کہ وہ گمراہ تھا در حقیقت یہ اس وعدہ کو ایفا تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بابل سے ہجرت کرتے وقت آزر کے ساتھ کیا تھا کہ: ﴿سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا﴾ (۱) "میں خدا سے تمہاری مغفرت کی دعا کروں گا، میرا خدا مجھ پر بہت مہربان ہے"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس ایفائے عہد کی خداوند متعال نے بھی تصریح کی ہے کہ ﴿وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَن مَّوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ......﴾ (۲) ابراہیم علیہ السلام نے جو استغفار کیا تھا وہ صرف ایفائے عہد کی بنا پر تھا اور جب ابراہیمؑ پر یہ عیاں ہو گیا کہ وہ دشمن خدا ہی ہے تو اس سے اظہار برائت کیا اور یقیناً ابراہیم علیہ السلام تضرع کرنے والے اور بردبار تھے۔

۱۔سورہ مریم/۴۷

۲۔سورہ توبہ/۱۱۴

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اب اس ایفائے عہد کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حق نہیں ہے کہ وہ اپنے باپ کے لیے دعائے مغفرت کریں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والدین کی مغفرت کے لیے دعا کرتے ہیں:

﴿ رَبَّنَا اغْفِرْلِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴾(۱)

خدایا مجھے، میرے والدین اور تمام مومنین کو اس دن بخش دینا جس دن حساب قائم ہوگا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا سے معلوم ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ کی تعمیر کے دوران مانگی جانے والی یہ دعا "اب" کے لیے نہیں بلکہ والدین کے لیے ہے یعنی آذر کے لیے نہیں بلکہ اپنے حقیقی اور صلبی باپ کی مغفرت کے لیے ہے جو یقیناً توحید پرست اور موحد تھے۔

علاوہ ازیں قرآن مجید میں جہاں کہیں آذر کا تذکرہ ہے وہاں لفظ "اب" استعمال ہوا ہے اور جہاں حقیقی و صلبی باپ کا ذکر ہے وہاں لفظ "والد" استعمال کیا گیا ہے۔

مذکورہ قرائن وشواہد کی روشنی میں صرف لفظ اب کو بنیاد بنا کر حضرت ابراہیمؑ کے والد کو کافر قرار دینا یا آذر کو آپ کا والد کہنا صحیح نہیں ہے۔

جناب الیاس بن مُضَر:

جناب الیاس اپنے قبیلہ میں سیادت اور بزرگی کے ساتھ معروف ہوئے، آپ وہ سب سے پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے خانہ کعبہ کے لئے اونٹوں کی قربانی کی۔(۲)

۱۔ ابراہیم/۴۰۔

۲۔ نہایۃ الارب فی فنون الادب۔ ترجمہ فارسی شہاب الدین احمد نویری ج ا ص ۲۶، مترجم محمود مہدوی دامغانی ایڈیشن اول مؤسسہ انتشارات امیر کبیر تہران ۱۳۳۶ش

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قریش کا سلسلہ(۱) ان کے والد جناب مُضَر کی ذات سے شروع ہوتا ہے اور قریش میں ان کی مثال ایسی ہے جیسی حضرت لقمان حکیم کی اپنے قبیلہ میں تھی (۲) سیرۂ حلبی میں رسولؐ خدا کی ایک روایت ملتی ہے جس میں آپؐ نے فرمایا: "لَا تَسُبُّوا اِلْیَاسَ اِنَّهٗ کَانَ مُؤْمِناً" (۳) الیاس کو برا بھلا مت کہو کیونکہ وہ مؤمن تھے۔ جبکہ ان کے والد جناب مُضَر کے متعلق بھی چند احادیث ملتی ہیں جن میں آیا ہے کہ مُضَر کو برا بھلا مت کہو کیونکہ وہ مسلمان تھے یا مؤمن تھے یا دین ابراہیمؑ پر تھے یا یہ ملتا ہے کہ وہ دین اسماعیلؑ پر تھے (۴)۔

جناب کنانہ بن خزیمہ:

مؤرخین جناب کنانہ بن خزیمہ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ وہ خوبصورت اور عظیم المرتبت شخصیت تھے، ان کے علم و فضل کی وجہ سے عرب ان کے پاس کھنچے چلے آتے تھے اور ان کے علم سے مستفید ہوتے تھے، یہ ان شخصیات میں سے ہیں جو حضرت رسولِ اکرمؐ کے ظہور کی بشارت ان کے نام مبارک "احمد" کے

۱۔ اس بارے میں کہ "قریش" کس شخصیت کا لقب تھا، پانچ اقوال ہیں: ۱۔ مُضَر بن نزار ۲۔ نضر بن کنانہ ۳۔ فہر بن مالک ۴۔ قصی بن کلاب ۵۔ الیاس بن مُضَر۔ البتہ معروف قول دوسرا ہے۔ جبکہ الکامل میں آیا ہے کہ قصی قریش کے بانی تھے، سیرۂ حلبی میں بھی اس احتمال کو ذکر کر کے اسے شیعوں کے ساتھ منسوب کیا گیا ہے کیونکہ اس کے زعم باطل میں شیعوں نے اس لئے گھڑا ہے کہ جناب ابوبکر و عمر قریش میں شامل نہ ہونے پائیں لیکن ان کی یہ بات بلا دلیل ہے اور الکامل ج۱ ص ۶۲۸ میں قصی کو بانی قریش کہا گیا ہے اور اس کا مصنف شیعہ نہیں ہے نیز طبقات الکبریٰ ج۱ ص ۶۹ اور دیگر کتب میں بھی قصی سے ہی سلسلۂ قریش کا آغاز کیا گیا ہے اور اس کا مصنف بھی شیعہ نہیں ہے اور بعید نہیں ہے کہ حالات اور قرائن و شواہد کی موجودگی میں یہی قول مناسب اور بہتر ہو اس کے علاوہ قریش کے وجہ تسمیہ میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، بعض اکٹھ کے معنی میں لیتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ تجارت کے معنی میں ہے اور بعض کے مطابق شارک مچھلی کے شکار کی وجہ سے انہیں قریش کہا جاتا ہے۔

۲۔ نہایۃ الارب ج ص ۲۶، ۲۷۔

۳۔ مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو، سیرۂ حلبی ج۱ ص ۱۷۔

۴۔ مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو: سیرۂ حلبی ج۱ ص ۱۷، طبقات الکبریٰ ج۱ ص ۵۸ وغیرہ۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ساتھ دیا کرتے تھے۔(۱)

جناب نضر بن کنانہ:

مؤرخین کے درمیان معروف ہے کہ یہ شخصیت قبیلۂ قریش کی بانی تھی یعنی جناب نضر بن کنانہ کا لقب قریش ہے اور جس کا نسب جناب نضر تک پہنچے اسے قریشی کہیں گے، یہ بھی اپنے زمانے میں اخلاق و کردار کے لحاظ سے بہت معروف تھے۔(۲)

جناب کعب بن لوی بن غالب:

جناب کعب وہ پہلی شخصیت تھے جنہوں نے عربوں کو جمعہ کے دن ایک جگہ اکٹھا کیا تھا اور بعض کے نزدیک انہوں نے ہی اس دن کا نام یوم الجمعہ رکھا تھا جبکہ اس سے پہلے عرب اسے یوم العروبہ کہتے تھے(۳)۔آپ انہیں ایک جگہ اکٹھا کر کے وعظ و نصیحت کیا کرتے تھے اور ساتھ ہی اپنے صلب سے آنے والے پیغمبرؐ (حضرت محمد مصطفیٰؐ) کی بشارت دیا کرتے تھے۔

آپ کے معروف اشعار میں سے یہ بھی ہیں: عَلٰی غَفْلَۃٍ یَاتِی النَّبِیُّ مُحَمَّدٌ فَیُخْبِرُ اَخْبَاراً صَدُوْقٌ خَبِیْرُھَا زمانہ جاہلیت میں محمدؐ نبی مبعوث ہوگا جو آگے کی خبریں دے گا اور سچی خبر دینے والا (نبی) نہایت سچا ہے۔جناب کعب کی بزرگواری، جلالت شان اور عظمت کی وجہ سے لوگ انہیں کعب کہا کرتے تھے اور ان کی عظمت کی وجہ سے عربوں نے ان کی وفات کو عام الفیل تک اپنا مبداء تاریخ قرار دیا ہوا تھا۔(۴)

۱۔نہایۃ الارب ج۱ص ۱۸۔

۲۔مزید تفصیلات کے لئے مراجعہ ہو الکامل ج۱ص ۶۲۸، زندگانی حضرت محمدؐ ص ۷، سیرۂ حلبی ج۱ص ۲۵ تا ۲۸ اور دیگر متعلقہ کتب۔

۳۔سیرۂ حلبی ج۱ص ۲۵، نہایۃ الارب ج۱ص ۳۲ اور دیگر کتب میں تفصیلات ملاحظہ ہوں۔

۴۔زندگانی حضرت محمدؐ ص ۷، سیرہ حلبیہ ج۱ص ۲۵ نیز ملاحظہ ہو تاریخ یعقوبی ج۱ص ۲۸۶، ۲۸۷

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جناب قصی بن کلاب:

آپ کا اصلی نام زید اور کنیت ابو مغیرہ تھی اور آپ کی والدہ کا نام فاطمہ تھا، ابھی آپ چھوٹے ہی تھے کہ آپ کے والد کا انتقال ہو گیا، اس کے بعد آپ کی والدہ ربیعہ بن حزام عذری نامی شخص کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئیں اور شوہر کے ہمراہ بنی عذرہ کی بستی میں چلی گئیں، کلاب کا بڑا بیٹا جوان ہونے کی وجہ سے مکہ میں ہی رہا لیکن جناب زید اپنی کم سنی کی وجہ سے ماں کے ہمراہ چلے گئے، اپنے خاندان اور وطن سے دور ہونے کی وجہ سے جناب زید کو قصی کہا جانے لگا اور پھر آپ اسی لقب سے مشہور ہوئے۔ جناب قصی، بنی عذرہ میں ہی پلے بڑھے اور جوان ہوئے۔

ایک دن جب آپ کا اور ربیعہ کے خاندان بنی قضاعہ کے کسی آدمی کا آپس میں اختلاف ہوا تو اس کے خاندان والوں نے آپ کو سوتیلے پن کی وجہ سے طعنہ دیا اور کہا کہ تم اپنے قبیلہ میں کیوں نہیں چلے جاتے؟ تم ہمارے ہم قبیلہ نہیں ہو، جناب قصی یہ سن کر اپنی والدہ کے پاس آئے اور اس سلسلے میں استفسار کیا تو جناب فاطمہ بنت سعد نے فرمایا "یا بنی انت اکرم منه نفساً و اباً و انت ابن کلاب بن مرۃ و قومک عند البیت الحرام "بیٹا! تم ذاتی جوہر اور نسب کے لحاظ اس نوجوان سے کہیں زیادہ برتر اور با عزت ہو، تم کلاب بن مرۃ کے بیٹے ہو اور تمہارا قبیلہ مکہ میں خانہ کعبہ کے پاس آباد ہے، جناب قصی کو جب معلوم ہوا کہ ان کا آبائی وطن مکہ ہے تو انہوں نے وہاں جانے کا ارادہ ظاہر کیا، یہاں تک کہ آپ کی والدہ آپ کو مکہ اپنے قبیلہ والوں کے پاس چھوڑنے پر مجبور ہوئیں اور انہوں نے قبیلہ بنی قضاعہ کے حاجیوں کے ہمراہ جناب قصی کو مکہ روانہ کیا، مکہ میں وہ اپنے بھائی کے گھر قیام پذیر ہوئے، آپ کی چھپی ہوئی صلاحیتیں یہاں آ کر منظر عام پر آئیں اور مختصر مدت میں مکہ والوں میں اپنی برتری کا لوہا منوایا۔

اس دوران جناب قصی نے مکہ کے فرمانروا حلیل بن حبشیہ سے اس کی بیٹی حبی کا ہاتھ مانگا جسے اس نے قبول کر لیا اور یوں جناب قصی رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے۔ اس شادی کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جناب قصی کو چار فرزند عطا فرمائے جن کا نام عبد مناف، عبد الدار، عبد العزیٰ اور عبد القصی تھا۔

حلیل کی اولاد نرینہ نہ ہونے کی وجہ سے اس نے خانہ کی کعبہ کی تولیت اور مکّہ کی حکمرانی اپنی بیٹی حبی کے سپرد کرنا چاہی، چنانچہ اس نے اعلان کیا کہ قصی کے بیٹے میرے بیٹے ہیں لہٰذا آئندہ وہی مکہ کے حکمران اور خانہ کعبہ کے متولی ہوں گے، اسی وجہ سے آپ کو مکّہ کی حکومت اور خانہ کعبہ کی دیکھ بھال جیسے بڑے عہدوں سے نوازا گیا۔(۱)

الکامل ابن اثیر اور بعض دیگر منابع میں کہا گیا ہے کہ جناب قصی ہی قریش کے بانی تھے(۲)۔ لیکن سیرۂ حلبی میں اس قول کو ضعیف قول کے طور پر پیش کیا گیا ہے، اس میں کہا گیا ہے کہ چونکہ قصی قریش کو اکٹھا کرنے والے تھے اس لئے یہ کہا گیا ہے، کہ قریش انہی کا لقب تھا، پس ان سے اوپر والی شخصیات کی نسل کو قریشی نہیں کہا جائے گا کیونکہ یہ اس بات کا سبب بنتا ہے کہ جناب ابوبکر اور عمر قریش سے نکل جائیں پس عظیم قیادت یعنی خلافت میں ان کا کوئی حق نہیں رہے گا کیونکہ آپؐ نے فرمایا تھا کہ قیادت صرف قریش میں ہی رہے گی اور آپؐ نے قریش سے کہا تھا کہ تم لوگ ہی قیادت کے زیادہ لائق ہو جب تک کہ تم حق پر ہو، اگر حق سے پھر جاؤ گے تو پھر اس کے اہل نہیں رہو گے، یہ حضرات قبیلہ قریش سے اس لئے نکل جائیں گے کہ ان کی کڑی حضورؐ کے شجرہ طیبہ سے جناب قصی کے بعد جڑتی ہے، کیونکہ ابوبکر جناب تیم بن مرّہ کی نسل سے ہیں (۳) واضح سی بات ہے کہ جناب قصی، کعب اور تیم بن مرّہ دونوں کے بعد آتے ہیں لیکن حلبی کی یہ بات تعصب سے خالی نہیں ہے، کیونکہ جس طرح وہ یہ احتمال دے رہا ہے کہ ان دونوں شخصیات کو نکالنے کے لئے قصی سے قریش کی ابتداء کی گئی ہے اسی طرح یہ احتمال بھی دیا جا سکتا ہے کہ ان دونوں شخصیات کو شامل کرنے

۱۔ جس کی تفصیل گذشتہ باب میں بیان ہو چکی ہے۔

۲۔ الکامل فی التاریخ ج ۱ ص ۶۲۸

۳۔ سیرۂ حلبیہ ج ۱ ص ۲۴

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کے لئے کعب سے سلسلۂ قریش کی ابتداء کی گئی ہو، اس کے علاوہ کیا ابن سعد اور ابن اثیر دونوں شیعہ تھے جنہوں نے قصی کو قریش کا بانی مانا ہے؟۔

اس پر مزید یہ کہ اگر قریش کو رسولؐ خدا خلافت کے زیادہ حق دار قرار دے رہے ہیں تو اس بنا پر آپؐ کے اہل بیت علیہم السلام خلافت کے زیادہ حق دار ہیں کیونکہ وہ یقینی طور پر قریش سے ہی ہیں جبکہ ان دونوں کا قریش میں ہونا مشکوک ہے اور اگر ہیں بھی تو بنی تیم اور بنی عدی کے قبیلہ سے ان کا شمار ہوتا ہے جو قریش کے سب سے نچلے طبقے میں شمار ہوتے ہیں۔(۱)

اس کے ساتھ ساتھ آپؐ کے اہل بیت علیہم السلام نہ صرف قریش سے تھے بلکہ آپؐ ہی کے خاندان سے تھے جن کے فضائل خود رسولؐ خدا بیان فرما رہے ہیں اور انہوں نے ایک لمحہ کے لئے بھی آپ کا ساتھ نہیں چھوڑا، چاہے خفیہ دعوت ہو یا اعلانیہ، چاہے بعثتوں میں ان کی موجودگی ہو یا شعب ابی طالب میں محصوری، جنگ ہو یا صلح، ہجرت ہو یا بت شکنی غرض ہر وقت اور ہر مقام پر آپ کا ساتھ دینے اور اپنی جان پر کھیلنے کے لئے تیار رہتے تھے، اسی لئے تو قرآن مجید میں ان سے مودّت کرنے کا اور انہیں جان سے بھی زیادہ عزیز رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، اگر رسولؐ خدا کے مذکورہ فرمان کے مطابق دوسرے قریشی خلافت کے زیادہ حقدار ہو سکتے ہیں تو کیا آپؐ کے جانثار اور قریبی رشتہ دار نہیں ہو سکتے؟ حقیقت یہ ہے کہ حلبی اور اس جیسے لکھاریوں نے دلیل کے بغیر بات کر کے حقائق سے چشم پوشی کا ارتکاب کیا ہے۔

جناب عبد مناف بن قصی بن کلاب:

آپ کا اصل نام مغیرہ اور لقب "قمر البطحاء" تھا، گرچہ اپنے بھائی عبدالدار سے چھوٹے تھے لیکن ہر دلعزیز تھے، تقویٰ، پرہیزگاری، خوش اخلاقی اور صلہ رحمی آپ کا شعار تھا، اگر چہ باپ کی وصیت کے مطابق

۱۔ شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید با تحقیق محمد ابو الفضل ابراہیم ج ۲ ص ۴۸، سقیفہ، علامہ مرتضیٰ عسکری ترجمہ اردو ص ۳۵، منہاج البراعہ شرح نہج البلاغہ ترجمہ اردو ج ۱ ص ۳۰۔۳۱ نیز مذکورہ کتب و دیگر مذکورہ منابع۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حکومت اور ریاست بڑے بھائی "عبدالدار" کے پاس تھی لیکن آپ کی محبوبیت اور ہر دلعزیزی کے نتیجہ میں آپ کی وفات کے بعد عبدالدار کے بیٹوں اور آپ کے بیٹوں کے درمیان عہدوں کی تقسیم پر شدید اختلاف پیدا ہوا جس کی بنا پر طرفین نے دو جداگانہ معاہدے کیئے اور بالآخر فریقین میں صلح ہوگئی اور مناصب کو باہمی طور پر تقسیم کیا گیا۔

جناب ہاشم بن عبد مناف:

آپ کا اصل نام عمرو اور لقب، علاء، سید البطحاء، اور ابوالبطحاء تھا، آپ کے تین بھائی اور بھی تھے جن کے نام عبدالشمس، مطلب اور نوفل تھے۔

مؤرخین کے درمیان معروف ہے کہ آپ عبدالشمس کے ساتھ جڑواں پیدا ہوئے تھے اور بوقت ولادت ایک دوسرے سے یوں چپٹے ہوئے تھے کہ جناب ہاشم (کے پاؤں) کی انگلی عبدالشمس کی پیشانی سے چپٹی ہوئی تھی، علیحدہ کرتے وقت بہت زیادہ خون بہا تو لوگوں نے اسے فال بد سے تعبیر کیا اور کہا کہ ان کے درمیان خونریز دشمنی ہوگی (۱) اور بعض مؤرخین کے بقول یہی بدفالی اپنا کام کرگئی اور بنی امیہ اور بنی ہاشم کے درمیان اسلام کے ظہور کے بعد بھی خونریز دشمنی جاری رہی (۲)

آپ کو ہاشم اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ نے ہی اپنے جدّ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے اپنی قوم کے لئے ثرید (آبگوشت) بنوایا تھا، جس میں روٹی کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرکے شوربے میں بھگویا جاتا ہے اسی سے "هَشَمَ الثَّرِيدَ" ہے یعنی گوشت کے شوربے میں روٹی کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا اور اس کام کو انجام دینے والا ہاشم کہلاتا ہے (۳) یا اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے گھر سے

۱۔ تاریخ طبری ابن جریر، تحقیق ابوالفضل ابراہیم ج ۲ ص ۲۵۲ و الکامل ج ۱ ص ۶۱۹۔ فروغ ابدیت ج ۱ ص ۱۱۴ و زندگانی حضرت محمد ص ۱۳

۲۔ فروغ ابدیت ج ۱ ص ۱۱۴۔ نیز ملاحظہ ہو سیرہ حلبی ج ۱ ص ۷ و دیگر کتب۔

۳۔ تاریخ طبری ج ۱ ص ۲۵۱، الکامل فی التاریخ ج ۱ ص ۶۱۸، سیرۂ حلبی ج ۱ ص ۸ و تاریخ یعقوبی ج ۱ ص ۲۹۳ نیز المنجد

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

روزانہ ہڈیوں کے ٹوٹنے کی آوازیں سنائی دیتی تھیں جو اس بات سے کنایہ ہے کہ آپ مہمانوں کی گوشت سے پذیرائی کیا کرتے تھے یا آپ کے یہاں مہمان بہت آتے تھے بہرصورت دونوں صورتوں میں یہ بات آپ کی سخاوت پر دلالت کرتی ہے۔

جناب ہاشم کے اخلاق کا ایک نمونہ یہ بھی ہے کہ جب بھی ذی الحجہ کا چاند نظر آتا تھا تو وہ صبح کے وقت کعبہ کی طرف جاتے اور دیوار کعبہ کے ساتھ تکیہ لگا کر یہ ارشاد فرماتے: "قبیلۂ قریش! تم عربوں کا شریف ترین اور عاقل ترین گروہ ہو، تمہاری نسل بہترین نسل ہے، خدا نے تمہیں اپنے گھر کے ساتھ جگہ دی ہے اور اولاد اسماعیل میں سے یہ فضیلت صرف تمہارے ساتھ ہی مخصوص ہے۔

اے میری قوم! خدا کے گھر کی زیارت کرنے والے اس مہینے میں ایک عجیب ولولے کے ساتھ تمہارے پاس آئیں گے، یہ خدا کے مہمان ہیں (اور تم اس کے گھر کے متولی) پس ان کی مہمان نوازی تمہاری ذمہ داری ہے، ان میں بہت سے ایسے لوگ بھی ہوں گے جو بے بضاعت ہوں گے۔

اس گھر کے مالک کی قسم! اگر مجھ میں اتنی طاقت ہوتی کہ میں ان سب کی پذیرائی کرسکتا تو تم لوگوں سے کبھی بھی مدد طلب نہ کرتا، البتہ اب بھی جو میری استطاعت میں ہے اور حلال ذرائع سے مجھے حاصل ہوا ہے اسے اس راستے میں لٹادوں گا، تمہیں اس گھر کی حرمت کی قسم! جو بھی اس راہ میں مال خرچ کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ حلال ذرائع سے کمایا ہوا مال خرچ کرے، ظلم وستم سے حاصل کیا ہوا مال خرچ نہ کرے اور نہ ہی زبردستی اور بے دلی سے اسے خرچ کرے، اگر کوئی دلی رضامندی سے اپنے مال کو خرچ نہیں کرنا چاہتا تو نہ کرے"(۱)۔

بہرصورت جناب ہاشم کی سیادت اہل مکہ کے لئے نہایت سودمند تھی، قحط کے زمانے میں عربوں کو کھانا کھلانا اور دوسری ریاستوں اور حکومتوں کے ساتھ تجارتی معاہدے بھی اس کی مثال ہیں، انہی اوصاف

۱۔ فروغ ابدیت ج ۱ ص ۱۱۵، زندگانی حضرت محمدؐ ص ۱۶، طبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۷۸، سیرہ حلبی ج ۱ ص ۹

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کی وجہ سے عربوں میں آپ کی محبوبیت حد درجہ تھی، آپ کی عظمت اور بزرگی کی وجہ سے آپ کی نسل کو بنی ہاشم سے یاد کرتے ہیں جن میں آباء کی تمام تر خوبیاں منتقل ہوتی رہیں اور خدا نے اپنے نبی کو بھی آپ ہی کی نسل یعنی بنی ہاشم سے قرار دیا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ آپ کے بھائی عبدالشمس کے بیٹے یعنی آپ کے بھتیجے "امیہ" کے دل میں اپنے چچا کی سرداری اور محبوبیت سے حسد پیدا ہو گیا، اس نے بھی سخاوت کا مظاہرہ کر کے لوگوں کے دلوں کو جیتنا چاہا لیکن اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود بھی وہ آپ کا مقابلہ نہ کر سکا بلکہ اس کی بدزبانی سے آپ کی شان میں مزید اضافہ ہوتا چلا گیا(۱)۔ خلاصہ یہ کہ امیہ نے آپ کو مجبور کیا کہ کاہنوں کے پاس چلیں اور فیصلہ کروائیں کہ ہم دونوں میں سے باشرف و باعظمت کون ہے؟ تو جناب ہاشم نے دو شرطوں کے ساتھ یہ بات منظور کر لی:

☆ جو بھی مغلوب ہوگا وہ حج کے ایام میں پچاس اونٹوں کی قربانی دے گا۔

☆ وہ شخص دس سال کے لئے مکہ سے جلاوطن ہو جائے گا۔

کاہن نے آپ کے حق میں فیصلہ دیا اور "امیہ" وہاں سے شام کو جلاوطن ہو گیا(۲) جبکہ اس کے دل میں آپ کے خلاف مزید آگ بھڑک اٹھی جس کے شعلے نسلوں میں منتقل ہوتے گئے، بہرحال حضرت ہاشم کی جوانمردی، سخاوت اور اخلاق کی وجہ سے آپ کی محبوبیت لوگوں میں بہت زیادہ تھی اور اس وجہ سے لوگ آپ کو سید البطحاء بھی کہتے تھے۔

جناب عبدالمطلب بن ہاشم:

آپ کا اصل نام شیبہ تھا جس کی وجہ تسمیہ کے متعلق مؤرخین لکھتے ہیں کہ چونکہ وقت پیدائش آپ

۱۔ فروغ ابدیت ج ۱ ص ۱۲۶، و حلبی ج ۱ ص ۷، الکامل فی التاریخ ج ۱ ص ۶۱۹۔

۲۔ فروغ ابدیت ج ۱ ص ۱۱۶ "میں سو اونٹوں کا ذکر ہے" الکامل ابن اثیر ج ۱ ص ۶۱۹، طبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۷۶، سیرہ حلبی ج ۱ ص ۷۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کے سر میں کچھ سفید بال تھے اس لئے آپ کا نام شیبہ پڑ گیا(۱)۔ آپ کے اخلاق حمیدہ کی وجہ سے لوگ آپ کو ''شیبۃ الحمد'' بھی کہتے تھے، عبدالمطلب کی وجہ تسمیہ کے متعلق مؤرخین نے دو وجوہات تحریر کی ہیں، ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ جب جناب ہاشم کا وقت وفات قریب آیا تو آپ نے اپنے بھائی ''مطلب'' سے اپنے بیٹے کے متعلق فرمایا: ''اَدْرِکْ عَبْدَکَ شَیْبَۃَ'' یعنی اپنے غلام شیبہ کی سرپرستی کرنا اور اس کا خیال رکھنا۔ اسی وجہ سے آپ کا نام عبدالمطلب پڑ گیا(۲)۔

یہ وجہ اس لحاظ سے قابل اعتناء نہیں ہے کہ جناب عبدالمطلب کی پیدائش بقول مؤرخین جناب ہاشم کی وفات کے بعد ہوئی(۳) اور اس وقت کوئی ایسے وسائل بھی نہ تھے جن سے حتمی طور پر یہ یقین ہو جاتا کہ پیدا ہونے والا بیٹا ہوگا اور اس کا نام بھی بالوں کی سفیدی کی وجہ سے شیبہ رکھا جائے گا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جب جناب ہاشم نے مدینہ میں ساکن قبیلہ خزرج کی ''سلمٰی'' نامی خاتون سے شادی کی تو انہوں نے یہ شرط رکھی کہ بچے کی پیدائش کے موقعہ پر اپنے میکے میں ہی رہیں گی، جناب ہاشم نے اس شرط کو منظور کر لیا، قدرت نے جناب ہاشم کی مراد پوری کی اور آپ انھیں مدینہ چھوڑ کر خود تجارت کی غرض سے شام(۴) کو روانہ ہو گئے اور ''غزہ'' کے مقام پر آپ کی وفات ہوئی، بچہ پیدا ہوا تو مولود کا نام شیبہ پڑ گیا، یہ بچہ یعنی جناب عبدالمطلب سات سال مدینہ میں رہے، ایک مرتبہ مکّے کے ایک رہائشی کا مدینہ سے گزر ہوا تو اس نے دیکھا کہ ایک بچہ تیراندازی کر رہا ہے، جب بھی اس کا نشانہ صحیح بیٹھتا ہے تو وہ خوشی سے چلا اٹھتا ہے: ''انا ابن ھاشم، انا ابن سید البطحاء'' میں ہاشم کا سپوت اور میں ہی سردار مکّہ کا

۱۔ سیرۂ حلبی ج ۱ص ۶۔ الکامل ج ۱ص ۶۱۳ ترجمہ نہایۃ الارب ج ۱ص ۵۲۔۵۳

۲۔ فروغ ابدیت ج ۱ص ۱۱۷۔

۳۔ زندگانی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۱۶، تاریخ طبری ج ۲ص ۲۷۶ نیز ملاحظہ ہو الکامل فی التاریخ ج ۱ص ۶۱۳۔

۴۔ اس وقت شام وسیع علاقوں پر مشتمل تھا۔ موجودہ شام یعنی سوریہ کے علاوہ فلسطین، لبنان، مصر اور دوسرے علاقے بھی شامل تھے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

فرزند ہوں۔ تو اس نے اس بچہ سے پوچھا: "تو کون ہے؟" بچے نے جواب دیا: "میں شیبہ بن ہاشم بن عبد مناف ہوں"۔ جب اس شخص نے مکہ جا کر یہ واقعہ جناب مطلب کو سنایا تو انہوں نے خدا کی قسم اٹھا کر کہا: "جب تک بچے کو ساتھ نہ لے آؤں واپس نہیں پلٹوں گا"۔ جناب مطلب مدینہ پہنچے تو بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھا اور شیبہ کو فوراً پہچان کر بولے: "کیا ہاشم کا بیٹا یہی ہے؟" تو بچوں نے جواب دیا: "ہاں! یہی ہے"۔(۱)

جناب مطلب جب واپس مکہ پہنچے تو بنا بر اختلاف بچے کو آپ کے ساتھ دیکھ کر لوگوں نے اسے آپ کا غلام سمجھا جس سے لوگوں کے درمیان معروف ہو گیا کہ یہ "عبدالمطلب" ہے، اور جناب مطلب کی وفات کے بعد وہ تمام عہدے جو جناب ہاشم سے جناب مطلب کو منتقل ہو گئے تھے دوبارہ آپ کے پاس آ گئے۔

آپ نے اپنی بزرگواری اور حسن اخلاق سے لوگوں کے دلوں میں گھر کر لیا، کم از کم اسّی سال سے زیادہ عمر کفر کے ماحول میں رہتے ہوئے بھی اپنے دینی اور توحیدی نظریات سے دستبردار نہیں ہوئے، پوری زندگی شراب سے دور رہے، لوگوں کو بھی مردم کشی، لوٹ مار، بدکاری، بے نوشی اور عوام فریبی سے روکتے تھے، محارم کے ساتھ شادی اور برہنہ طواف کرنے سے بھی منع فرماتے تھے نیز ایفائے عہد کے لئے جان کی بھی پروانہ کرتے تھے۔

آپ ہی کے متعلق کہا گیا ہے کہ بیٹیوں کے زندہ درگور کرنے سے منع اور چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا کرتے تھے، اگر آپ کے رفتار و گفتار کا مشاہدہ کیا جائے تو اس سے یہ معلوم ہوگا کہ آپ موحد اور یکتا پرست تھے، یعقوبی نے اپنی تاریخ میں یہ نکتہ ذکر کیا ہے کہ جناب عبدالمطلب موحد تھے اور ان کے کئی

۱۔ تاریخ طبری ج۲ ص ۲۴۷، فروغ ابدیت ج۱ ص ۱۱۷، ۱۱۱، الکامل فی التاریخ ج۱ ص ۶۱۳ نیز طبقات الکبریٰ ج۱ ص ۸۲، ۸۳، وسیرۂ حلبی ج۱ ص ۶ تا ۷، تاریخ یعقوبی ج۱ ص ۲۹۶۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

رسوم و ارشادات اسلام میں بھی جاری ہوئے (۱) نیز تاریخ یعقوبی میں ہی رسولؐ خدا سے مروی ہے کہ قیامت کے دن خدا میرے دادا عبد المطلب کو انبیاء کی ہیئت اور ملوکانہ شان و شوکت کے ساتھ ایک امت کی صورت میں محشور کرے گا۔(۲)

اس کے علاوہ بعد میں پیش آنے والے واقعات خصوصاً زم زم کے کنوئیں کی کھدائی اور اصحاب فیل والے واقعات نے آپ کی عزت اور مجد میں بے پناہ اضافہ کیا، ہم بھی ان دو واقعات کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں۔

۱۔ زمزم کی کھدائی:

مؤرخین کے بقول، جب زمزم کا چشمہ جاری ہوا اور وہاں پر لوگوں کا آنا جانا ہوا تو ایک موقع پر جرہم نامی قبیلہ یہاں آکر آباد ہوا، اس نے یہاں آکر اپنی حکومت کی داغ بیل ڈالی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس حکومت نے ظلم و ستم کرنا شروع کردیا، حاجیوں اور باسیوں پر جب ظلم کی انتہا ہوگئی تو ان کی حکومت کا زوال شروع ہوگیا، قبیلہ "خزاعہ" نے ان پر حملہ کرکے انہیں تتر بتر کردیا، جب ان کے آخری سردار نے دیکھا کہ اب مقابلہ بے سود ہے اور وہ جنگ ہار چکے ہیں تو اس نے کعبہ کے بیش قیمت تبرکات کو زمزم کے کنوئیں میں دفن کرکے اس کنوئیں کو مٹی سے بھر دیا تاکہ اگر کبھی موقع ملے تو اس خزانے سے استفادہ کرسکیں، اس خزانے میں سونے کے دو ہرن، چند تلواریں اور زرہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

البتہ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ حجر الاسود کو بھی اپنی جگہ سے اکھاڑ کر اس میں دفن کردیا گیا تھا، خزاعہ کے حملے سے وہ لوگ ایسے منتشر ہوئے کہ پھر کبھی مکہ میں آباد نہ ہوسکے بلکہ یمن جا کر ہی دم لیا، مکہ کی حکومت قبیلۂ خزاعہ کے ہاتھ تھی یہاں تک کہ حضورؐ کے اجداد کی چوتھی کڑی جناب قصی بن کلاب کے پاس مکہ کی

۱۔ فروغ ابدیت ج ۱ ص ۱۷۱، تاریخ یعقوبی ج ۱ ص ۳۳۵ نیز سیرہ حلبی ج ۱ ص ۷۔
۲۔ تاریخ یعقوبی ج ۱ ص ۳۳۱ ـ ۳۳۵۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حکومت آئی، جس کے بعد سے یہ سلسلہ آپ کی نسل میں چلتا رہا یہاں تک کہ جناب عبدالمطلب مکّہ کے حاکم بنے، جناب عبدالمطلب نے فیصلہ کیا کہ زمزم کے کنویں کو دوبارہ کھودا جائے تا کہ اس بابرکت پانی سے اہل مکّہ فیض یاب ہوسکیں البتہ بعض مورخین کے مطابق جناب قصی نے بھی زمزم کا کنواں کھودنے کا ارادہ کیا تھا لیکن سخت جستجو اور کوشش کے بعد بھی انہیں اس کے اصلی مقام کا علم نہ ہوسکا اور یوں زمزم کا کنواں عرصہ تک ویسے ہی رہا(۱)۔

بہر حال جناب عبدالمطلب برابر اسی سوچ میں تھے لیکن زمزم کی اصلی جگہ کا علم کسی کو بھی نہ تھا، آپ اسی ہم وغم میں تھے کہ بعض کے مطابق خواب میں آپ کو زمزم کی اصلی جگہ کا علم ہوا(۲)۔ البتہ بعض کے نزدیک آپ نے سخت جدو جہد اور کوشش کے بعد اس کی اصلی جگہ معلوم کی(۳) اور قریش کو دعوت کی کہ حضرت اسماعیل کی یادگار کو کھودنے میں ان کا ہاتھ بٹائیں لیکن جواب میں قریش نے تمسخر اور استہزاء کا مظاہرہ کیا اور مجبوراً حضرت عبدالمطلب نے قریش کی مدد کے بغیر ہی کوئیں کو کھودا، کنوئیں کی کھودائی کے دوران جب بنی جرہم کے دور کا دفن کیا گیا خزانہ برآمد ہوا تو قریش کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور حضرت عبدالمطلب کے پاس آ کر مذکورہ خزانے میں سے اپنے حصہ کا مطالبہ کیا، جھگڑا جب زیادہ بڑھا تو کاہن کے ذریعہ سے فیصلہ کروایا گیا جس نے تمام خزانہ حضرت عبدالمطلب کی ملکیت قرار دیا اور حضرت عبدالمطلب نے وہ تمام خزانہ کعبہ کے لئے وقف کر دیا اور اس طرح مدّت سے حاجیوں اور اہل مکّہ کو درپیش پانی کی مشکل بھی کافی حد تک حل ہوگئی۔

قصہ گو حضرات نے اس واقعہ کو بہت زیادہ بڑھایا یہاں تک کہ اس ایک واقعہ کے اندر کئی مزید

۱۔ ملاحظہ ہو: زندگانی حضرت محمدؐ ص ۱۸۔

۲۔ ملاحظہ ہو: زندگانی حضرت محمدؐ ص ۱۸، سیرۃ ابن اسحاق کتاب السیر والمغازی از محمد بن اسحاق بن یسار، تحقیق سہیل زکار ص ۲۴، ایڈیشن اولی دار الفکر بیروت الست موسسہ اسماعیلیان ۱۳۶۴ش، طبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۸۳، سیرۃ حلبی ج ۱ ص ۵۱، سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۵۰ نیز ابن کامل ابن اثیر ج ۱ ص ۱۱۵۔

۳۔ ملاحظہ ہو: فروغ ابدیت ج ۱ ص ۱۲۰۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

واقعات رونما ہوئے مثلاً کاہن کے پاس جانے کا ایک طولانی قصہ اور اسی میں حضرت عبدالمطلب اور انکے ساتھیوں کا پیاس کی شدت سے اپنے ہاتھوں سے اپنی قبریں کھودنا وغیرہ اور ان تمام واقعات پر تبصرہ و تجزیہ کرنا بحث کے طولانی کرنے کے مترادف ہے لہذا اختصار کی پیش نظر حفر زمزم کے دوران حضرت عبدالمطلب کی جانب سے مانی جانے والی منت و نذر اور اس کے ایفا کا جائزہ لیتے ہیں۔

جناب عبداللہ بن عبدالمطلب اور واقعہ نذر:

زمزم کی کھدائی کے دوران جب قریش نے حضرت عبدالمطلب کا ساتھ دینے سے انکار کیا تو آپ نے تنہا ہی یہ کام کرنے کی ٹھانی اور صرف آپ کا فرزند حارث آپ کے ہمراہ تھا اور جب اس قسم کا طاقت فرسا کام اور ہمراہیوں کی کمی نے پریشان کیا تو آپ نے خدا کی بارگاہ میں نذر کی کہ اگر خدا نے مجھے دس یا بارہ بیٹے عطا کیے تو ایک بیٹے کو خدا کی راہ میں قربان کروں گا، دن پر دن گزرتے گئے، جناب عبدالمطلب نے کثرت اولاد کی خواہش میں کئی شادیاں کیں اور خداوند کے لطف و کرم سے آپ کے آنگن میں پھولوں اور کلیوں کا ڈھیر لگ گیا، صرف بیٹوں کی تعداد دس اور بقولے بارہ تک پہنچ گئی، جب جناب عبدالمطلب کے بیٹوں کی تعداد دس تک پہنچی تو آنجناب کو اپنی نذر یاد آگئی کہ خدا سے عہد کیا ہوا تھا کہ اگر خدا نے دس بیٹے دیئے تو ایک کو قربان کروں گا۔

جناب عبدالمطلب کے دس بیٹوں کے نام یہ ہیں: حارث، زبیر، حَجَل (جسے غیداق کے نام سے بھی پکارتے تھے)، مقوم، ضرار، ابولہب، ابوطالب (جن کا اصل نام عبدمناف تھا)، عبداللہ، حمزہ اور عباس، تمام بھائیوں میں جناب عبداللہ جناب عبدالمطلب کو بہت عزیز تھے، لیکن جب جناب عبدالمطلب نے اپنے تمام فرزندوں کے سامنے اپنے نذر والا معاملہ رکھا تو تمام اولاد نے اپنی آمادگی کا اظہار کیا، جناب عبدالمطلب نے دس بیٹوں کے درمیان قرعہ اندازی کی تو جناب عبداللہ کا اسم گرامی منتخب ہوا۔ آپ نے پھر دوسری اور تیسری مرتبہ قرعہ اندازی کی لیکن پھر بھی جناب عبداللہ کا نام آیا تو آپ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور قربان گاہ تک

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

لائے، اس وقت جناب عبداللہ کی عمر چوبیس سال کے لگ بھگ تھی، مکہ میں یہ خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی، مکہ کے پیر و جوان اور مرد وزن سب اکٹھے ہو گئے اور جناب عبدالمطلب کو اس کام سے منع کرنے لگے۔

جناب عبدالمطلب اپنی نذر کی ادائیگی پر مصر رہے تو کسی نے مشورہ دیا کہ عرب کے کاہنوں کے پاس اس کا حل ہوگا، ان سے مشورہ طلب کریں، جناب عبدالمطلب کو یہ رائے پسند آئی اور وہ ''یثرب'' (مدینہ) کے ایک کاہن کے پاس فیصلہ کرانے گئے، اس نے جواب کے لئے ایک دن کی مہلت مانگی اور دوسرے دن کاہن نے ان لوگوں سے پوچھا: ''تمہارے ہاں ایک انسان کی دیت کتنا ہے؟'' انہوں نے جواب دیا: دس اونٹ، کاہن نے کہا: پھر اس آدمی اور دس اونٹوں کے درمیان قرعہ اندازی کرو، اگر آدمی کے نام کا قرعہ نکلے تو اونٹوں کی تعداد دوگنا کر کے قرعہ ڈالو اگر پھر بھی آدمی ہی کا نام سامنے آئے تو اونٹوں کی تعداد تین گنا کر دو، اسی طرح اضافہ کرتے جاؤ یہاں تک کہ اونٹوں کے نام کا قرعہ نکلے''۔

کاہن کی اس بات سے لوگوں کے درمیان خوشی کی لہر دوڑ گئی، کیونکہ ان کے نزدیک عبداللہ کے قتل کی بہ نسبت کئی سو اونٹوں کا قربان کرنا زیادہ آسان تھا، یثرب سے واپسی پر ایک دن مجمع عام میں قرعہ اندازی کی رسم منعقد ہوئی، ادھر عبداللہ اور ادھر دس اونٹ، قرعہ جناب عبداللہ کے نام نکلا، مزید دس اونٹوں کا اضافہ ہوا، پھر جناب عبداللہ کا نام پکارا گیا، پھر مزید دس اونٹوں کا اضافہ ہوا اور اسی طرح اضافہ ہوتے ہوتے سو اونٹوں تک معاملہ پہنچ گیا، تو پھر قرعہ میں اونٹوں کا نام نکلا۔

جناب عبدالمطلب نے کہا کہ میں ایک مرتبہ پھر یہ قرعہ نکالتا ہوں تاکہ مجھے یقین ہو جائے کہ میرا پروردگار مجھ سے راضی ہے، دوسری مرتبہ قرعہ اندازی کی گئی تو اب کے بھی اونٹوں کا قرعہ نکلا، اسی طرح یہ قرعہ اندازی تیسری مرتبہ بھی تکرار کی گئی، پھر بھی اونٹوں کا ہی نام نکلا تو جناب عبدالمطلب کو یقین ہو گیا کہ اب خدا راضی ہے، اس پر جناب عبداللہ کو مذبح سے باہر کھینچ لیا گیا اور جناب عبدالمطلب نے حکم دیا کہ اسی روز سو اونٹوں کی قربانی کی جائے اور وہ سو اونٹ کعبہ کے نزدیک ذبح کیے جائیں تاکہ فقراء میں ان کا گوشت

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

تقسیم کیا جائے۔(۱)

اسی نذر والے واقعہ کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت رسولِ خدا کا ایک ارشاد پاک بھی نقل کیا گیا ہے کہ "اَنَا ابْنُ الذَّبِيْحَيْنِ" میں دو ذبیحوں (جناب اسماعیلؑ اور جناب عبداللہؑ) کا سپوت ہوں۔

نذر عبدالمطلب پر تبصرہ:

مذکورہ واقعہ سے متعلق تاریخی کتب بھری پڑی ہیں اور اس واقعہ کا ذکر اکثر کتب میں ہوتا ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ واقعہ مؤرخین کے نزدیک مسلّم ہے، لیکن جب مختلف کتابوں میں اس واقعہ کا مطالعہ کیا جائے تو بہت سی باتوں میں اختلاف و تضاد ملتا ہے، اس امر کی وضاحت کے لئے مندرجہ ذیل نکات کے بیان پر اکتفا کیا جاتا ہے:

۱۔ مذکورہ واقعہ میں روایات کی اسناد کے علاوہ مضامین میں بھی بہت زیادہ مشکلات ہیں مثلاً عموماً مؤرخین نے حضرت عبدالمطلب کے بیٹوں کی تعداد دس لکھی ہے اور منابع کی تصریح کے مطابق جناب عباس اور جناب حمزہ قطعاً جناب عبداللہ سے چھوٹے اور پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم سن شمار ہوتے ہیں پس یہ کس طرح ممکن ہے کہ جناب عبدالمطلب کے بیٹوں کی تعداد آٹھ یا نو افراد تک پہنچتی ہے اور آپ ایک ایسی نذر کے ایفاء کی کوشش کرتے ہیں جو ابھی پوری ہی نہیں ہوئی ہو!

۲۔ تاریخ کی بعض کتابوں میں ملتا ہے کہ قرعہ اندازی ایک معروف بت "ہُبَل" کے نزدیک ہوئی اور "اساف" اور "نائلہ" نامی بتوں کے پاس قربانی کا ارادہ تھا(۲) مؤرخین کی اسی بات کو لے کر زمخشری، فخر رازی، نیشاپوری، مراغی اور سید قطب جیسے مفسرین عامہ اس من گھڑت افسانے کو آیت ﴿کذالک

۱۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو: سیرہ ابن اسحاق ص ۳۴ تا ص ۳۶، سیرہ ابن ہشام ج۱ ص ۱۶۳۔۱۶۴، حیاۃ القلوب ج۲ ص ۳۶ تا ص ۴۱، فروغ ابدیت ج۱ ص ۱۱۴، زندگانی حضرت محمدؐ ص ۳۱، تاریخ اسلام علی دوانی ص ۵۴، نیز الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم ج۱ ص ۷۵۔

۲۔ ملاحظہ ہو: تاریخ طبری ج۲ ص ۲۴۰۔۲۴۲، سیرۃ ابن اسحاق ص ۳۴، سیرۃ حلبی ج۱ ص ۵۷ تا ص ۵۸، منتہی الآمال ج۱ ص ۵۵، نیز الصحیح من سیرۃ النبی ج۲ ص ۴۲ و دیگر متعلقہ کتب۔

Presented by: Rana Jabir Abbas
jabir.abbas@yahoo.com
Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَاؤُهُمْ ﴾(۱) کے ذیل میں نقل کرتے ہیں تا کہ اس ذریعہ سے وہ انبیاء کے آباء کے مشرک ہونے کو ثابت کر سکیں بعض محققین نے اس واقعہ کی بعض جزئیات کا انکار کرنے کے باوجود اس واقعہ کی اس طرح وضاحت کی ہے کہ یہ واقعہ جناب عبدالمطلب کے درجہ ایمان میں کمی کی وجہ سے ہو سکتا ہے، ان کے الفاظ کا خلاصہ یہ ہے: جناب عبدالمطلب نے اپنے ایمان میں تکامل (کمال) کا راستہ طے کیا، اس لئے کہ پہلے مرحلہ میں اپنے بیٹوں کا نام عبدالمناف اور عبدالعزیٰ رکھتے ہیں جبکہ مناف اور عزیٰ بتوں کے نام ہیں اور بتوں کے سامنے اپنا بیٹا قربان کرنا چاہتے ہیں لیکن بعد والے مراحل میں وہ ایمان کے لحاظ سے ترقی کر جاتے ہیں یہاں تک کہ اطاعت و ایمان خداوندی میں اس حد تک آگے بڑھ جاتے ہیں کہ آپ کا ایمان ابرہہ کو مرعوب کر دیتا ہے اور اپنے پوتے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے بعد تو آپ ایمان کے سب سے اعلیٰ درجے پر پہنچ جاتے ہیں......۔ اسی بنا پر اس دور میں آپ سے اس جیسی نذر کا ہونا کوئی بعید نہیں اور اس وقت عرف کے نزدیک بھی اس میں کوئی قباحت نہیں تھی، مزید یہ کہ گذشتہ شریعتوں میں اس جیسی نذر کے حرام ہونے پر بھی کوئی دلیل نہیں ہے، بطور مثال جناب عمران کی زوجہ نے اپنے شکم میں پرورش پانے والے بچہ کے متعلق نذر کی تھی کہ اسے خانہ خدا کی خدمت کے لئے وقف کریں گی یا جناب ابراہیم علیہ السلام کو خدا نے اپنے بیٹے اسماعیل کے ذبح کرنے کا حکم دیا تھا" (۲)۔

وضاحت:

اس سلسلہ میں جو مثالیں دی گئی ہیں وہ صحیح نہیں ہیں کیونکہ جناب ابراہیم علیہ السلام نے نذر نہیں مانی تھی بلکہ حکم ایزدی تھا اور زوجہ عمران کی نذر کے متعلق علماء کا بیان ہے کہ یہ نذر خانہ خدا کی خدمت کے لئے وقف کرنے کے بارے میں نہیں تھی بلکہ اپنے حقوق سے دستبرداری کے متعلق تھی تا کہ وہ خانہ خدا کی خدمت میں

۱۔ سورۂ انعام ۱۳۷۔

۲۔ ملاحظہ ہو: الصحیح من سیرۃ النبی ایڈیشن چہارم ج ۲ ص ۵۲۔۵۴۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پوری تندہی سے مشغول ہو، یعنی انہوں نے یہ نذر کی تھی کہ اگر بچہ ہوا تو میں اس پر فرض کیے گئے اپنے تمام حقوق سے دستبردار ہو جاؤں گی تا کہ وہ خانہ خدا کی ہمہ وقت خدمت میں معروف رہے اور یہ نذر نہ گذشتہ شریعتوں میں حرام تھی اور نہ اب ہے۔

بہر حال اس نذر میں اور اولاد ذبح کرنے والی نذر میں زمین وآسمان کا فرق ہے، ایک نذر یہ کہتی ہے کہ بچہ خانہ خدا کا خادم ہو جبکہ دوسری نذر کہتی ہے کہ فرزند بت کے سامنے ذبح ہو، اگر سلسلۂ انبیاء یا آباء انبیاء میں اس قسم کی کسی نذر کی مثال دیتے تب یہ بات قابل قبول تھی، باقی رہی ان کے فرزندوں کے بتوں کے نام پر نام رکھنے والی تو اس سلسلے میں کئی احتمالات دیے جا سکتے ہیں:

☆ جاہلیت میں لوگوں کے ساتھ مماشات اور نرمی کے لئے انہوں نے یہ نام رکھے ہوں، جس طرح کہ ائمہ معصومین علیہم السلام نے دشمنوں کے ساتھ کشیدگی کے ماحول کو کم کرنے کے لئے ایسا کیا تھا(۱)۔

☆ لوگوں نے ان کا یہ نام رکھا ہو، جس طرح جناب شیبہ کے متعلق ملتا ہے کہ ان کا نام لوگوں نے عبدالمطلب رکھا تھا۔

☆ بت اصل میں بعض روایات کی بنا پر صالح، نیک اور عابد وزاہد افراد تھے، جن کا احترام سب لوگ کرتے تھے، ان کے مرنے کے بعد لوگ ان کے نام کے مجسمے بنا کر ان کی یاد مناتے تھے اور ان مجسموں کا احترام کرتے تھے بعد میں آنے والی نسلیں رفتہ رفتہ ان بتوں کو مقدس جان کر ان کی پوجا کرنے لگیں (۲)۔

☆ نام اگرچہ دلی لگاؤ کو ظاہر کرتا ہے لیکن ساتھ ساتھ معاشرے میں رائج اور عرف میں خوبصورت لگنے والے الفاظ کی بھی نشاندہی کرتا ہے اس بنا پر صرف فرزند کا نام رکھنا ایمان کی نشاندہی نہیں کرتا

۱۔ تاریخ اسلام علی دوانی ص ۵۹۔

۲۔ علل الشرائع ترجمہ اردو ص ۳، ترجمہ تفسیر المیزان ج ۲۰ ص ۱۷۸۔۱۷۹ بحث روائی آیات ۱۔۲۴۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۳۔مذکورہ واقعہ میں بہت سے تناقضات کی وجہ سے بعض مؤرخین نے اسے شک و تردید کے ساتھ نقل کیا ہے، جیسا کہ تاریخ طبری اور سیرۂ ابن اسحاق کے ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے "کَانَ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ بْنُ هَاشِمٍ (فِيْمَا يَذْكُرُوْنَ وَ اللهُ اَعْلَمُ) قَدْ نَذَرَ حِيْنَ لَقِيَ مِنْ قُرَيْشٍ مَا لَقِيَ" (۱) یعنی "جب جناب عبدالمطلب قریش سے تنگ آ گئے تو انہوں نے (جس طرح مؤرخین ذکر کرتے ہیں، البتہ خدا ہی بہتر جانتا ہے) منت مانی......"۔ اسی طرح سیرۂ ابن ہشام میں بھی تقریباً ملتے جلتے الفاظ ہیں۔(۲) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بزرگ مؤرخین کی نظر میں بھی مشکوک تھا، لیکن بعد والے مؤرخین نے بڑی آب و تاب کے ساتھ اس واقعہ کو نقل کرنا شروع کر دیا اور اس جملہ کو نظر انداز کر دیا، اسی طرح تاریخ و سیرت کی قدیم ترین کتاب سیرۂ ابن اسحاق پر حاشیہ لگانے والے "ڈاکٹر سہیل زکار" کا اس بارے میں کہنا ہے کہ "اثر الاختراع علی هذه القصة شديد الوضوح و هي كما يبدو اخترعت من قبل اكثر من انسان و عبر فترة طويلة......" (۳) یعنی اس افسانے میں جعل سازی کے نہایت واضح آثار پائے جاتے ہیں، لگتا ہے کہ اسے کئی لوگوں نے گھڑا ہے اور بہت لمبے عرصے تک اسے مختلف لوگوں کی طرف سے گھڑا جاتا رہا ہے۔

۴۔اس افسانے کے جعلی ہونے کی ایک دلیل مکہ کے معاشرے میں قبل از اسلام کسی انسانی قربانی کا نہ ہونا ہے، حتی کہ قرآن مجید نے بھی کسی لحاظ سے اس جیسے واقعہ کی طرف اشارہ نہیں کیا، اس افسانے میں ایک اور مشکل رکیک اشعار ہیں اور یہ اتنے گھٹیا ہیں کہ ان کا درج کرنا فضول ہے۔

۱۔ملاحظہ ہو: سیرۂ ابن اسحاق ص ۳۲، سیرۂ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۶۰، طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۸۸ و ص ۸۹، البدایہ والنہایہ از ابو الفداء حافظ ابن کثیر، ایڈیشن اولیٰ، مکتبۃ المعارف و مکتبۃ النصر بیروت ۱۹۶۶ء ج ۲ ص ۲۴۸ و دیگر کتب نیز تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۴۰

۲۔ملاحظہ ہو سیرۂ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۶۰ تا ص ۱۶۴۔

۳۔ملاحظہ ہو سیرۂ ابن اسحاق مع حاشیہ الدکتور سہیل زکار حاشیہ ص ۴۱

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

اس کے علاوہ واقعہ نذر کے متعلق ہم عصر محقق جناب علی دوانی صاحب اپنی تاریخ اسلام میں لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کے جعلی ہونے کے مندرجہ ذیل دلائل ہیں:

الف: حبشہ کے فرمانروا ابرہہ کے ساتھ جناب عبدالمطلب کا برتاؤ آپ کی عقل و درایت پر بہترین گواہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی گھٹیا نذر آپ جیسے شخص سے بعید ہے۔

ب: زمانہ جاہلیت میں جناب عبدالمطلب نے کئی ایسے قوانین اور رسمیں رائج کیں جو انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے نہایت مفید تھیں یہاں تک کہ اسلام نے بھی ان رسومات وقوانین کی تائید کی مثلاً زنا اور شراب کی حرمت، زانی پر حد جاری کرنا، چور کے ہاتھ کاٹنا، بدنام عورتوں کو مکہ سے نکال باہر کرنا، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے روکنا، محرموں سے شادی کی ممانعت، گھر میں بلا اجازت داخلے کی ممانعت، برہنہ طواف کرنے سے ممانعت، ایفائے نذر کے وجوب کا حکم، چار حرام مہینوں کا احترام اور اثبات حق کے لئے مباہلہ کرنا (۱)۔ اس بنا پر ایسا شخص کبھی بھی ایسی ویسی نذر نہیں کر سکتا۔

ج: جناب رسولؐ خدا کئی مرتبہ جناب عبدالمطلب کی اولاد ہونے پر فخر کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے: "اَنَا نَبِیٌّ لَا کَذِب، اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِب" یہ سچ ہے کہ میں نبی ہوں، میں تو عبدالمطلب کا فرزند ہوں، پس یہ کس طرح ممکن ہے کہ آنحضرتؐ کسی ایسے شخص پر فخر کریں جو بتوں کے سامنے قربانی کے لئے تیار ہو اور وہ بھی اولاد کی قربانی!۔

د: اولاد کو قتل کرنے کی نذر بت پرستوں اور ستارہ پرستوں کی رسم تھی اور قرآن مجید میں خداوند عالم نے سورۂ انعام میں مشرکین کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَاؤُهُمْ﴾ (۲) "اسی طرح سے بہت سے مشرکوں کے لئے ان کے شرکاء

۱۔ تاریخ یعقوبی احمد بن یعقوب تحقیق عبدالامیر مہنا ج اص ۳۳۲ ایڈیشن اول، موسسہ الاعلمی للمطبوعات بیروت ۱۹۹۳ م

۲۔ سورہ انعام آیت ۱۳۷

Presented by: Rana Jabir Abbas

(شریک خداؤں) نے اولاد کی قربانی کو سجا سنوار کر اور پسندیدہ بنا کر پیش کیا ہے" البتہ یہ رسم، بنی تیم کے لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کی رسم کے علاوہ ہے بلکہ یہ صرف دیوتاؤں کی خوشنودی کے حصول کے لئے قربانی کی رسم ہے۔

ھ: ممکن ہے کوئی یہ کہے کہ جناب عبدالمطلب بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح اپنے بیٹے کو راہ خدا میں ذبح کرنے پر مامور تھے، ان کا یہ کہنا بھی درست نہیں ہے، کیونکہ روایات صراحت کے ساتھ کہتی ہیں کہ جناب عبدالمطلب نے خود نذر کی تھی، مزید یہ کہ اگر مامور تھے تو انہیں ہر صورت میں اس حکم کو عملی جامہ پہنانا چاہیے تھا نیز یہ کیوں نہیں کہا کہ میں مامور ہوں؟

و: علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں کہ "شیعوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت رسول کریمؐ کے تمام آباء پرستار توحید تھے"، اور فخر رازی سے بھی منقول ہے کہ "شیعوں کا عقیدہ ہے کہ اجداد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے کوئی ایک بھی کافر نہ تھا"۔

ز: اس من گھڑت افسانہ اور حدیث "اَنَا ابْنُ الذَّبِیحَیْنِ" (۱) جیسی روایات کی اسناد میں ضعیف، مجہول اور مہمل افراد ہیں، اسی بنا پر یہ روایات ضعیف و مخدوش اور قصہ گوؤں کی اختراع ہیں، اس کے علاوہ "اَنَا ابْنُ الذَّبِیحَیْنِ" والی حدیث کے مصداق میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد جناب ہابیل اور جناب عبداللہ ہیں، بعض اس سے مراد جناب اسحاق اور جناب عبداللہ لیتے ہیں اور بعض کے بقول اس سے مراد جناب اسماعیل اور جناب عبداللہ ہیں (۲)۔

۱۔ مذکورہ حدیث کو سیرۂ حلبی ج ۱ ص ۵۹ پر معاویہ سے نقل کرتے ہوئے مصنف کہتے ہیں کہ حافظ سیوطی کے نزدیک یہ روایت ضعیف ہے اور اس کی سند میں بھی مجہول راوی ہیں

۲۔ ملاحظہ ہو: الصحیح من سیرۃ النبی ج ۱ ص ۷۰۔ لائق توجہ بات یہ بھی ہے کہ تینوں اقوال میں جناب عبداللہ تو یقینی طور پر موجود ہیں لیکن جن کے بارے میں اتفاق رائے ہونا چاہیے یعنی جناب اسماعیلؑ ان کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مزید یہ کہ ہمارے علماء ومفسرین کا کہنا ہے کہ جناب ابراہیم علیہ السلام کا بیٹے کو ذبح کرنے کا خواب گرچہ حکم خداوندی تھا لیکن اس سے مراد در حقیقت بیٹے کو ذبح کرنا نہیں تھا بلکہ اس حکم سے خداوند عالم جناب ابراہیم علیہ السلام اور جناب اسماعیل علیہ السلام کے صبر و پائیداری کو آزمانا چاہتا تھا(۱) جبکہ نذر جناب عبدالمطلب میں ایسی کوئی حکمت پوشیدہ نہیں تھی اور جناب عبدالمطلب کو الہام ہونے والا قول بھی ایک ضعیف قول ہے(۲) جسے سب رد کرتے ہیں، بہرحال ان تمام قرائن وشواہد اور حکایات سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ نذر والا واقعہ من گھڑت ہے۔

ابرہہ کا بیت اللہ پر حملہ اور اس کا انجام:

ایک اہم واقعہ جو حضرت عبدالمطلب کی بزرگی اور مجد میں اضافہ کا باعث ہوا وہ ابرہہ کا ہاتھیوں کے لشکر سمیت بیت اللہ پر حملہ تھا، اس کے لشکر میں ہاتھیوں کی موجودگی سے ابرہہ اور اس کے لشکر کو اصحاب الفیل اور اس دن کو یوم الفیل کہا جاتا ہے، اس واقعہ کی تاریخی اہمیت کے لئے اتنا ہی کہنا کافی ہوگا کہ عربوں نے اس سال کو عام الفیل قرار دیا اور اپنی تاریخ کا مبداء بھی اسی واقعہ اور اسی سال کو قرار دیا، نیز اکثر مورخین کے نزدیک اسی سال میں آنحضرت کی ولادت باسعادت بھی ہوئی۔

تاریخ اور سیرت کی مختلف کتابوں میں اس حملہ اور اس کے اسباب کے متعلق مختلف اقوال ذکر کئے گئے ہیں۔ بطور خلاصہ ان کا ذکر کرنے کے بعد اس واقعہ پر تھوڑی سی روشنی بھی ڈالی جائے گی۔

تمام مفسرین ومورخین کا اس بات پر تو اتفاق ہے کہ جس بادشاہ نے کعبہ کو ویران کرنے کا ارادہ کیا تھا اس کا نام ابرہہ بن الصباح الاشرم تھا(۳) جسے ابرہۃ الاشرم یا فقط ابرہہ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے،

۱۔ ملاحظہ ہو: الصحیح من سیرۃ النبی ج ۲ ص ۴۹-۵۲، نیز ترجمہ فارسی المیزان ج ۱ ص ۳۶۷ تا ص ۳۶۹ ذیل آیۂ ۱۴۲ سورہ بقرہ۔

۲۔ ملاحظہ ہو: حیات القلوب ج ۲ ص ۷۲ نیز سیرۂ حلبی ج ۱ ص ۵۷۔ و دیگر متعلقہ کتب۔

۳۔ مجمع البیان ج ۱۰ ذیل سورۂ فیل، المیزان ج ۲۰ ذیل سورۂ فیل۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس کی کنیت ابویکسوم بتائی گئی ہے(۱)۔ لیکن اس بات پر اختلاف پایا جاتا ہے کہ اس نے یہ ارادہ کیوں کیا تھا؟ بعض مؤرخین کے مطابق اس واقعہ کا سبب کچھ یوں ہے کہ مکّہ کے کچھ افراد بغرض تجارت حبشہ گئے، بھوک لگنے کی وجہ سے وہ عیسائیوں کے ایک کلیسا میں داخل ہوئے اور کھانا پکانے کے لئے آگ جلائی، وہ کھانا کھا کر چلے گئے لیکن آگ نہیں بجھائی، جب تیز ہوا چلی تو آگ نے پورے کلیسا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور کلیسا کو جلا کر خاکستر کر دیا، جب یہ خبر بادشاہ حبشہ نجاشی تک پہنچی تو وہ سخت برآشفتہ ہوا اور اپنے وزیر ابرہہ کو لاؤ لشکر سمیت کلیسا کی تباہی کے بدلے میں بیت اللہ کی تباہی کے لئے بھیجا(۲)۔

بعض مؤرخین کا نظریہ یہ ہے کہ یمن کا بادشاہ ذونواس (یا تبع)(۳) کا گزر ایک سفر میں یثرب سے ہوتا ہے، اس وقت وہاں اوس، خزرج اور یہودی بستے تھے، بعض کے مطابق پہلے ان کے درمیان جنگ چھڑی، دن کو لڑتے لیکن رات کو مدینہ والے، بادشاہ اور اس کے لشکریوں کی خاطر تواضع کرتے، جس پر چند دن ان کے ساتھ جنگ کر کے بادشاہ نادم ہو جاتا ہے اور صلح کی پیشکش کرتا ہے۔ صلح کے لئے اوس کی جانب سے ایک آدمی احیحہ بن جلاح اور یہودیوں کی جانب سے بھی ایک آدمی بنیامین القرظی بادشاہ کے پاس آئے، احیحہ نے تو یہ کہا کہ اے بادشاہ ہم تو تمہاری قوم ہیں جبکہ بنیامین نے کہا: ''بادشاہ! ہزار بار بھی کوشش کر کے دیکھ لو، اس شہر کو فتح نہیں کر سکتے!''۔ بادشاہ نے جب علت پوچھی تو اس نے بتایا: ''اس لئے کہ یہ ایک نبی کا ٹھکانہ ہے جسے خدا قریش میں سے مبعوث کرے گا''۔(۴)

بہر حال فرصت طلب یہودیوں نے بادشاہ کا خیر مقدم کیا اور اسے یہودیت کی تبلیغ کی تا کہ اس کی

۱۔ مجمع البیان و نیز روح المعانی ج ۳۰ ص ۲۳۳ ذیل سورۂ فیل۔
۲۔ حیات القلوب ج ۲ ص ۳۲ و مجمع البیان ج ۱۰ ص ۴۴۵ ذیل سورۂ فیل وغیرہ۔
۳۔ مجمع البیان اور المیزان میں تبع ہے جبکہ فروغ ابدیت اور زندگانی حضرت محمدؐ میں نیز دیگر کتب میں ذونواس ہے۔ البتہ قابل ذکر ہے اور یہ تبع اس تبع سے علیحدہ ہے جس نے اوس و خزرج کو مدینہ میں بسایا تھا، کیونکہ تبع ایک لقب ہے، نام نہیں۔
۴۔ تاریخ یعقوبی ج ۱ ص ۲۳۲ تا ص ۲۳۳ و مجمع البیان و المیزان ذیل سورۂ فیل۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas
jabirabbas@yahoo.com

Presented by: Rana Jabir Abbas

وجہ سے عیسائیوں اور بت پرستوں کے خطرے سے محفوظ ہو جائیں، ان کی تبلیغ کے زیر اثر ذونواس نے یہودیت اختیار کر لی اور بت پرستی کو چھوڑ دیا، رفتہ رفتہ وہ بنیاد پرست یہودی بن گیا اور یہودیت کی تبلیغ میں تمام وسائل اور حربے استعمال کئے یہاں تک کہ مخالفوں کو سخت اذیت کرتا تھا جس کی وجہ سے قلیل سے عرصے میں بہت سے بت پرست عرب یہودی بن گئے، یمن کے شمالی شہر نجران کے عیسائیوں نے یہودیت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، جس پر کٹر یہودی بادشاہ کو سخت غصہ آیا اور اس نے حکم دیا کہ ایک خندق کھود کر اسے آگ سے بھر دیا جائے اور سب کو اس میں جھونک دیا جائے (۱) نتیجہ میں نجران کے اکثر عیسائی آگ میں جھونک دیئے گئے اور کچھ کو خوراک شمشیر بنایا گیا یا ہاتھ پاؤں اور ناک، کان کاٹ دیے گئے، بعض مفسرین و مؤرخین کے مطابق اس دن بیس ہزار کے قریب عیسائی مارے گئے، مفسرین کا نظریہ ہے کہ قرآن مجید کی سورۂ بروج میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے "اصحاب اخدود" کا ذکر کیا گیا ہے۔

بہر حال ان میں سے ایک عیسائی (۲) کسی نہ کسی طرح سے جان بچا کر بادشاہ روم کے دربار میں پہنچا اور بادشاہ کو ساری صورتحال بتائی تو بادشاہ بہت متاثر ہوا اور اسے کہا: "ہمارا علاقہ تمہارے علاقے سے بہت دور ہے اس لئے میں تو تم لوگوں کی کوئی مدد نہیں کر سکتا البتہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو ایک خط لکھتا ہوں تا کہ وہ نجران کے مقتولین کا بدلہ اس سفاک آدمی سے لے" بادشاہ نے خط اس نجرانی کو دیا اور حبشہ کی طرف روانہ کیا، وہ شخص پوری تیز رفتاری سے حبشہ گیا اور نجاشی کو تمام حالات سے آگاہ کیا، نجاشی بھی اس کی باتوں سے بہت متاثر ہوا اور اس نے ستر ہزار سپاہیوں پر مشتمل ایک عظیم لشکر تیار کیا۔ تاریخ کی بعض کتابوں میں اس لشکر کے سردار کا نام ابرہہ بتایا گیا ہے (۳)

۲۔ تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۲۳، ۱۰ الکامل ج ۱ ص ۳۹۲۔ فروغ ابدیت ج ۱ ص ۱۲۶ اور زندگانی حضرت محمد ص ۲۰ وغیرہ۔

۳۔ تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۲۳، ۱۰ الکامل ج ۱ ص ۳۹۳ و بعض دیگر کتب میں اس شخص کا نام "دوس" آیا ہے۔

۱۔ فروغ ابدیت ج ۱ ص ۱۲۶ و الکامل ج ۱ ص ۳۹۳ وغیرہ۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جبکہ بعض روایات میں اس کا نام ارياط یا ارباط بتایا گیا ہے(۱)۔ البتہ اس فوج کا کمانڈر جو بھی ہو ابرہہ اس میں شامل ضرور تھا، ذونواس سے انتقام لینے کے لئے یہ لشکر یمن پہنچا اور ذونواس کو اس جنگ میں شکست فاش ہوئی، جس سے دلبرداشتہ ہو کر اس نے دریا میں کود کر اپنی جان دے دی۔

اس جنگ کے نتیجہ میں یمن، حبشہ کی ایک ریاست میں تبدیل ہو گیا اور سردار لشکر وہاں کا فرمانروا بن گیا۔ یہاں پر بھی بعض دستاویزات یہ کہتی ہیں کہ کچھ عرصہ بعد ابرہہ نے ارياط کو قتل کر ڈالا اور اس کی جگہ خود یمن کا حاکم بن بیٹھا (۲)۔ جب نجاشی کو معلوم ہوا تو اس نے ابرہہ پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا لیکن ابرہہ نے اسے کسی نہ کسی طرح راضی کر لیا، اپنی حکومت کے دوران ابرہہ نے یہ بات نوٹ کی کہ بت پرست اور دیگر مذاہب کے عرب، خانہ کعبہ کو خاص اہمیت دیتے ہیں، اس کے لئے چڑھاوے چڑھاتے ہیں، قربانیاں کرتے ہیں اور تحائف لے جاتے ہیں۔ ابرہہ کو اس کے مقابلے میں ایک کلیسا بنانے کی سوجھی تا کہ اس سے ایک تو عیسائیت کا پرچار ہو، دوسرا یمن کو مرکزیت حاصل ہو اور تیسرا یہ کہ عربوں اور بت پرستوں کی اجتماعیت ختم ہو۔ چنانچہ اس نے ایک مجلل کلیسا بنایا اور اس کا پرچار شروع کیا۔

مؤرخین کے مطابق اس نے اس کلیسا کا نام "قلیس" رکھا اور اس کی ظاہری تزئین و آرائش کی حد درجہ کوشش کی، لیکن اسے کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ مل سکا، الٹا قریش اور عربوں کو یہ بات ناگوار گزری اور ایک رات وہاں کسی نے گندگی پھیلا دی (۳) جب ابرہہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے بیت اللہ کو تباہ کرنے کا تہیہ کرتے ہوئے کہا: "مجھے اپنی نصرانیت کی قسم! میں اس گھر کو ایسا تباہ کروں گا کہ کوئی بھی شخص حج کرنے

۱۔ زندگانی حضرت محمدؐ ص ۲۱، تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۱۵ وغیرہ نیز الکامل ج ۱ ص ۳۹۳ بھی ملاحظہ ہو۔

۲۔ البتہ موسوعہ امام صادقؑ ج ۶ ص ۴۲ میں آیا ہے کہ ابرہہ نے بیت اللہ کی تباہی کے سلسلے میں آتے ہوئے راستے میں ارياط کو قتل کیا تھا اور بادشاہ کا نام بھی یکسوم بتایا ہے۔ تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۲۸ میں بھی اسی طرح کا واقعہ نقل ہے۔

۳۔ شخص کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے کہ کس نے یہ کام انجام دیا، قریش یا بنی کنانہ یا بنی فقیم کی کسی عورت نے ایسا کیا تھا۔ طبری ج ۲ ص ۱۲۳، الکامل ج ۱ ص ۴۰۲۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کے لئے یہاں نہ آسکے"۔ اس نے بیت اللہ پر حملے کے لئے لشکر تیار کیا، خود اس لشکر کی کمان سنبھالی اور جنگجو ہاتھیوں کے ایک دستے کے ساتھ بیت اللہ پر حملے کے لئے نکل پڑا (۲)۔

جب عرب قبائل کو اس بات کا پتہ چلا تو کچھ نے تو اس کے رعب اور دہشت سے خاموشی اختیار کر لی، جبکہ کچھ قبائل اپنی عزت اور شرافت کے دفاع کے لئے غیرت اور شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے مردانہ وار ابرہہ کا مقابلہ کرتے مارے گئے۔ ان میں ذونفر یمانی کا نام قابل ذکر ہے۔ وہ اور اس کا قبیلہ لڑتے رہے جس کے نتیجے میں اس کے قبیلہ والے تو مارے گئے جبکہ وہ خود ابرہہ کے لشکر کے ہاتھوں گرفتار ہوا، جب اسے ابرہہ کے سامنے لایا گیا تو

ابرہہ نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا لیکن اس نے جان کی امان طلب کرتے ہوئے کہا کہ مجھے مت مارو، میرا زندہ رہنا شاید تمہارے لئے فائدہ مند ہو، اسی طرح نفیل بن حبیب خثعمی بھی لڑتے لڑتے گرفتار ہوا تو اس نے بھی جان کی امان طلب کی، ابرہہ نے اس صورت میں اسے چھوڑنے کا وعدہ کیا کہ وہ مکہ کے راستے کی نشاندہی کرے، نفیل نے انہیں "طائف" نامی جگہ تک پہنچایا، اس کے آگے "ابورغال" نامی ایک شخص نے مکہ سے چند کلو میٹر دور "مغمس" نامی جگہ تک پہنچایا (۱)۔

ابرہہ نے وہاں پڑاؤ کیا اور اپنے ایک جرنیل (۲) کو پہلے مکہ روانہ کیا تا کہ صورتحال کا جائزہ بھی لے، وہاں کے اموال کو غارت کرے اور اگر ہو سکے تو تمام افراد کو گرفتار کرے اور اسے یہ حکم بھی دیا کہ میرے آنے تک کسی کو تہہ تیغ نہیں کرنا، وہ جرنیل بیس ہزار کا لشکر لے کر مکہ میں داخل ہوا۔

۲۔ کتب تاریخ اور روایات میں ہاتھیوں کی تعداد میں اختلاف ہے۔ بعض نے "محمود" نامی ہاتھی کا بتایا ہے، بعض نے ۱۸ بعض نے ۱۲ اور بعض نے ۱۳ ہاتھیوں کے متعلق لکھا ہے۔ بعض نے دس بھی لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو الکامل ج ۱ ص ۴۰۲

۱۔ ملاحظہ ہو: فروغ ابدیت ج ۱ ص ۱۲۷، تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۳۲، الکامل ج ۱ ص ۴۰۳ وغیرہ۔

۲۔ مؤرخین نے اس کا نام "اسود بن مقصود" بتایا ہے۔ مراجعہ ہو حیات القلوب ج ۲ ص ۲۴، زندگانی حضرت محمد ص ۲۳، تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۳۲ اور الکامل ج ۱ ص ۴۰۲

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ادھر جب مکّہ والوں کو اس بات کا علم ہوا کہ ابرہہ اپنے ناپاک عزائم کے ساتھ مکّہ پہنچ رہا ہے تو انہوں نے شہر چھوڑ کر پہاڑوں اور دروں میں پناہ لینے کی تیاری کر لی۔ جناب عبدالمطلب نے انہیں بہت سمجھایا کہ یہ گھر خدا کا گھر ہے، اسے کوئی گزند پہنچانے والا نہیں ہے اور اگر تم بھی اسی کی پناہ میں چلے جاؤ تو تم بھی امان میں رہو گے لیکن انہوں نے ایک نہ سنی اور اکثریت مکّہ چھوڑ کر چلی گئی، جناب عبدالمطلب نے کہا کہ مشکل وقت میں خدا کے گھر سے بھاگتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے اس لئے میں یہیں رہوں گا جو ہوگا دیکھا جائے گا، جب وہ جرنیل آیا تو اس نے مکّہ میں چرنے والے تمام مویشی دھر لئے جن میں جناب عبدالمطلب کے دوسو اونٹ بھی تھے۔(۱)

جب جناب عبدالمطلب کو معلوم ہوا کہ اس کے اونٹ بھی غارت کر لئے گئے ہیں تو انہوں نے کہا:

''ہر حال میں خدا کا شکر ہے۔ یہ اونٹ خدا کے لئے تھے اور اسی کے گھر کے مہمانوں کی ضیافت کا سامان تھے، اگر انہوں نے واپس کر دیئے تو بھی خدا کا شکر ہے اور اگر واپس نہ کئے تب بھی اللہ کا شکر ہے''۔ اس کے بعد ابرہہ مکّہ میں داخل ہوتا ہے، مروج الذہب کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابرہہ اپنی فوج کے مکّہ میں داخل ہونے کے تقریباً ایک ماہ بعد مکّہ میں داخل ہوا۔(۲)

معروف قول کے مطابق ابرہہ کا ''حناطہ'' نامی ایلچی سردار قریش کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے آپ تک آ پہنچا، کیونکہ ابرہہ نے اسے کہا تھا کہ مکّہ میں جا کر ان کے سردار کے متعلق جستجو کرو اور جب مل جائے تو اسے میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ میں تم لوگوں سے جنگ کرنے نہیں آیا، میرا مقصد صرف خانہ کعبہ کی تباہی ہے اور اگر تم نے میرے ہدف میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہ کی تو میں تم لوگوں کو کوئی گزند نہیں پہنچاؤں گا، ساتھ حناطہ سے یہ

۱۔ اکثر کتب میں یہی تعداد ہے۔ ملاحظہ ہو الکامل ج ۱ ص ۴۰۲ و طبری ج ۲ ص ۱۳۳ و دیگر کتب البتہ بعض کتب میں آتی سرخ اونٹوں کا ذکر ہے۔ ملاحظہ ہو حیات القلوب ج ۲ ص ۲۲ وغیرہ۔

۲۔ ملاحظہ ہو مروج الذہب ج ۲ ص ۲۷۴

jabirabbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

بھی کہہ دیا تھا کہ اگر معلوم ہو جائے کہ وہ لوگ جنگ کا ارادہ نہیں رکھتے تو ان کے سردار کو لے کر میرے پاس آ جاؤ، ادھر اکثریت مکہ چھوڑ چکی تھی، صرف چند گنے چنے آدمی رہ گئے تھے، جب حناطہ نے آپ کو تلاش کر کے ابرہہ کا پیغام پہنچایا تو آپ نے جواب میں کہا: "خدا کی قسم! ہم ابرہہ سے جنگ کا ارادہ ہی نہیں رکھتے اور نہ ہی ہمارے پاس اتنی طاقت ہے، یہ خدا کا گھر ہے، خدا نے چاہا تو اسے خود ہی بربادی سے بچائے گا، حناطہ نے کہا: "اب چونکہ جنگ کا ارادہ نہیں ہے تو چلیں سردار ابرہہ کے پاس چلتے ہیں"۔

جناب عبدالمطلب اس کے ساتھ جانے پر تیار ہو گئے، جب جناب عبدالمطلب ابرہہ کے پاس جانے لگے (۱) تو بعض روایات کے مطابق ذونفر یمانی کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے کسی نہ کسی طرح ابرہہ کو جناب عبدالمطلب کی شخصیت سے آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ شخص قریش کا سردار اور اس علاقے کا مہتر ہے، یہی شخص اس علاقے کے لوگوں اور جانوروں کو کھانا فراہم کئے رکھتا ہے، ابرہہ کے دل میں یہ باتیں نقش ہو گئیں، ساتھ ہی جناب عبدالمطلب کی ذاتی شخصیت اور وجاہت نے آپ کی عظمت میں بہت اضافہ کیا، یہاں تک کہ ابرہہ نے اپنے تخت سے نیچے اتر کر آپ کا استقبال کیا اور بعض روایات کے مطابق آپ کو اپنے ساتھ مسند پر بٹھایا، پھر مترجم کے ذریعہ آپ سے پوچھا کہ "آپ یہاں کس لئے تشریف لائے ہیں؟" (۱)۔

جناب عبدالمطلب نے فرمایا: "تمہاری فوج نے میرے اونٹ غارت کر لئے ہیں میں ان کی واپسی کا مطالبہ کرنے آیا ہوں"۔ چنانچہ ابرہہ نے اونٹ تو واپس کر دیئے لیکن ساتھ ہی کہا: "آپ کی نورانی شخصیت نے میری آنکھوں میں آپ کی عظمت بڑھا دی تھی لیکن آپ کی اس چھوٹی خواہش نے وہ عظمت گھٹا

۱۔ یہاں پر بھی مؤرخین اختلاف کا شکار ہوئے ہیں کہ آیا جناب عبدالمطلب اکیلے گئے تھے یا اپنے کچھ بیٹوں کے ساتھ۔ بظاہر آپ اکیلے گئے تھے لیکن طبری ج۲ ص۱۳۲ کی نقل کے مطابق آپ اپنے کچھ بیٹوں کے ساتھ گئے تھے۔

۲۔ ابرہہ کے اس سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب عبدالمطلب خود سے ابرہہ کے پاس گئے تھے، ورنہ وہ یہ سوال نہ کرتا اور یہی بات قرین قیاس لگتی ہے اور بہت سی روایات میں بھی ہے البتہ مزید تفصیلات کے لئے طبری ج۲ ص۱۳۲ تا ص۱۳۳ نیز الکامل ج۱ ص۲۰۲ ملاحظہ ہو۔

Presented by: Rana Jabir Abbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

دی ہے، میں یہاں خانہ کعبہ کو تباہ کرنے کی نیت سے آیا تھا اور اگر اس صورتحال میں تم مجھ سے واپس چلے جانے کی خواہش بھی کرتے تو شاید میں واپس چلا جاتا، اس حساس اور خطرناک موقع پر جبکہ تمہارا اور تمہارے اجداد کا معبد تباہی کے دہانے پر ہے اور تمہارے قوم وقبیلہ کی عزت اور شرافت خطرے میں ہے صرف چند اونٹوں کی خاطر یہاں آئے ہو؟ تعجب تو مجھے اس قوم پر ہوتا ہے جس نے تجھے اپنا سردار بنایا ہے!"۔

جب جناب عبدالمطلب نے یہ سنا تو آپ نے ایک تاریخی جملہ ارشاد فرمایا: "اَنَا رَبُّ الْاِبِلِ وَ لِلْبَیْتِ رَبٌّ سَیَمْنَعُہُ"(۲) "میں تو صرف اونٹوں کا مالک ہوں جبکہ اس گھر کا اپنا ایک مالک ہے، وہ خود ہی اس کی حفاظت کرے گا" ابرہہ نے یہ سن کر مغرورانہ انداز میں سر جھٹکتے ہوئے کہا: "میں یہ کام کر کے ہی رہوں گا اور مجھے اس کام سے دنیا کی کوئی بھی طاقت نہیں روک سکتی"، بہر حال، جناب عبدالمطلب نے اپنے اونٹوں کو لے کر واپسی کی راہ لی، یہاں پر بھی بعض روایات میں ملتا ہے کہ واپسی پر آپ لشکر کے ساتھ آئے ہوئے ہاتھیوں میں سے "محمود" نامی ایک ہاتھی سے مخاطب ہو کر یہ کہتے ہیں: "اے محمود! کیا تجھے معلوم ہے کہ تجھے کس مقصد کے لئے یہاں لایا گیا ہے؟"۔ اس نے نفی کی صورت میں اپنا سر ہلایا۔ پھر آپ نے کہا: "تجھے اس لئے یہاں لایا گیا ہے کہ تو اپنے رب کے گھر کو تباہ کرے، کیا تو ایسا کرے گا؟"۔ تب ہاتھی نے نفی میں جواب دیا(۱)۔

جناب عبدالمطلب واپس آ گئے اور مکہ میں چند بچے کچھے افراد کو اکٹھا کر کے انہیں پہاڑوں کی طرف چلنے اور پناہ لینے کو کہا تا کہ کسی بھی احتمالی آفت ومصیبت سے دور امان ہوں، سب لوگ مکہ چھوڑ گئے۔

آدھی رات کے وقت حضرت عبدالمطلب چند قریشیوں کو لے کر خانہ کعبہ کی طرف آئے اور پرنم آنکھوں سے

۲۔ تاریخ اور احادیث کی کتابوں میں اس سے ملتے جلتے جملے ملتے ہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ لفظ بہ لفظ نقل نہیں ہوا بلکہ اس کا مفہوم نقل ہوا ہے۔ مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو: الکامل ج۱ ص۲۰۴ وطبری ج۲ ص۱۳۴

۱۔ موسوعہ امام صادقؑ ج۲ ص۳۶ و۳۷ بنقل از کافی ج۱ ص۴۴۷ و ج۱۵ و ج۳ ص۲۲۶ ح۲ نیز سیرۂ حلبی ج۱ ص۹۷ وغیرہ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

دعا مانگی۔ مؤرخین و مفسرین نے یہاں ان کے چند اشعار بھی لکھے ہیں جن میں سے سب سے معروف اشعار یہ ہیں:

يَا رَبِّ لَا أَرْجُوا لَهُمْ سِوَاكَا   يَا رَبِّ فَامْنَعْ مِنْهُمْ حِمَاكَا

اِنَّ عَدُوَّ الْبَيْتِ مَنْ عَادَاكَا   اِمْنَعْهُمْ اَنْ يُخْرِبُوْا قِرَاكَا......

پروردگارا! ان کے شر سے بچنے کے لئے تیرے علاوہ کوئی سہارا نہیں ہے، خدایا! انہیں اپنے قرب سے دور رکھ اور اپنے حریموں کو ان سے محفوظ رکھ، کعبہ کا دشمن تیرا ہی دشمن تو ہے، اس لئے تو ہی انہیں اپنے گھر کی تباہی سے باز رکھ......۔(۱)

جب خدا سے راز و نیاز کر لیا تو دوبارہ پہاڑی پر چلے گئے، دوسرے دن جب ابرہہ نے اپنے لشکر کو بیت اللہ پر حملے کے لئے تیار کیا اور حکم دیا کہ مکہ شہر پر حملہ کر کے خانہ کعبہ کو ویران کر دیا جائے، تو سپاہیوں نے اپنے ہاتھیوں کو جتنا آگے بڑھانا چاہا، ہاتھی ٹس سے مس نہ ہوئے، وہ ہاتھیوں کو جتنا خانہ کعبہ کی طرف لے جانے کی کوشش کرتے ہاتھی اتنا ہی اپنی جگہ پر ڈٹے رہتے لیکن جب ان کا رخ دوسری جانب کرتے تو ہاتھی دوڑے چلے جاتے، یہ ان کی شکست کی پہلی نشانی تھی۔ بعض روایات میں آیا ہے:

جناب عبدالمطلب کوہ ''ابوقبیس'' پر اپنے چند ساتھیوں سمیت کھڑے یہ نظارہ دیکھ رہے تھے اور باری باری اپنے بیٹوں کو پہاڑی کی چوٹی پر بھیج کر انہیں سمندر کی جانب دیکھنے کو کہتے سب سے پہلے اپنے بڑے بیٹے حارث کو بھیجا، اس نے کوئی خبر نہیں پہنچائی، اسی طرح بھیجتے رہے لیکن کوئی بھی خبر نہ لایا تو آخر میں اپنے سب سے چھوٹے نوجوان بیٹے جناب عبداللہ علیہ السلام کو پہاڑی کی بلندی پر بھیجا اور کہا: ''جاؤ ابوقبیس پر چڑھ کر دیکھو اور مجھے بتاؤ کہ سمندر کی جانب سے تمہیں کوئی چیز آتی ہوئی دکھائی دیتی ہے؟'' جناب عبداللہ جلدی سے پہاڑی پر چڑھ گئے اور جلد ہی واپس آ کر کہنے لگے: ''سردار قوم! میں نے دریا کی جانب سے

۱۔ مزید تفصیلات ملاحظہ ہوں تاریخ و سیرت کی کتب نیز تفسیر طبری ج ۱۵ ص ۷۹۶۔ نیز تفسیر روح المعانی ج ۳۰ ص ۲۳۴

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بادل آتے ہوئے دیکھے ہیں، جو کبھی تو نیچے ہو جاتے ہیں اور کبھی اوپر ہو جاتے ہیں، اگر انہیں ابر باراں کہوں تو بھی کہہ سکتا ہوں اور اگر ابر بے باراں کہوں تو بھی یہ میرا گمان ہے، کیونکہ یہ کبھی اوپر ہو جاتے ہیں اور کبھی نیچے ہو جاتے ہیں"۔ جناب عبدالمطلب نے بلند آواز سے پکار کر کہا: "قریشیو! جلدی اپنے گھروں کی طرف لوٹ جاؤ گے کیونکہ اب خدا کی مدد آ گئی ہے"۔ پھر اپنے فرزند سے دوبارہ کہا: "بیٹا جاؤ اور بعد کے حالات سے ہمیں باخبر رکھو"۔ چنانچہ جب جناب عبداللہ نے دوبارہ یہ خبر دی کہ نامعلوم پرندوں کا ایک بہت بڑا جھنڈ مکّہ کی طرف آ رہا ہے، جس کی چونچ میں بھی کنکریاں ہیں اور پنجوں میں بھی"۔ تو جناب عبدالمطلب نے کہا: "رب کعبہ کی قسم! یہ اس لشکر کو مارنے کا ارادہ رکھتے ہیں"۔ پھر آپ یہ کہتے ہوئے باہر نکلے کہ: "اے مکّہ والو! مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے لشکر کی طرف بڑھو!"۔ پرندے جن کی چونچ اور ہر پنجے میں ایک ایک کنکر تھے لشکر ابرہہ پر ٹوٹ پڑے اور ہر سپاہی کو ایک کنکر مارا، جس پر بھی وہ کنکر پڑتا اس کے آر پار ہو جاتا تھا۔ اگر سر پر پڑتا تو نیچے سے نکل جاتا اور ان کے سروں کو شگافتہ اور گوشت کو گلا کر بدن سے جدا کر دیتا۔ یہ صورتحال دیکھ کر ابرہہ کی فوج میں بھگدڑ مچ گئی اور سپاہیوں کو جان کے لالے پڑ گئے، وہ اپنی جان بچانے کے لئے ادھر ادھر دوڑے اور خود ابرہہ کو بھی اپنی جان کی فکر لاحق ہوئی۔

جب جناب عبدالمطلب اور اہل مکّہ، ابرہہ کے لشکر کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ سب سپاہی بوسیدہ اور چھائے ہوئے بھوسے کی مانند تڑپے مڑے مرے پڑے تھے(۱) کہتے ہیں کہ جناب عبدالمطلب اس عرصے میں خداوند عالم کی بارگاہ میں تضرع اور زاری میں معروف تھے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور اقدس کے وسیلہ سے اس حملے کی مصیبت سے چھٹکارا حاصل کرنے کی دعا مانگ رہے تھے(۲)۔ پھر

۱۔ موسوعہ امام صادقؑ ج ۶ ص ۴۱۔ البتہ قرآن مجید میں لفظ "کعصف مأکول" آیا ہے جس کے معنی چبائے ہوئے پتے یا بھوسے کے ہیں۔

۲۔ حیات القلوب ج ۲ ص ۲۴۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

لشکر ابرہہ کی نابودی کے بعد دوسرے لوگ تو مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے لیکن جناب عبدالمطلب نے کعبہ کے پردوں سے اپنے آپ کو لپٹا لیا اور خدا سے راز و نیاز کرنے لگے، اس بارے میں انہوں نے چند اشعار بھی کہے جو مختلف کتابوں میں نقل ہیں(۱)۔ یہ واقعہ اتنی اہمیت کا حامل تھا کہ خداوند عالم نے اس بارے میں سورۂ فیل کے نام سے ایک مکمل مگر مختصر سورہ اپنے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ پر نازل کی، جسے ہم بطور دلیل اور تبرک ذیل میں نقل کیے دیتے ہیں:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ. اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ. وَ اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ. تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ. فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ.

ترجمہ: بنام خدائے رحمان و رحیم۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ کیا ان کی چال کو بے کار نہیں کر دیا؟ اور ان پر اڑتی ہوئی ابابیل (۲) کو بھیجا جو انہیں کھرنجوں کی کنکریاں مار رہی تھیں۔ پھر انہوں نے ان سب کو چبائے ہوئے بھوسے کی مانند بنا دیا۔

واقعہ فیل کے واقع ہونے کے بارے میں کسی قسم کی تردید کی گنجائش نہیں ہے مگر اس سلسلہ میں جو چند اقوال اور روایات ہم نے بطور نمونہ پیش کی ہیں ان میں حقیقت سے زیادہ افسانوی رنگ نمایاں اور بہت سی بے سروپا باتیں پائی جاتی ہیں جن کا تنقیدی جائزہ لینے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ اس قدر واضح ہیں کہ معمولی سی دقت بھی ان کا پردہ فاش کرنے کے لیے کافی ہے

۱۔ ملاحظہ ہو موسوعہ امام صادق ج ۱ ص ۱۴۱ منقول از امالی شیخ طوسی۔

۲۔ البتہ ابابیل کا اصل معنی متفرق گروہ اور پرندوں کا جھنڈ ہے۔ اسی لئے مؤرخین اور محدثین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے کہ وہ کونسے پرندے تھے، البتہ ہماری زبان میں ایک خاص قسم کے پرندے کو بھی ابابیل کہتے ہیں۔ مزید تفصیلات ملاحظہ ہوں حیات القلوب ج ۲ ص ۲۱ سے آگے۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جناب عبداللہ بن عبدالمطلب:

حضرت عبداللہ کی والدہ محترمہ کا نام فاطمہ بنت عمر بن عائذ بن عمران ابن مخزوم ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب میں جن پانچ فواطم کا ذکر ہے ان میں سے ایک یہ ہیں (۱) جناب مطلب کی پانچ بیٹیاں، جناب ابو طالب، جناب عبداللہ اور زبیر بن عبدالمطلب اسی باعظمت خاتون سے پیدا ہوئے۔

جناب عبداللہ کی کنیت ابوقثم، ابومحمد اور ابواحمد ہے، جناب عبداللہ اپنے سب بھائیوں میں سے ممتاز مقام کے حامل تھے اور اپنے والد کے نور نظر اور تمام بھائیوں میں سب سے زیادہ خوبصورت اور باوجاہت تھے۔

حضرت عبداللہ دیگر قریشیوں کی طرح تجارت کیا کرتے تھے، حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد قول معروف کی بنا پر چوبیس سال (۲) کی عمر میں تجارتی قافلے کے ساتھ شام گئے ہوئے تھے، شام سے واپسی پر (۳) ان کی طبیعت ناساز ہوئی تو انہوں نے قافلے والوں سے جدا ہو کر مدینہ میں "بنی عدی بن النجار" کے "دارالنابغہ" کے نام سے معروف گھر میں ایک ماہ کے قریب قیام کیا اور اسی بیماری میں ہی وفات پا گئے اور وہیں دفن ہوئے۔

واقدی کے بقول جب آپ دارالنابغہ میں داخل ہوں تو بائیں طرف "دارالصغریٰ" نامی جگہ ہے وہیں جناب عبداللہ کا مدفن ہے (۴)۔ آپ نے ترکہ میں "ام الایمن" نامی ایک کنیز، پانچ اونٹ اور بکریوں کا ایک ریوڑ چھوڑا۔ (۵) جناب عبداللہ کی تاریخ وفات کے بارے میں اختلاف ہے بعض مورخین آنحضرتؐ کی ولادت سے پہلے اور بعض آپؐ کی ولادت کے بعد قرار دیتے ہیں۔

تاریخی منابع میں جناب عبداللہ کی زندگی کی طرف زیادہ اشارہ نہیں کیا گیا اور اس سلسلہ میں جو

۱۔ الکامل ابن اثیر ج۲ ص۲۲ ترجمہ تاریخ یعقوبی ج۱ ص۵۲۰۔

۲۔ بعض منابع میں پچیس سال بھی ذکر ہوا ہے البتہ یہ معمولی فرق شمار کیا جاسکتا ہے، جبکہ سیرہ حلبی ج۱ ص۶۲ میں شادی کی عمر اٹھارہ سال

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مختصر واقعات نظر آتے ہیں وہ حقیقت کے بجائے قصہ گو حضرات کی کارستانیاں زیادہ معلوم ہوتے ہیں چنانچہ نذر حضرت عبدالمطلب، ایک عورت کا نا مشروع تقاضا وغیرہ اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

☆☆☆

jabir.abbas@yahoo.com

اور وفات ایک سال بعد ۱۹ سال مرقوم ہے جو کہ شہرت کے خلاف ہے۔ البتہ بعض نے وقت وفات آپ کی عمر بیس اور اٹھائیس سال بھی لکھی ہے تاریخ یعقوبی ج ۱ ص ۹

۳۔ بعض منابع میں یہ کہا گیا ہے کہ جناب عبداللہ صرف مدینہ تک گئے تھے۔ لیکن تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۶۵ واقدی سے منقول بیان ہے کہ اس بات پر اتفاق ہے کہ جناب عبداللہ شام سے واپسی پر مدینہ میں مریض ہو کر فوت ہوئے۔ جبکہ بعض روایتوں میں شام کے بجائے غزہ کا ذکر ہوا ہے لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ غزہ بھی ان دنوں شام کا حصہ شمار ہوتا تھا

۴۔ تاریخ طبری ج ۲ ص ۶۵

۵۔ بحار الانوار ج ۱۵ ص ۱۲۴۔ ۱۲۵ نیز سیرۃ حلبی کا پہلا ج ۱ ص ۸۴۔ ۸۵ وغیرہ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

دوسری فصل

ولادت سے جوانی تک

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت

بزرگ ہستیوں کی تاریخ ولادت، بچپن کے واقعات، جسامت، ذاتی زندگی، شادی وغیرہ ان کے درخشاں کارناموں پر اثر انداز نہیں ہوتے اور محققین کی تحقیق کا محور بھی ان کا کلام و کردار اور معاشرے پر ان کے اثرات ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود محقق کو چاہیے کہ روایات کی جرح و تعدیل کرتے ہوئے مورخین کے اقوال کو نقل کرے اور اس تاریک گوشے کو نمایاں کرے کیونکہ یہ بظاہر معمولی بحثیں تاریخ کے الجھے ہوئے مسائل حل کرنے میں کلیدی کردار ادا کرتی ہیں۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت با سعادت کے متعلق بہت زیادہ اختلاف ہے(۱) البتہ جس پر اکثر مورخین اور سیرت نگاروں کا اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت عام الفیل ۵۷۰ عیسوی میں ہوئی، اس لئے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ۶۳۲ عیسوی میں ہوئی اور وقت انتقال آپ کی عمر مبارک تقریباً ۶۳ سال تھی اس حساب سے آپ کی ولادت باسعادت ۵۷۰ء میں ہوگی (۲)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کے مہینے میں بھی اکثر مورخین کا اتفاق ہے کہ ربیع الاول میں ہوئی ہے، البتہ روز ولادت کے بارے میں اختلاف ہے لیکن ان میں سے دو اقوال

---

(۱) سیرۂ حلبی ج۱ ص۹۳ و سیرۂ زینی دحلان و دیگر کتب۔

(۲) فروغ ابدیت ج۱ ص۱۵۱۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

زیادہ سنے جاتے ہیں:

۱۔ بارہ ربیع الاوّل: اہل سنت کے نزدیک یہ مشہور و معروف قول ہے جبکہ شیعوں میں سے ثقۃ الاسلام کلینیؒ نے بھی اپنی کتاب میں اس قول کو ذکر کیا ہے۔(۱)

۲۔ سترہ ربیع الاوّل: اکثر شیعہ امامیہ کے نزدیک متفقہ قول ہے البتہ اہل سنت میں سے بھی بعض علماء اس قول کو تسلیم کرتے ہیں۔(۲)

اہل سنت کے نزدیک پیر کے دن جبکہ شیعوں کے نزدیک جمعہ کے دن آپ کی ولادت باسعادت ہوئی ہے۔

صحیح تاریخ ولادت کون سی ہے:

اگر کسی شخص کے متعلق جستجو کرنا ہو اور اس کی بائیو گرافی لکھنا مقصود ہو تو یا تو خود اس شخص سے اس کے متعلق پوچھا جاتا ہے اور یا اس کے قریب ترین افراد سے اس کے متعلق سوال کیا جاتا ہے، سب سے قریب ترین افراد گھر کے اندر رہنے والے اور اس کے اقارب ہوتے ہیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقارب آپؐ کے اہلبیت علیہم السلام خاص کر آپ کی اولاد ہے یعنی اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے متعلق جستجو کرنا ہو تو اختلاف کی صورت میں آپؐ کے اہلبیت علیہم السلام کی طرف رجوع کیا جائے گا کیونکہ "أَهْلُ الْبَيْتِ أَدْرَىٰ بِمَا فِي الْبَيْتِ" گھر والے ہی گھر کے اندر کے حالات سے بخوبی واقف ہوتے ہیں، اسی طرح اہلبیت علیہم السلام بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کے لمحے لمحے سے واقف تھے اور ان کی اکثر روایات کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخ ولادت ۱۷ ربیع الاوّل بروز

۱۔ اصول کافی ج۱، ابواب التاریخ، باب مولد النبیؐ ووفاتہ۔

۲۔ ملاحظہ ہو: بحار الانوار باب التاریخ ولادتہ، سیرہ حلبی ج۱ ص۹۳۔ الصحیح من سیرۃ النبیؐ ج۲ ص۱۴ البتہ دس ربیع الاول اور آٹھ ربیع الاول کے اقوال بھی اس بارے میں ہے سیرہ حلبی ج۱ ص۹۳۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جمعۃ المبارک طلوع فجر کے وقت ہے۔(۱)

محل ولادت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

آپؐ مکہ میں، شعب ابی طالب میں "صفا" پہاڑی کے نزدیک حجاج بن یوسف ثقفی کے بھائی محمد بن یوسف ثقفی کے نام سے مشہور گھر میں پیدا ہوئے، جسے محمد بن یوسف ثقفی نے جناب عقیل بن ابی طالب سے خریدا تھا، اسی گھر میں جناب زہرا سلام اللہ علیہا کی ولادت باسعادت ہوئی تھی بعد میں اسے ہارون رشید کی ماں خیزران یا بیوی زبیدہ نے خرید کر مسجد میں تبدیل کر دیا تھا، جس میں لوگ نماز پڑھتے بھی تھے اور اسکی زیارت بھی کرتے تھے،(۲) اور آج کل یہ مبارک گھر ایک لائبریری کی صورت میں مکہ میں موجود ہے۔

jabir.abbas@yahoo.com

وقت ولادت آپ کا طالع

ماہر فلکیات اور حرکت سیارگان سے دلچسپی رکھنے والے حضرات بھی اس طریقہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کا دن معلوم کر سکتے ہیں، اسی لئے قدیم کتب سیرت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طالع قید تحریر کیا گیا ہے ہم بھی انہی کتابوں سے آپ کا طالع اقدس نقل کیے دیتے ہیں۔

تاریخ یعقوبی میں وقت ولادت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طالع اقدس لکھا ہوا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طالع جس میں آپؐ پیدا ہوئے برج میزان تھا، زہرہ کے ۲۲ درجے پر جب کہ مشتری، عقرب میں تین درجے اور ۲۳ منٹ پر تھا، زحل، عقرب میں ۶ درجے اور ۲۳ منٹ رجعت پر تھا، جبکہ یہ دونوں اپنے دوسرے طالع میں تھے، سورج، حمل میں پہلے منٹ پر تغییر طالع میں تھا۔ زہرہ، حمل میں ایک درجہ اور ۵۶ منٹ، عطارد، حمل میں بارہ درجے اور چودہ منٹ جبکہ چاند درمیان آسمان برج سرطان میں ایک درجہ اور ۲۰ منٹ پر تھا، جبکہ خوارزمی کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے دن سورج ایک درجہ ثور میں، قمر ۱۲ درجے اور دس منٹ برج اسد میں، زحل ۹ درجے اور ۴۰ منٹ پر عقرب میں بوقت رجعت، مشتری ۲ درجے اور ۱۰ منٹ پر عقرب میں بوقت رجعت، مریخ ۲ درجے اور پچاس منٹ پر سرطان میں، جبکہ زہرہ ۱۲ درجے اور ۱۰ منٹ پر ثور میں تھے، از تاریخ یعقوبی ج ۱ ص ۳۲۷ نیز سیرہ حلبیہ ج ۱ ص ۸۷ و دیگر کتب۔

۱۔ اس ضمن میں فروغ ابدیت از جعفر سبحانی ج ۱ ص ۱۵۱ میں ایک واقعہ درج ہے شائقین مراجعہ فرمائیں۔

۲۔ ملاحظہ ہو تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۱۵۶ تصحیح من سیرۃ النبی الاعظم ج ۲ ص ۶۸ ، کافی ج ۱ باب مولد النبی حیاۃ القلوب ج ۱ ص ۶۹ تفصیلات کے لئے دیکھئے اعیان الشیعہ ج ۱ ص ۲۱۹ دار التعارف للمطبوعات بیروت و دیگر کتب

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

وقت ولادت واقعات:

تاریخ اسلام کا شاید ہی کوئی ایسا باب ہو جو خیال پرواز قصہ گو لوگوں اور جاعلین کی دست برد سے محفوظ رہا ہو، چنانچہ ولادت پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ضمن میں بھی ایسے بہت سے واقعات اور قصص نقل ہوئے ہیں چنانچہ بطور نمونہ چند واقعات قارئین کے لئے پیش کرتے ہیں:

حسان بن ثابت سے منقول ہے کہ: "خدا کی قسم! میں سات یا آٹھ سالہ نوجوان لڑکا تھا اور جو چیز سنتا تھا اسے سمجھتا بھی تھا، میں نے اس وقت دیکھا کہ مدینہ کے قلعوں میں سے ایک قلعے سے ایک یہودی دوسرے یہودیوں کو پکار رہا تھا: "اے یہودیو!" جب سب یہودی قلعہ کی دیوار کے پاس جمع ہو گئے اور اس سے پوچھا: "کیا بات ہے؟" تو کہا: "جان لو کہ جس ستارے کے طلوع سے احمد نے پیدا ہونا تھا وہ گذشتہ رات طلوع ہو گیا ہے" (۱)۔

بعض کتب میں منقول ہے کہ شہر مکہ میں یوسف نامی ایک یہودی رہتا تھا، جب اس نے ستاروں کی حرکت کو دیکھا تو اپنے آپ سے کہا: "یہ آسمانی دگرگونیاں اس پیغمبر کی وجہ سے ہیں، جس کے متعلق ہماری کتابوں میں مذکور ہے کہ جب وہ پیدا ہوگا تو شیاطین کو مار بھگا دیا جائے گا اور آسمان پر جانے سے ممنوع ہو جائیں گے، جب صبح ہوئی تو قریشیوں کی ایک محفل میں (جس میں ہشام و ولید فرزندان مغیرہ، عاص بن ہشام، ابوزہرہ بن ابی، اور عتبہ بن ربیع وغیرہ موجود تھے) سے آکر سوال کرتا ہے: "گذشتہ شب تمہارے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے؟"۔ انہوں نے کہا: "نہیں!" اس نے کہا: "توریت کی قسم! وہ پیدا ہو چکا ہے اور آخری پیغمبر ہے (جس کا نام احمد ہے اہل کتاب خصوصاً یہودیوں کی ہلاکت اسی کی وجہ سے ہوگی شاید آپ مطلع نہ ہوں) اگر یہاں متولد نہیں ہوا تو یقیناً فلسطین میں متولد ہوا ہے۔

جب یہ گفتگو ہو چکی اور قریشی اس گفتگو کے بعد متفرق ہو کر اپنے گھروں کو گئے تو انہوں نے یہ ماجرا

۱۔ سیرہ حلبی ج ۱ ص ۱۱۔ زندگانی حضرت محمد ص ۵۶

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اپنی عورتوں اور خاندان والوں کو سنایا تو انہوں نے کہا: "ہاں کل رات عبداللہ بن عبدالمطلبؑ کے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے" انہوں نے یہ بات اس یہودی یوسف تک پہنچائی وہ پوچھتا ہے: "کیا میرے پوچھنے سے پہلے پیدا ہوا ہے یا بعد میں؟"۔ انہوں نے کہا: "اس سے پہلے!" اس نے کہا اس مولود کو مجھے دکھاؤ، قریشی اسے حضرت آمنہ (س) کے گھر کے دروازے پر لائے اور حضرت آمنہ (س) سے کہا: "اپنے فرزند کو دکھلاؤ، یہ یہودی اسے دیکھنا چاہتا ہے"۔

حضرت آمنہ (س) نے فرمایا: "خدا کی قسم! میرا فرزند دوسرے عام بچوں کی طرح پیدا نہیں ہوا، آسانی سے متولد ہوا ہے اس نے آتے ہی ہاتھوں کو زمین پر رکھتے ہوئے سر کو آسمان کی طرف بلند کیا، اس سے ایسا نور ساطع ہوا جس میں، میں نے بصریٰ اور شام کے محلات دیکھے اور ہاتف غیبی سے آواز آئی کہ آپ سے سیدالبشر متولد ہوا ہے پس یہ کہو: "اُعِیْذُہٗ بِالْوَاحِدِ مِنْ شَرِّ کُلِّ حَاسِدٍ" اور اس کا نام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکھیں، بچے کو باہر لایا گیا، یوسف یہودی نے آپؐ کے کاندھے سے کپڑا اٹھایا تو اس کی نگاہ آپؐ کی شانہ اقدس کے سیاہ تل پر پڑی، اس وقت قریشیوں نے اسے دیکھا کہ اس یہودی پر غشی کی حالت طاری ہونے لگی اور وہ بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑا، قریشی تعجب کرتے ہوئے ہنس پڑے، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت آمنہ (س) کے سپرد کیا اور کہا: "خدا آپ کو یہ بچہ مبارک کرے"۔ جب وہ ہوش میں آیا تو انہوں نے اس سے پوچھا کہ کیا ہو گیا تھا، اس نے جواب میں کہا کہ تاقیامت بنی اسرائیل سے نبوت منقطع ہو گئی ہے۔ "وہ ہنس پڑے" تو یہودی نے کہا: "تم ہنستے ہو؟ تمہیں جان لینا چاہئے کہ یہ پیغمبر، صاحب تلوار ہے جو تمہارے ہی اوپر تلوار اٹھائے گا، خدا کی قسم! تمہارے اوپر ایسا غلبہ پائے گا کہ مشرق و مغرب والے اسے یاد رکھیں گے"۔ اس وقت ابوسفیان نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا: "وہ صرف اپنے شہر کے لوگوں پر ہی غلبہ پائے گا" (۱)۔

۱۔ تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۲۳۰، مناقب آل ابی طالب ج ۱ ص ۵۰، مدرکاتی حضرت محمدؐ ص ۵۶ نیز حیات القلوب و دیگر کتب۔ چونکہ احادیث میں واقعہ ملتا جلتا ہے اس لئے ایک جگہ ذکر کر دیا گیا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

منقول ہے کہ اس شب ایک زوردار زلزلہ آیا جس نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، یہاں تک کہ تمام کلیسا اور چرچ وغیرہ تباہی کی لپیٹ میں آ گئے، خدا کے گھر کے علاوہ ہر وہ چیز جس کی پوجا کی جاتی تھی، وہ اپنی جگہ پر نہ ٹھہر سکی، تمام جادوگر اور کاہن بھی سرگرداں ہو گئے اور ان کے چیلے بھی قید کر لیے گئے اور ایسے ایسے ستارے ابھرے جنہیں اس رات سے قبل نہیں دیکھا گیا تھا، فارس کا آتشکدہ جو ہزار برسوں سے نہیں بجھا تھا، اس رات بجھ گیا (۱) تمام بت منہ کے بل گر گئے اور کوئی بھی اپنی جگہ نہ ٹھہر سکا تھا (۲)۔ اسی طرح ایران کے بادشاہ کسریٰ (۳) ''انوشیروان'' کا محل جو کئی سالوں کی محنت کے بعد بڑی مشکل سے تیار کیا گیا تھا اور جس میں کدال اور تیشے وغیرہ بھی کارگر نہ تھے، دراڑیں پڑ گئیں اور اس کے چودہ کنگرے گرے (۴)۔ فارس کے مؤبدوں یا مؤبدان مؤبد (۵) نے خواب میں دیکھا کہ عربی اونٹ فارس کے سرکش گھوڑوں کو ہانک رہا ہے، یہاں تک کہ وہ دریائے دجلہ عبور کر کے ساری دنیا میں پھیل گئے، خسرو انوشیروان اس حالت سے ڈرا اور گھبرا گیا اور نعمان کی طرف آدمی بھیجا اور پوچھا کہ کیا عربوں کی پیشین گوئی کرنے والوں میں سے کوئی رہا بھی ہے؟ تو اس نے کہا کہ: ''ہاں شام کے شہر میں سطیح غسانی ہے'' تو اس نے کہا: ''پھر عرب کے کسی بزرگ عاقل کو میرے پاس بھیجو تا کہ میں اسے اس کے پاس بھیجوں'' نعمان نے عبدالمسیح بن بقیلہ کو انوشیروان کے پاس بھیجا اور اس نے اسے سطیح کے پاس بھیجا، عبدالمسیح تیز رفتار اونٹ پر سوار ہو کر دمشق پہنچا اور اس کے متعلق دریافت کیا تو اسے معلوم ہوا کہ اس کا گھر باب الجابیہ میں ہے، وہاں گیا تو اسے

۱۔ تاریخ یعقوبی ج۲، سیرۂ حلبی ج۱ ص۱۱۹ اور دیگر کتب۔

۲۔ زندگانی حضرت محمدؐ ص ۵۵۔ اس سلسلہ میں سیرۂ حلبی ج۱ ص ۱۲۲ پر ایک روایت جناب عبدالمطلب سے ہے کہ میں کعبہ میں تھا کہ کعبے کے تمام بت منہ کے بل گر پڑے اور دیوار کعبہ سے یہ آواز بلند ہوئی: ولد المصطفی المختار الذی تهلک بیده الکفار و یطهر من عبادة الاصنام و یامر بعبادة الملک العلام.

۳۔ کسریٰ خسرو کا معرب ہے جس کا معنی بادشاہ ہے۔ عرب تمام ایرانی بادشاہوں کو کسریٰ کہتے تھے، یہ ساسانی بادشاہوں کا لقب تھا۔ بہر حال ایرانی باشاہوں کا لقب خسرو یا کسریٰ ہے۔ فرہنگ عمید۔

۴۔ سیرۂ حلبی ج۱ ص ۱۱۸-۱۱۹، و زندگانی حضرت محمدؐ ص ۵۲۔

۵۔ زرتشت یعنی پارس کے روحانی پیشوا کو مؤبد کہا جاتا تھا۔ جمع مؤبدان ہے اور سب سے بڑے پیشوا کو مؤبد یا مؤبدان کہا جاتا تھا۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

زندگی کی آخری سانسوں میں پایا۔اس نے بلند آواز کے ساتھ اس کے کانوں میں کہا: "اصم ام تسمع غطریف الیمن ،یا فارج القربة اعیت من و من ـوفاصل الخطبة فی الامر العنن ـاتاك شیخ الحیّ من آل یزن".

اے یمن کے بزرگوار سردار!ابھی تک سن رہے ہیں یا پھر بہرے ہو گئے ہیں؟اے ہمارے مشکل کشا!ایک سخت معاملہ درپیش ہے،جس نے سب کو عاجز کیا ہوا ہے،اے درپیش مشکلات میں پر قدرت اور اٹل فیصلہ کرنے والے!یزن کے قبیلے سے ایک بزرگ آپ کے حضور حاضر ہے،جب سطیح نے یہ سنا تو اس نے کہا: "عبد المسیح علی جمل مشیخ نحو سطیح حین اشفی علی الفریح بعثک ملک بنی ساسان بهدم الایوان و خمود النیران و رؤیا المؤبزان ـرای ابلاّ عرابا تقود خیلا سعابا حتّی قطعت دجلة وانتشرت فی البلاد............"

عبدالمسیح آیا،تیز رفتار اونٹ پر آیا،سطیح کی طرف آیا،وقت احتضار آیا،ساسانی بادشاہ کا پیغام لایا،ایوان کسریٰ کی بربادی،آتش کدہ کی خاموشی اور ساتھ موبدوں کے خواب دیکھنے کی خبر لایا،جس میں عربی اونٹ سرکش گھوڑوں کو کھینچ لایا،یہاں تک کہ دجلہ کو کاٹ کر پوری دنیا کو زیر نگین لایا،اے ذی یزن کے بیٹے ناگوار واقعات درپیش ہیں اور کنگروں کی تعداد میں بادشاہ اور ملکائیں مریں گی،جب ساوہ کا دریا سوکھ جائے گا اور تہامہ(۱) کی زمین میں تلاوت قرآن ہوگی اور صاحب عصا(۲) ظاہر ہوگا تو تب شام میں سطیح کے لئے ٹھکانہ نہیں رہے گا(۳) یہ کہہ کر وہ مرگیا(۴)۔

۱۔تہامہ،مکہ اور اس کے ساتھ حجاز کے جنوبی علاقوں کو کہا جاتا ہے۔

۲۔پیامبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسلامی صحیفوں میں ایک لقب صاحب الهراوة یعنی صاحب عصا بھی ہے۔

۳۔یعنی کاہنوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہے گا۔

۴۔تاریخ یعقوبی ج۱ص۲۳۹وسیرۃ الحلبی ج۱ص۱۲۰۔۱۲۳،ومناقب آل ابی طالب ج۱ص۳۹ودیگر کتب۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اسی رات ابلیس نے شیطانوں اور اپنے چیلوں کو پکار کر اپنی مدد کے لئے بلایا، جب وہ اس کے اطراف میں اکٹھے ہو گئے تو اس نے ان سے کہا: "وائے ہو تم پر! میں شام سے اب تک آسمانوں اور زمینوں کے حالات تبدیل ہوتے دیکھ رہا ہوں اور یقینی طور پر کوئی ایسا عظیم حادثہ رونما ہوا ہے جو عیسیٰ ابن مریمؑ کی ولادت سے ابھی تک رونما نہیں ہوا، ابھی پھیل جاؤ اور ڈھونڈو کہ کیا واقعہ ہو گیا ہے؟"۔ وہ ادھر ادھر بکھر گئے لیکن پھر بعد میں واپس آ کر کہتے ہیں: "ہمیں کوئی نئی چیز نہیں ملی ہے!"۔ ابلیس نے کہا: "یہ صرف میرا ہی کام ہے"۔ اس کے بعد وہ جستجو میں لگ گیا، یہاں تک کہ وہ حرم تک پہنچا اور دیکھا کہ فرشتوں نے اسے گھیرا ہوا ہے اس نے حرم میں داخل ہونا چاہا تو فرشتوں نے للکار کر اسے داخل ہونے سے منع کر دیا، وہ غار حرا کی جانب گیا اور وہاں سے چڑیا کی شکل میں حرم میں داخل ہونا چاہا تو جبرائیل نے اسے دھمکایا کہ "اے خدا کی رحمت سے محروم! یہاں سے دفع ہو جاؤ"۔ ابلیس نے کہا: "جبرائیل! میں تم سے ایک سوال پوچھتا ہوں" فرمایا پوچھو! کہا: "کل رات سے اب تک زمین میں کونسا نیا واقعہ رونما ہوا ہے؟"۔ فرمایا: "محمد (ص) اس دنیا میں تشریف لائے ہیں"۔ شیطان نے پوچھا: "اس میں میرا کوئی حصہ ہے؟"۔ فرمایا: "نہیں"۔ پوچھا "کیا اس کی امت میں؟"۔ فرمایا: "ہاں"۔ شیطان نے جب یہ سنا تو کہا: "اب میں خوش اور راضی ہوں" (۱) اس کے علاوہ اس قسم کے بہت سے بے سروپا واقعات تاریخ وسیر کی کتب میں موجود ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے گرامی:

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام نامی "محمد" تھا، معروف یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اسم مبارک آپؐ کے جد امجد جناب عبدالمطلب نے ساتویں روز رکھا اور اسی دن عقیقہ میں ایک بھیڑ بھی ذبح کی۔ (۲) البتہ چونکہ عربوں کی ایک عادت یہ تھی کہ ایک شخص کے کئی کئی نام ہوتے تھے، اسی لئے آپؐ کے

۱۔ زندگی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۵۶، مناقب آل ابی طالب ج ۱ ص ۵۲ دیگر کتب ملاحظہ ہوں

۲۔ سیرہ حلبی ج ۱ ص ۷۸

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بھی مختلف اسماء بیان ہوئے ہیں، حتیٰ کہ قرآن مجید میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کئی اسماء بیان ہوئے ہیں، راویوں اور مفسرین کے مطابق قرآن مجید میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کم از کم دس نام بیان ہوئے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ محمدؐ: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ (۱) "اور محمدؐ تو صرف ایک رسول ہیں جن سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں" اور ﴿مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ (۲)۔ "محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کفار کے لیے نہایت سخت ترین اور آپس میں انتہائی رحم دل ہیں"۔

۲۔ احمدؐ: ﴿وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ﴾ (۳)۔ "اور اپنے بعد ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں جس کا نام احمدؐ ہے۔"

۳۔ عبداللہ: ﴿وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا﴾ (۴) "اور جب بندہ خدا" حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "عبادت کے لیے کھڑا ہوتو قریب تھا کہ لوگ اس کے گرد ہجوم کر کے گر پڑتے"

۴۔ طٰہٰ (طاہا): ﴿طٰهٰ، مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقٰى﴾ (۵) "طٰہٰ، ہم نے

۱۔ آل عمران/۱۴۴
۲۔ فتح/۲۹
۳۔ صف/۶
۴۔ جن/۱۹
۵۔ طٰہٰ/۱-۲

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپؐ اپنے آپ کو زحمت میں ڈال دیں۔"

۵۔ یٰس (یاسین): ﴿یٰسٓ، وَ الْقُرْآنِ الْحَکِیْمِ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ﴾

(۱) "یٰس، قرآن حکیم کی قسم کہ آپ مرسلین میں سے ہیں۔"

۶۔ مزمل: ﴿یَا اَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ۔قُمِ اللَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا﴾ (۲) "اے چادر لپیٹنے والے رات کو اٹھو مگر کم۔"

۷۔ مدثر: ﴿یَا اَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَ رَبَّکَ فَکَبِّرْ وَثِیَابَکَ فَطَهِّرْ﴾ "اے میرے کپڑا اوڑھنے والے اٹھو اور لوگوں کو ڈراؤ اور اپنے رب کی بزرگی کا اعلان کرو" (۳)

۸۔ رسول: ﴿قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْکُمْ ذِکْرًا رَّسُوْلًا یَتْلُوْا عَلَیْکُمْ آیَاتِ اللّٰهِ﴾ (۴) "اے ایمان والو بے شک اللہ نے تمہاری طرف ذکر کو نازل کیا ہے اور وہ رسول بھیجا ہے جو اللہ کی واضح آیات تلاوت کرتا ہے۔"

تاریخ اور سیرت نگاروں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کئی اور اسماء بھی تحریر کئے ہیں بلکہ بعض نے توریت، انجیل اور زبور سے بھی آپؐ کے مختلف اسماء نقل کئے ہیں۔ (۵)

۱۔ یٰس ۱/۱،۳۔

۲۔ مزمل ۱/۱ ۔

۳۔ مدثر ۱/۱ ۔

۴۔ طلاق ۱۰، ۱۱۔

۵۔ اس بارے میں مزید ملاحظہ ہو: نہایۃ الارب ج۱ باب اسماء النبیؐ ، موسوعۃ امام صادقؑ ج۶ ص۶۴ باب ۱۹ اسماء، بحار الانوار ج۱۶ ص۱۰۱ ، نیز کتاب تاریخ نبوتا (ص) باب اسماء و القاص ۸۲ تا ۱۲۰ و دیگر متعلقہ کتب۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

توریت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم مبارک معروف قول کی بنا پر "موذ"، "حاذ" اور "احید" ہے، زبور میں "ماحی"، "طاب طاب" اور "فارقلیط" نقل کیا گیا ہے اور انجیل میں آپ کا نام فارقلیط اور "احمد" وغیرہ ذکر ہوا ہے۔

سیرت نگاروں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسماء مبارک کو خداوند عالم کے اسماء کی طرح ننانوے بلکہ اس سے بھی زیادہ بیان کیا ہے ان میں سے اکثر کو ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

"ماحی، حاشر، موقف، عاقب، مقفی، قثم، داعی، نذیر، بشیر، فاتح، خاتم، کافی، شاهد، شهید، مبشر، سراج منیر، رحمة للعالمین، نبی، امّی، نور، نعمة، رؤف رحیم، منذر، مذکّر۔

شمس، نجم، حمٓ، سماء، تین، قائد، صفی الله، مصطفی، مجتبیٰ، حبیب الله، شفیع المشفع، متقی، صالح، طاهر، مهیمن، صادق، ضحوک، قتّال، سید ولد آدم، سید المرسلین، امام المتقین۔

قائد الغر المحجلین، خلیل الرحمن، صاحب الحوض المورود واللواء المقصود والشفاعة والمقام المحمود، صاحب الوسیلة والفضیلة والدرجة الرفیعه، صاحب التاج والمعراج۔

راکب البراق والناقة والنجیب، صاحب الحجة والسلطان والخاتم والعلامة والبرهان اور صاحب الهراوة والنعلین" صلی الله علیه وآله وسلم۔ (۱)

آپ کا اصل نام محمدؐ اور احمدؐ ہے جس کی قرآن مجید میں تصریح کی گئی ہے، یا زیادہ سے زیادہ دس

۱۔ ان اسماء اور تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو: نہایۃ الارب ج ۱۶ (ترجمہ فارسی) باب اسماء النبی ص ۸۰ تا ۸۸، اعلام الوریٰ ج ۱ ص ۴۸ فصل ثانی "فی ذکر اسماۂ"، موسوعۃ امام الصادق ج ۶، باب ۹ "اسماؤہ" ص ۶۱ تا ۶۵ و دیگر کتب۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اسماء ہیں، جن کا ذکر اکثر روایات میں ہوا ہے اور استدلال قرآن مجید میں بھی کیا گیا ہے، باقی تمام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات اور القابات ہیں، جن میں سے بعض قرآن مجید میں بھی ذکر ہوئے ہیں، اگر آیات و روایات اور ماثور دعاؤں میں مذکور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے القابات اور صفات کے متعلق یہ کہا جائے کہ یہ آپؐ کے اسماء ہیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے پس ہو سکتا ہے کہ آپؐ کے اسماء ننانوے سے بھی زیادہ ہوں، اس لئے کہ گوہر مقصود وہی یتیم عبداللہ ہے جو تا قیامت پوری دنیا کے اہل نظر کے افکار اپنی جانب متوجہ رکھے گا اور جس کا دین تا قیامت زندہ رہے گا۔ خدا ہمیں بھی آپؐ کے سچے پیروکاروں میں شمار فرمائے ۔ آمین

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بچپن:

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بچپن کے اکثر واقعات تاریخ اور سیرت نگاروں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہے ہیں، اکثر مؤرخین نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کے اس حصے کو غیر اہم سمجھ کر نظر انداز کر دیا ہے اور صرف سرسری سے چند واقعات کے علاوہ آپ کی زندگی کا یہ گوشہ ابھی تک تشنۂ تکمیل ہے۔

اس بارے میں صرف چند روایات ملتی ہیں اور ان میں سے بھی بعض روایات ایسی ہیں جو عقلی اور نقلی لحاظ سے ناقابل قبول یا کم از کم مشکوک ضرور ہیں، ہماری کوشش یہی ہوگی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کے اس گوشے سے متعلق واقعات کو بیان کرکے ساتھ ساتھ ان روایات کا بھی جائزہ لیا جائے کیونکہ ایک انسان کی ظاہری زندگی میں اس کے بچپن اور جوانی کے واقعات اور افکار اس کی ساری زندگی اور اس کے مستقبل پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔

دوران رضاعت:

اسلام نے دوران شیر خوارگی کو بڑی اہمیت دی ہے اور بچوں کی دایہ اور دودھ پلانے والی عورت

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کے انتخاب کے لئے کچھ قواعد وضوابط مقرر کئے ہیں، تا کہ اسلامی معاشرے کا یہ نونہال ایک تن آور درخت کی صورت اختیار کر کے اپنے وجود سے اسلام کو فائدہ پہنچائے، اسلام نے کہا ہے کہ بچوں کو دودھ پلانے والی عورت زانیہ، ولد الزنا، مجوسی، شارب الخمر یعنی مے گسار، احمق، میل کچیل والی نہ ہو اور اس کے علاوہ دوسری ناپسندیدہ صفات بھی اس میں نہ ہوں، بلکہ دودھ پلانے والی عورت کو مومنہ یا کم از کم اہل کتاب ہونا چاہیے، صاف ستھری اور دوسری خوبیوں کی مالک ہونی چاہیے، حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: کہ تم لوگ دیکھ بھال کر اپنے بچوں کے لئے دایہ کا انتخاب کرو کیونکہ اسی کے دودھ پر بچہ پل کر جوان ہوتا ہے(۱) جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ دودھ بچہ پر اثر انداز ہوتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلانے والی شخصیات:

تاریخ وسیرت کی کتابوں اور روایات کی روشنی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلانے والی خواتین کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے البتہ معروف یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ عرصہ تک اپنی والدہ کا دودھ پیا، پھر کچھ عرصہ تک ابولہب کی کنیز ثوبیہ کا دودھ پیا اور کچھ عرصہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حلیمہ سعدیہ کے سپرد کر دیا گیا جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار یا پانچ سال رہے پھر اپنی والدہ کے پاس پلٹ آئے۔ یہاں چند قابل غور نکات کا ذکر ضروری محسوس ہوتا ہے۔

ا۔ ثوبیہ اور اس کی رضاعت:

ثوبیہ ابولہب کی کنیز تھی جسے ابولہب نے بھتیجے کی ولادت کی خبر سنانے کی خوشی میں آزاد کر دیا تھا ثوبیہ کے بارے منابع میں ملتا ہے کہ انہی ایام میں ثوبیہ کے ہاں مسروح نامی بیٹا پیدا ہوا تھا جو ثوبیہ کی زندگی میں ہی وفات پا گیا اور ثوبیہ ہجرت کے ساتویں سال مسلمان ہو کر اس دنیا سے رخصت ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ

ا۔ اس بارے میں ملاحظہ ہوں فروع کافی ج ۶ کتاب العقیقۃ باب "من یکرہ لبنہ و من لا یکرہ" ص ۴۲-۴۴ نیز دیگر فقہی اور احادیثی کتب میں باب الرضاع۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جب ثوبیہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلانے کے لئے آئی تو اس وقت اس کا بیٹا مسروح بھی اس کے ساتھ تھا، یعنی آپؐ اور مسروح رضائی بھائی ہیں، پھر اس نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا جناب حمزہ کو دودھ پلایا اور ساتھ ہی ابو سلمہ بن عبداللہ بن عبدالاسد مخزومی نے بھی اس کا دودھ پیا (۱)، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جناب حمزہ اور ابو سلمہ بھی آپؐ کے رضاعی بھائی تھے نیز یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جناب حمزہ آپؐ کے ہم عمر تھے، یہاں چند باتوں کا تذکرہ ضروری محسوس ہوتا ہے:

الف۔ پہلی بات یہ ہے کہ مؤرخین جب جناب عبدالمطلب کی نذر والا واقعہ بیان کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ حضرت حمزہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد جناب عبداللہؑ سے بڑے تھے کیونکہ وہ مندرجہ ذیل دس بیٹوں کا نام لیتے ہیں: حارث، زبیر، غیداق، ضرار، مقوم، ابولہب، ابوطالب، حمزہ، عباس اور عبداللہ (۲)۔ اور یہاں پر یہ بھی کہتے ہیں کہ جناب عبداللہ وقت نذر سب سے چھوٹے تھے (۳) اور حمزہ سے چھوٹے بھائی عباس نے جناب عبداللہ کو اپنے والد کی چھری سے بچا کر گھسیٹ لیا تھا، جس سے ان کے چہرے پر بھی خراش آئی تھی (۴) لیکن یہاں پر جب ثوبیہ کی رضاعت کی بات آتی ہے تو کہتے ہیں کہ عباس کے بڑے بھائی حضرت حمزہ جناب عبداللہ کے بیٹے یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم سن تھے، کیونکہ ثوبیہ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابو سلمہ اور جناب حمزہؓ نے اکٹھے دودھ پیا تھا، اس لئے یا تو وہ ہم سن ہیں یا اگر فاصلہ ہوا بھی ہے تو زیادہ سے زیادہ ایک دو سال کا ہوا ہے۔ (۵)

کہاں تو حضرت حمزہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد گرامی یعنی اپنے بھائی عبداللہ سے

۱۔ تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۵۸، طبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۱۰۸ و دیگر کتب

۲۔ طبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۸۸ و دیگر کتب

۳۔ سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۶۱ و دیگر کتب

۴۔ ملاحظہ ہو سیرہ ابن اسحاق واقعہ نذر ص ۳۳

۵۔ طبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۱۰۸

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کئی سال بڑے ہیں اور کہاں پچیس سال کے فرق سے جناب عبداللہ کے بیٹے یعنی اپنے بھتیجے کے ہم سن ہو جاتے ہیں، دوسرے لفظوں میں اپنے چھوٹے بھائی سے تو بڑے ہیں لیکن اسی چھوٹے بھائی کے لخت جگر کے ہم سن ہیں! اس مشکل کو حل کرنے کے لئے حلبی نے اپنی سیرت میں بہت خیالی پلاؤ پکائے ہیں (۱) جو کسی صورت میں قابل قبول نہیں ہیں۔

ب۔ دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ تاریخ کی کتابیں مسروح اور اس کے باپ کے متعلق خاموش ہیں حالانکہ عربوں کی یہ عادت رہی ہے کہ حتی الامکان ہر شخصیت کی ولدیت محفوظ کرتے ہیں لیکن یہاں معلوم نہیں ہو سکا کہ مسروح کا باپ کون تھا؟ کیا وہ ابولہب کا بیٹا تھا یا کسی اور کا؟ اگر کسی اور کا تھا تو اس کے باپ کا نام کیوں ذکر نہیں؟ اور اگر ابولہب کا ہی بیٹا تھا تو تصریح کیوں نہیں کی گئی؟

ج۔ مؤرخین نے ثویبہ سے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دودھ پینے والوں میں بھی اختلاف کیا ہے اور مختلف شخصیات کا ذکر کیا ہے، معروف تو یہ ہے کہ حضرت حمزہ، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوسلمہ دودھ شریک ہیں جبکہ بعض کتابوں میں آپؐ اور جناب حمزہ کے ساتھ عبداللہ بن جحش کا ذکر بھی آتا ہے اور بعض کتابوں میں آپ حمزہ اور ابوسلمہ کے علاوہ ابوسفیان بن حرث (یا حارث) کا ذکر آیا ہے۔ (۲)

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا عربوں میں دو دو تین تین بچوں کو دودھ پلانا مرسوم تھا؟ ہمیں تو کوئی ایسا واقعہ نہیں ملا اور اگر ہو بھی تو کیا یہ خاتون قسمت کی دھنی تھی کہ اسے حضرت حمزہ، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوسلمہ جیسی تاریخ کی مشہور و معروف شخصیات کو ایک ساتھ دودھ پلانے کا اتفاق ہوا؟ یا حدیث سازوں نے مذکورہ شخصیات کی شجاعت، ایمان، اخلاق اور دوسرے فضائل، اسی خاتون کے مرہون منت قرار دینے کی کوشش کی ہے؟

۱۔ سیرۃ حلبی ج۱ص ۱۳۸تا۱۴۴

۲۔ سیرت حلبی ج۱ص ۱۳۸تا۱۴۵

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یہاں پر یہ کہنا کہ عربوں نے اپنی عادت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ثویبہ کے حوالے کیا ہو یہ بھی نا معقول ہے کیونکہ اگر عربوں کی عادت کو بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی بات درست نہیں ہو سکتی اس لئے کہ ان کی عادت، بادیہ نشین اور صحرائی عورتوں کو دودھ پلانے کے لئے بچہ دینا تھا لیکن ثویبہ کی صورتحال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکہ ہی کی شہری تھی، اس لئے کہ وہ ابولہب کی لونڈی تھی اور ابولہب مکہ کا ہی رہائشی تھا۔

د: چوتھی بات یہ ہے کہ اس سلسلے میں بعض احادیث میں ملتا ہے کہ جب ابولہب کو اس کی لونڈی ثویبہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کی خبر دی تو ابولہب نے اس خوشخبری کے صلے میں اسے آزاد کر دیا،(۱) اس وجہ سے اسے جہنم میں ہر اتوار کو اپنے ہاتھ کی اس انگلی سے جس سے اس نے لونڈی کو آزاد کرنے کا اشارہ کیا تھا، پینے کو اچھا میٹھا پانی ملتا ہے، یہاں پر بھی چند باتیں غور طلب ہیں: جن میں سے ایک یہ ہے کہ خود یہ روایت بھی اختلاف کا شکار ہے، ایک روایت یہ کہتی ہے ابولہب نے اپنی لونڈی کو اسی وقت آزاد کر دیا تھا(۲)۔ لیکن اس کے برعکس دوسری روایت یہ کہتی ہے کہ ابولہب نے اسے ہجرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آزاد کیا، حالانکہ اس سے پہلے جناب خدیجہ (س) ابولہب سے درخواست بھی کرتی رہیں کہ ہم سے قیمت لے لو اور اسے آزاد کر دو مگر وہ نہیں مانا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کے بعد اس نے اپنی رضا اور رغبت سے اسے آزاد کر دیا(۳)۔

یہاں پر اس کے تضاد کو جمع کرتے ہوئے سیرہ حلبی میں آیا ہے "ان دونوں میں کوئی منافات اور تضاد نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے ابولہب نے اسے اسی وقت آزاد کر دیا ہو لیکن اس کی آزادی کو مخفی رکھا ہو اور اس کو بیچنے سے انکار کا بھی سبب یہی ہو کہ وہ آزاد ہو گئی تھی (اس لئے کہ آزاد عورت خرید و فروش نہیں کی

۱۔ تاریخ خمیس ج ۱ ص ۲۲۲ ، سیرۃ حلبی، الروض الانف و دیگر متعلقہ کتب

۲۔ تاریخ خمیس ج ۱ ص ۲۲۲ ، سیرۃ حلبی، الروض الانف و دیگر متعلقہ کتب

۳۔ ایضاً

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جاتی) لیکن اس نے اسکی آزادی کا اظہار رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کے بعد کیا ہو۔"

لیکن ہم اس توجیہ کے متعلق کوئی بھی وضاحت نہیں کرتے کیونکہ خود اس کے الفاظ اس بات کے غماز ہیں کہ یہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ آزاد کرنے کے بعد اتنا عرصہ ابولہب نے اسے اپنے پاس کیوں رکھا؟ اور وہ لونڈی بھی اتنا عرصہ آزاد ہو کر ابولہب کے ہاں کیا کرتی رہی؟ کیا اسے آزاد ہونے کی خوشی نہیں تھی؟ اگر اس کے پاس مال و اسباب نہیں تھا، تو اس نے جناب خدیجہ (س) کی پیشکش کو کیوں ٹھکرا دیا تھا؟؟ اور بھی اسی طرح کے سوال پیش آتے ہیں (۱)۔ اس کے علاوہ ہمیں اس بات پر تعجب ہوتا ہے کہ سیرت النبیؐ لکھنے والے مؤرخ کو دشمن خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتوں کی توجیہ کرنے کی ضرورت کیونکر پیش آئی؟!!

پانچویں بات یہ ہے کہ اس طرح کی احادیث کی اسناد بھی مشکوک ہیں اس کی سند میں موسیٰ شیبہ نامی شخص آیا ہے (۲) جس کے متعلق بعض نے کہا ہے کہ اس کی احادیث جھوٹی ہوتی ہیں جبکہ اس کی دوسری راویہ عمیرہ بنت عبداللہ بن کعب بن مالک ہے جس کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ یہ نامعلوم عورت ہے اور اس کا ذکر فقط اسی روایت میں ہوا ہے (۳) اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "بخاری کتاب النکاح" کے باب "و ربائبکم اللاتی فی حجورکم"، "مسلم کتاب الرضاع، باب تحریم الربیبہ"، "ابوداؤد کتاب النکاح باب یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب" اور "سنن ابن ماجہ کتاب النکاح باب، یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب" جیسی کتابوں میں وہ احادیث جن میں ثویبہ کا نام آیا ہے، یہ سب احادیث اسی پہلی حدیث کو بنیاد بنا کر کہی گئی ہیں اس سے ان احادیث کے متعلق بھی ایک اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

۱۔ الصحیح من سیرۃ النبیؐ الاعظم ج ۲ص ۷۰ تا ۸۰ مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں۔

۲۔ طبقات الکبریٰ ج ۱ص ۱۰۸۔

۳۔ طبقات الکبریٰ ج ۱ص ۱۰۸۔ والاصابۃ ج ۴ص ۲۵۰۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بے بنیاد احادیث کیوں؟

ایک اہم بات جو ہمیں کھٹکتی ہے وہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرسخت دشمن ابولہب کا جہنم کی آگ میں بھی آسودگی کے ساتھ رہنا ہے کیونکہ احادیث میں آیا ہے کہ ابن عباس یا خود رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں ابولہب کو دیکھا(۱) اور اس سے احوال دریافت کیا تو اس نے کہا: ''میری حالت بری ہے لیکن ثوبیہ کو آزاد کرنے کی وجہ سے ہر اتوار کو مجھے اپنی انگلیوں سے پینے کو کچھ مل جاتا ہے''۔ اور اس نے اپنی انگلیوں یا انگوٹھے کی طرف اشارہ کیا۔(۲) جس ابولہب کی خدا نے قرآن مجید میں ﴿تبت یدا ابی لھب وتب ما اغنیٰ عنه ماله و ما کسب سیصلیٰ ناراً ذات لھب و امرأته حمالة الحطب فی جیدھا حبل من مسد﴾ کے الفاظ کے ساتھ شدید مذمت کی ہے۔ اس کے ایک چھوٹے سے کام نے جہنم میں بھی اس کی راہ کشائی کی ہے جبکہ ابوطالب علیہ السلام کے فعل کو قرآن مجید میں ﴿الم یجدك یتیماً فاٰوی﴾ (۳) کے الفاظ سے خدا نے اپنا فعل قرار دیا ہے اور جس نے اپنی اور اپنی اولاد کی پوری زندگی حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے مشن پر وقف کردی، اس کے متعلق یہ جعلی احادیث کیوں ملتی ہیں کہ وہ جہنم کی آگ میں جل رہے ہیں حتیٰ کہ خود ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے متعلق بھی اسی قسم کی جعلی احادیث ملتی ہیں، وہ ابوطالب علیہ السلام جن کی تعریف قرآن میں ملتی ہے اور وہ والدین جنہوں نے آپ کو پیدا کیا، خاص کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ محترمہ جنہوں آپ کے لئے اتنی تکالیف برداشت کیں وہ تو نعوذ باللہ جہنم میں پڑے جل رہے ہیں جبکہ ابولہب جس کا نام ہی خدا نے ''بابائے آتش'' رکھ دیا ہے، ایک اشارے سے اتنی سہولتیں حاصل کر گیا اور اگر وہ بالفرض ایک دو اور کام کر جاتا جو رسول خدا کے حق میں جاتے

۱۔ سیرہ حلبی ج ۱ ص ۱۳۸

۲۔ سیرہ النبویہ ابن کثیر ج ۱ ص ۲۲۴ از بخاری

۳۔ سورہ ضحیٰ آیت ۶

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تو شاید جنت اس کا مقدر بنتی ؟!!۔ اگر ابولہب چچا ہے تو کیا ابو طالبؑ نہیں ہیں؟ اگر ابولہب نے ایک لونڈی بھتیجے کی خاطر آزاد کی ہے تو کیا ابو طالب علیہ السلام نے پورا خاندان، اسلام اور رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نچھاور نہیں کیا؟ اگر ابولہب کا وہ چھوٹا سا کام خلوص کی بنا پر تھا تو کیا ابو طالبؑ کی اتنی بڑی قربانیوں میں کوئی خلوص نہیں تھا؟۔

دل صاحب انصاف سے انصاف طلب ہے۔

تعجب تو ان سادہ لوح افراد پر ہوتا ہے جو ان جعلی روایات کو سچ سمجھتے ہوئے اس بات پر خوش ہوتے ہیں کہ اگر ابولہب جیسے دشمن خدا کو اتنی مراعات مل سکتی ہیں تو ہم جیسے جانثاروں کو لازمی طور پر جنت ملے گی۔(۱)

لیکن ان سادہ لوح افراد کو یہ نہیں معلوم کہ اس کے مقابلہ میں انہیں لوگوں کی احادیث کی بنا پر ابو طالب علیہ السلام کو اتنی قربانیوں اور مشقتوں کے باوجود بھی جنت نہیں مل سکی حالانکہ ابولہب بھی بعثت کے بعد مرا اور ابو طالب علیہ السلام کی بھی بعد از بعثت وفات ہوئی، تمام حالات اور شرائط کے مساوی ہونے کے باوجود بھی ایک سرسخت دشمن کو ایک چھوٹے سے کام کی بدولت جہنم میں بھی سفارشی سہولیات حاصل ہیں جبکہ ایک فدائی کو ساری زندگی جانثاری اور خدمت کا صلہ جہنم کی آگ میں پگھلنے کی صورت میں ملتا ہے، کیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسلام کے لئے فداکاری کرنے اور اس سے دشمنی کرنے میں کوئی فرق نہیں کیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مختلف اذیتیں دینے والے اور طرح طرح کی تکالیف پہنچانے والے وہ مشرک و کافر جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری دور میں مسلمان ہوئے ان کا رتبہ صدر اسلام کے فدائی سے بڑھ کر ہے؟ اور کیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذاء پہنچانے والے بعض افراد کے اعمال کو چھپانے اور انہیں بخشا ہوا دکھانے کی ایک ناکام کوشش ہے؟ اور ....

۱۔ ملاحظہ ہو سیرۃ النبویہ زینی دحلان ج ۱ ص ۴۷، تاریخ خمیس ج ۱ ص ۲۷۲ نیز الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم ج ۲ ص ۲۰۷، باب ابولہب وحق ثویبہ

jabirabbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہمیں تو یہ بھی لگتا ہے کہ یہ جعلی احادیث اور اس جیسی اور احادیث جن کا ذکر ہو چکا ہے یا ہوگا یہ سب اس لئے گڑھی گئی ہیں، تا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حامی اور ناصر جناب ابو طالب علیہ السلام اور ان کے شیروں کا رتبہ دنیا والوں کی نظروں میں گھٹایا جائے یا ان کے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت میں کیئے گئے افعال کو رشتہ داری کے کھاتے میں ڈال کر اوروں کی فضیلت بڑھائی جائے، کچھ مداحوں نے تاریخ کے مخصوص کرداروں کی شان بڑھانے کی کوشش کی، جب حد سے زیادہ بڑھانے کے باوجود بھی خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حامیوں اور شیروں کے فضائل کا مقابلہ کرنے سے عاجز رہے، تو اسلام کے ان روشن ستاروں کے فضائل کو گھٹانا، نیز ان کے افعال کو کم اہمیت، بے وقعت اور خاندانی تعصب کی بنا پر دکھانا شروع کر دیا تا کہ حساب برابر ہو جائے۔

ہم اسلام کے لئے کسی بھی رشتہ داری وغیرہ کے قائل نہیں ہیں البتہ معیار صرف اور صرف رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت، حفاظت، مدد اور نصرت ہے۔ رشتہ داروں نے اگر مخالفت کی تو خدا نے بھی ان کی مذمت کی اور غیروں نے اگر وفاداری کی تو زبان وحی نے اسے اہل بیت میں سے شمار کر لیا، اگر کوئی شخصیت رشتہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ حامی و مددگار بھی ہے تو یقیناً اس کے پاس دو فضیلتیں ہیں، جب کہ اگر کوئی فرد رشتہ دار ہونے کے باوجود مخالفت پر تلا ہوا ہے تو یہی رشتہ داری بھی اس کے لئے دوہرے عذاب کی باعث ہے، کیونکہ رشتہ دار سب سے زیادہ قریبی افراد ہیں، اس لئے ان کی ذمہ داری بھی دگنا ہوتی ہے قرآن مجید میں بھی اس کی کئی روشن مثالیں موجود ہیں جسے کسی مناسب موقع پر انشاء اللہ ذکر کیا جائے گا۔

دیگر خواتین کا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلانا:

انہیں احادیث کے سلسلے میں یہ ذکر ہوا ہے کہ قبیلہ بنی سلیم کی تین نو جوان کنواری لڑکیوں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلایا ہے اور عجیب اتفاق ہے کہ ان تینوں کا نام "عاتکہ" تھا اس لئے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے "انا ابن العواتک" میں عواتک (عاتکہ کی جمع) کا بیٹا

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہوں(۱)۔ہم اس کے بارے میں صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ بالفرض اگر یہ حدیث اور داستان صحیح بھی ہو تو اس میں اور بعض کتب میں مذکور جناب ابوطالب علیہ السلام کے دودھ پلانے کے واقعہ(۲) میں کوئی فرق نہیں ہوگا!! کیونکہ اگر معجزہ سے ہی کام چلانا ہے تو پھر کنواری لڑکیوں اور ایک مرد کے دودھ پلانے میں کوئی فرق نہیں رہے گا، جبکہ ہم سرے سے ہی ان تمام واقعات کی صحت کے متعلق مشکوک ہیں، اسی طرح لوگ ام ایمن کے متعلق بھی لکھتے ہیں کہ اس نے بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلایا تھا جبکہ اکثر کے نزدیک صحیح بات یہ ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پالنے والی آیا تھی دودھ پلانے والی دایہ نہیں، اس کے علاوہ اگر دیکھا جائے تو ام ایمن کے صرف دو ہی بیٹے تاریخ میں ذکر ہوئے ہیں: ایک ایمن اور دوسرا اسامہ جبکہ ان میں سے کوئی بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہم سن نہیں ہے جس کے متعلق یہ کہا جائے کہ اس کے دودھ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دودھ پیا تھا(۳)۔ مگر یہاں بھی معجزہ کے قائل ہو جائیں جو نہ صحیح ہے اور نہ معجزے کا مقام ہے۔

یہاں پر بعض مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ آپ نے خولہ بنت منذر کا دودھ پیا تھا(۴)۔ یہاں بھی اکثر حضرات اس کی تردید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ خولہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں بلکہ آپ کے فرزند جناب ابراہیم کو دودھ پلایا تھا(۵)۔

خلاصہ یہ کہ کہا جاتا ہے دس کے قریب خواتین نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلایا تھا جو

۱۔تاریخ الخمیس ج۱ص۲۲۲

۲۔مناقب آل ابی طالب ج۱ص۱۵۹ از کلینی

۳۔سیرہ حلبی ج۱ص۱۳۸۔۱۳۵

۴۔تاریخ خمیس ج۱ص۲۲۲

۵۔سیرہ حلبی ج۱ص۱۳۲

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ جناب آمنہ (س) ۔

۲۔ابولہب کی کنیز ثوبیہ۔

۳ جناب حلیمہ کے علاوہ بنی سعد کی ایک خاتون ۔

۴۔خولہ بنت منذر۔

۵۔ام ایمن۔

۶۔ام فروہ۔

۷۔۸۔۹۔بنی سُلیم کی تین کنواری لڑکیاں جن کا نام عاتکہ تھا ۔

۱۰۔ابوذیب کی بیٹی حلیمہ سعدیہ(۱)۔

ہم سمجھتے ہیں کہ آپ نے سب سے زیادہ اپنی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ (س) کا دودھ پیا تھا اور کچھ عرصہ (۲) دودھ پینے کے بعد اشراف مکہ کی عادات کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے دائیوں کو تلاش کیا گیا، ہوسکتا کہ اس تلاش میں انہوں نے متعدد عورتوں کو دودھ پلانے کے لیے بلایا ہو اور انھوں نے دودھ پلانے کی کوشش کی ہو اسی وجہ سے سب کو دودھ پلانے والیوں میں شمار کرلیا گیا ہو۔

زمانہ رضاعت کی کہانی،حلیمہ کی زبانی:

ابوذیب کی بیٹی حلیمہ کا کہنا ہے: "میں اپنے شوہر اور شیر خوار بچے سمیت بنی سعد کی کچھ عورتوں کے ساتھ دودھ پیتے بچوں کی تلاش میں اپنی بستی سے نکلی، ہم کل دس عورتیں تھیں، اس سال قحط بھی بڑی

۱۔حاشیہ دلائل النبوۃ بیہقی با تحقیق عبدالمعطی قلعجی ج ۱ ص ۱۳۶ ودیگر بہت سی کتب۔

۲۔مورخین کے درمیان اس عرصہ میں اختلاف ہے۔بعض کہتے ہیں سات دن دودھ پیا تھا جبکہ بعض نو دن اور بعض نے سات مہینے بھی لکھا ہے سیرہ حلبی اور دیگر کتب البتہ ہمارے نزدیک آخری قول زیادہ مناسب ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

شدت کے ساتھ پڑا تھا، یہاں تک کہ ہمارے پاس کھانے کو کچھ نہیں رہا تھا، میں ایک سفید رنگ کے مریل سے خچر پر سوار تھی، ہماری ایک بوڑھی اونٹنی بھی تھی جو دودھ کا ایک قطرہ تک نہیں دیتی تھی۔ میرا شیرخوار بچہ بھوک سے ساری ساری رات بلکتا رہتا تھا جس کی وجہ سے ہم ٹھیک سے سو بھی نہیں سکتے تھے کیونکہ میرے سینے میں بھی اتنا دودھ نہیں تھا جو اس کے لئے کافی ہو رہتا، ہم تو صرف بارش اور کسی غیبی مدد کے امیدوار تھے، بہر حال میں اپنے ناتواں خچر پر سوار ہو کر کاروان کے ساتھ چل پڑی کمزوری اور ناتوانی کے سبب وہ سب سے آخر میں ہی رہتا تھا اور قافلے والوں پر یہ بات نہایت گراں گزرتی تھی۔

جب ہم مکہ پہنچے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمارے ہر ایک کے سپرد کیا گیا لیکن جونہی ہم میں سے ہر ایک کو پتا چلتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یتیم ہیں، اسے اپنانے سے کتراتی تھیں کیونکہ ہم بچے کے باپ سے انعام اور صلہ کی خواہش مند تھیں، اس لئے ہم نے وہاں کہا کہ اس یتیم کو گود لینے کا کیا فائدہ؟ اس کے ماں یا دادا ہمیں دیں گے کیا؟ میرے علاوہ میرے ساتھ آنے والی تمام عورتوں نے مختلف بچے گود لے لئے لیکن مجھے کوئی بچہ نہ ملا، جب ہم نے واپس پلٹنے کا ارادہ کیا میں نے اپنے میاں سے کہا: "خدا کی قسم! اپنی دوستوں میں صرف میں بچہ گود لئے بغیر خالی لوٹوں، مجھے اچھا نہیں لگتا، میں اسی یتیم کو ہی گود لینے جا رہی ہوں"۔ میرے شوہر نے کہا "ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، شاید خدا اسی میں ہمارے لیے برکت قرار دے"۔

میں واپس گئی اور اسے گود لیا، میرا اسے گود لینے کا سبب صرف یہی تھا کہ اس بچے کے علاوہ مجھے اور کوئی بچہ نہیں ملا تھا، اسے لے کر میں قافلے میں شامل ہو گئی۔ اسے دودھ پلانے کے لیے میں نے جونہی گود میں رکھا میرا سینہ دودھ سے بھر گیا، اس نے بھی سیر ہو کر دودھ پیا، اس کے بھائی نے بھی اپنی بھوک مٹائی اور دونوں آرام سے سو گئے حالانکہ اس سے پہلے اپنے ہی بچے کے بھوک سے بلکنے کی وجہ سے ہم آرام سے نہیں سو سکتے تھے، میرے شوہر اونٹنی کے پاس گئے تو دیکھا کہ اس کے تھن بھی دودھ سے بھرے ہوئے ہیں اس نے اس کے تھنوں سے اتنا دودھ دوہا کہ ہم دونوں نے اپنا پیٹ بھرا اور اس رات اطمینان اور سکون سے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سوئے، صبح کو میرے شوہر نے مجھ سے کہا: "حلیمہ جانتی ہو! خدا کی قسم! لگتا ہے کہ تو نے ایک بابرکت بچہ گود لیا ہے۔ دیکھا جب سے اسے ہم نے گود لیا ہے رات کیسے خیریت سے گزاری؟"

میں نے کہا: "خدا کی قسم! مجھے بھی ایسی ہی امید ہے" جب ہم شہر سے باہر آئے اور میں اپنے اسی خچر پر سوار ہوئی جس پر آئی تھی اور اپنے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اٹھایا ہوا تھا تو خدا کی قسم وہی خچر اب اتنا تیز چلا کہ قافلے سے بھی آگے نکل گیا اور قافلے والوں میں سے کسی کی بھی سواری ہمارے خچر سے نہیں مل پا رہی تھی بلکہ سب پیچھے رہ گئے تھے، حتیٰ کہ میری ساتھیوں نے پکار کر کہا: "اے ابوذویب کی بیٹی! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ ذرا ٹھہرو تو! ہمارا انتظار تو کرو! کیا یہ تمہارا وہی خچر نہیں ہے جس پر تم سوار ہو کر آئی تھیں؟"۔ میں نے ان سے کہا: "ہاں! بخدا یہ بالکل وہی ہے"۔ تب انہوں نے کہا: "اللہ کی قسم! لگتا ہے اس کے ساتھ کوئی نئی بات ہو گئی ہے"۔ پھر ہم قبیلہ بنی سعد میں اپنے گھر پہنچیں، وہ خدا کے سبب خشک اور بنجر زمین تھی لیکن اس کے باوجود رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ساتھ لانے کے سبب جب ہماری بھیڑ بکریاں چر کر واپس آتی تھیں تو بالکل سیر ہوتیں اور ان کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہوتے تھے، ہم ان کا دودھ دوہتے اور اس سے سیراب ہو جاتے۔ جبکہ دوسروں کی بھیڑ بکریاں خالی واپس لوٹتیں اور وہ ایک قطرہ تک بھی نہیں دوہ سکتے تھے، یہاں تک کہ وہ ہمارے علاقے کے رہنے والے چرواہوں سے کہتے تھے کہ بدبختو! ہماری بھیڑ بکریاں بھی وہاں لے جاؤ جہاں چرواہے حلیمہ کی بھیڑ بکریاں لے جاتے ہیں حالانکہ وہاں سے بھی ان کی بھیڑ بکریاں بھوکی ہی واپس لوٹتی تھیں اور دودھ کا ایک قطرہ تک نہیں دیتی تھیں لیکن میری بھیڑ بکریاں سیر ہو کر دودھ سے بھری ہوئی واپس آتی تھیں۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو سالہ ہونے اور دودھ بڑھائی تک ہم خدا کی ذات سے خیر اور برکت کا مشاہدہ کرتے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نشوونما بھی دوسرے بچوں سے ہٹ کر تھی، یہاں تک کہ دو برسوں میں آپؐ ایک زبردست اور تنومند لڑکے بن گئے تھے، اس کے بعد ہم آپ کو آپ کی والدہ کے پاس لے تو گئے لیکن آپؐ سے خیر و برکت کے مشاہدے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمیں اپنے پاس رکھنے کی

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

شدید خواہش تھی، اس لئے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ سے کہا: "اگر آپ کچھ عرصہ مزید میرے بیٹے کو میرے پاس رہنے دیتیں تو کیا ہی اچھا ہوتا، تا کہ کچھ اور بڑا ہو جاتا کیونکہ مجھے اس کے مکہ کی وباء کی لپیٹ میں آ جانے کا ڈر ہے" اور ان سے اتنا اصرار کیا کہ وہ مان گئیں اور ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ساتھ لے کر ہی واپس لوٹے (۱)۔

چند اہم نکات:

۱۔ جب جناب حلیمہ خود ہی فرماتی ہیں کہ میرے سینے میں دودھ کا ایک قطرہ تک نہ تھا اور دودھ نہ پینے کی وجہ سے میرا بچہ ساری ساری رات بلکتا رہتا تھا حتی کہ ہم اس کے رونے کی وجہ سے ساری رات سو نہیں سکتے تھے، تو اس صورت میں وہ ایک اور بچہ گود لینے کیوں گئیں؟ جب اپنا بچہ بھوک سے مر رہا تھا انہیں کیا سوجھی کہ ایک اور بچہ گود لینے جائیں اور اسے بھی بھوک سے مار دیں؟ کیا انہیں یقین تھا کہ جو بچہ میں گود میں لینے جا رہی ہوں وہ اتنا بابرکت ہے کہ اس کی وجہ سے نہ صرف میرا سینہ دودھ سے بھر جائے گا بلکہ میری بوڑھی اونٹنی اور میری بھیڑ بکریوں کے تھنوں میں بھی دودھ بھر جائے گا؟ اگر ایسی صورتحال تھی تو پھر انہوں نے پہلے پہل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گود لینے سے انکار کیوں کر دیا؟ جب ان کے سینے میں دودھ تھا نہیں تو یہاں اگر انہیں کوئی بچہ گود لینے کے لئے مل رہا ہے تو انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں بنتی بلکہ اسے تو غنیمت سمجھ کر لینا چاہئے تھا، کیا یہاں یہ بتانا مقصود نہیں کہ آپ اتنی کسمپرسی کی حالت میں تھے کہ ایک بے شیر اور مجبور عورت بھی یتیمی کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گود لینے کو تیار نہیں تھی اور آخر کار جب اسے کوئی بچہ نہ ملا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی دائی نہ ملی تو تب اس نے مجبوری کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گود لیا۔

۲۔ گذشتہ روایت کے مقابلے میں ہمیں بعض روایتیں ایسی بھی ملتی ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف جناب حلیمہ کے سینے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گود لینے سے قبل دودھ بھرا ہوا تھا بلکہ دائیاں بھی

۱۔ یہ واقعہ تقریباً تمام کتب سیرت میں مذکور ہے۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گود لینے کی خواہش مند تھیں، روایت میں آیا ہے کہ جناب حلیمہ کہتی ہیں: "ایک رات میں نینداور بیداری کی حالت میں تھی کہ ایک شخصیت آئی، مجھے دودھ سے بھی زیادہ سفیداور شہد سے بھی زیادہ شیریں نہر کے کنارے لے گئی اور مجھ سے کہا کہ اس سے پیو، میں نے اس سے کچھ پیا، پھر وہ مجھے اپنی جگہ واپس لے آئی اور کہا اے حلیمہ! مکہ کے بطحاء نامی علاقے میں جاؤ کہ وہاں تمہارے لئے وسیع رزق موجود ہے اور وہاں پیدا ہونے والے مولود کی برکت سے تم خوشحال ہو جاؤ گی۔

پھر اس نے میرے سینے پر ہاتھ مار کر کہا خدا تمہارے دودھ کو زیادہ کرے اور تمہیں پریشانیوں اور تکالیف سے نجات دے، پھر میں اٹھی تو میرا سینہ دودھ کی کثرت سے بوجھل ہو رہا تھا اور مجھے حسن و جمال عطا ہوا، دن ہوتے ہی میری حالت ہی بدل چکی تھی میرے قبیلہ کی عورتوں نے مجھ سے کہا کہ حلیمہ! تیری حالت پر حیران ہیں؟! تیرے ساتھ ہوا کیا ہے؟ تیری یہ خوبصورتی آئی کہاں سے؟ میں نے اپنا ماجرا ان سے چھپایا اور انہیں کچھ بھی نہیں بتایا جس پر وہ مجھ سے حسد کرتے ہوئے مجھے چھوڑ کر چلی گئیں، دو دن بعد قبیلہ بنی سعد کو ایک آواز سنائی دی کہ اے بنی سعد کی خواتین! مکہ میں پیدا ہونے والے بچے کی برکت سے تمہارے اوپر برکتیں نازل ہوئیں اور تم سے پریشانیاں دور کر دی گئیں، خدا نے اس مولود کو تمام مخلوقات پر افضیلت دی ہے، جب یہ آواز سنی تو بنی سعد کی عورتوں نے کہا کہ یقیناً اس نومولود کی شان بہت ہی اونچی اور نرالی ہے، پھر بنی سعد کی ساری عورتیں مکہ کی طرف کوچ کر گئیں.........."(۱)۔

اسی طرح بعد میں ذکر ہونے والی دیگر روایتوں سے یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ بچہ گود میں لینے سے

۱۔ بحار الانوار ج ۱۵ باب ۱۴ منشاءہ و رضاعہ.....ج ۲۰ص ۳۷۱ ج ۲۵ص ۱۳۸۶ از ابن عباس و ج ۱۳ ص ۱۳۳۱ از واقدی: مگر واقدی کی حدیث چونکہ بقول علامہ مجلسی (رح) "عامہ" سے منقول ہے اور اس میں بعض نادر اقوال موجود ہیں بطور مثال اس حدیث میں آپ کے چار ماہ کی عمر میں آپ کی والدہ کے انتقال کا قول ہے۔اس لئے اس روایت کو ضعیف سمجھا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود چند ایسی معقول باتوں کی موجودگی کی وجہ سے جو ہمارے مدعا کی تائید کرتی ہیں اسے یہاں ذکر کیا گیا ہے۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

قبل ان کے سینے میں دودھ نہیں تھا؟، اس کے علاوہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس بچے کی طرف اس کی یتیمی کی وجہ سے کسی دایہ نے بھی توجہ نہیں کی، یہ بات بھی نہایت مشکوک ہے، کیونکہ مذکورہ اور کئی دیگر روایات میں ملتا ہے کہ آنحضرتؐ ولادت سے لے کر وفات تک لوگوں کی توجہ کا مرکز رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے ایسے واقعات رونما ہوئے ہیں جو لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے پر مجبور کر دیتے تھے، جن میں سے کئی تو ذکر ہو چکے ہیں اور بعض دوران مطالعہ نظر سے گزریں گے، اس کے علاوہ یہ بات بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے دادا کی شان میں کمی کا باعث ہے کہ "اس یتیم کی ماں اور اس کا دادا ہمیں دیں گے کیا؟"۔ کیونکہ اس جملے کے لئے پانچ صورتیں فرض کی جا سکتی ہیں:

الف: یہ کہ جناب عبدالمطلبؑ فقیر تھے، جبکہ واقعہ فیل میں جناب عبدالمطلبؑ کے دوسو اونٹوں کے ضبط ہونے اور جناب عبدالمطلبؑ کا انہیں خدا کے لئے وقف کرنے کا مشہور واقعہ اور اس قسم کے فرض کی تردید کرتے ہیں۔

ب: دوسری صورت یہ فرض کی جا سکتی ہے کہ جناب عبدالمطلبؑ صاحب ثروت آدمی تو تھے لیکن انہیں اپنے پوتے سے کوئی لگاؤ نہیں تھا، یہ صورت بھی گذشتہ اور آئندہ واقعات کی رو سے نا قابل قبول ہے اور اگر ایسا فرض کر بھی لیا جائے تو ایسی صورت میں صرف یہ نتیجہ نکلے گا کہ یتیم عبداللہ اتنی کسمپرسی کی حالت میں پلے بڑھے کہ ان کے دادا تک ان پر کچھ خرچ کرنے کو تیار نہیں تھے اور یہ نا قابل قبول ہے۔

ج: تیسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ جناب عبدالمطلبؑ صاحب ثروت آدمی بھی تھے انہیں اپنے پوتے سے لگاؤ بھی تھا لیکن وہ دایہ کو کوئی صلہ یا انعام واکرام دینے سے کتراتے تھے یعنی دوسرے لفظوں میں انہوں نے اس معاملہ میں بخل سے کام لیا اور یہ صورت نہ صرف توہین کا پہلو رکھتی ہے بلکہ جناب عبدالمطلب کے واقعات کے مطالعہ سے اس کی نفی بھی ہوتی ہے پس یہ صورت بھی کسی طور پر قبول نہیں کی جا سکتی۔

د: چوتھی صورت یہ ہے کہ دودھ پلانے والی عورتوں نے اپنی طرف سے یہ اندازہ لگایا اور ان کے الفاظ سے ظاہر بھی یہی ہوتا ہے کہ یہی صورت ہو سکتی ہے لیکن یہ صورت بھی اس لئے نا قابل قبول ہے کہ یہ

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اندازہ اس خاندان اور اس گھرانے کے لئے لگایا جاتا ہے جو کسی کے لئے نا آشنا ہو یا وہ لوگ یہ جانتے ہوں کہ اس گھرانے کے افراد بخیل یا غریب لوگ ہیں جبکہ مکّہ جیسے شہر کے سردار کا تخی گھرانہ سب کے لئے جانا پہچانا تھا۔ ہاشم جیسے معروف سخی کا بیٹا کیسے بخیل ہوسکتا ہے؟ کیا واقعی ایسا ہے؟ جبکہ اس کے ساتھ کچھ روایتیں ایسی بھی ملتی ہیں جن میں آیا ہے کہ جناب عبدالمطلب نے خاص کر جناب حلیمہ سے کہا تھا اپنے پوتے کا خرچہ میں خود برداشت کروں گا، تجھے انعام و اکرام بھی دوں گا اور تجھے اور تیرے گھر والوں کو مالا مال کردوں گا (۱)

ھ۔ باقی رہی پانچویں صورت اور وہ یہ کہ جناب عبدالمطلب ثروتمند بھی تھے، اپنے پوتے سے پیار بھی کرتے تھے، سخی بھی تھے اور اس معاملہ میں خرچ بھی کیا تو ہمارے نزدیک یہ صورت ہی قابل قبول ہے

اگر وقت نظر سے کام لیں تو اس واقعہ میں بہت سی ایسی باتیں نظر آتی ہیں جو تاریخی حقائق سے متصادم اور اس واقعہ کو مشکوک بنا دینے کے لیے کافی ہیں ۔

واقعہ شق صدر:

جناب حلیمہ کا کہنا ہے: "جب ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ کو اصرار کر کے اس بات پر راضی کرلیا کہ کچھ عرصہ تک ہم انھیں اپنے پاس رکھیں گے اور وہ راضی ہوگئیں تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ساتھ اپنے گھر لے آئے، اس کے چند ماہ بعد ہی جب آپ اپنے رضائی بھائی کے ساتھ ہمارے گھر کے پیچھے کچھ فاصلے پر بکریاں چرانے میں معروف تھے تو آپ کا بھائی بھاگا بھاگا آیا اور مجھ سے اور اپنے باپ سے کہا کہ میرے قریشی بھائی کو سفید کپڑوں میں ملبوس دو آدمیوں نے پکڑا اور اسے زمین پر لٹایا پھر اس کا پیٹ چاک کیا اور اپنے ہاتھوں کو اس کے پیٹ کے اندر داخل کیا۔ اس کی بات سن کر ہم دونوں اس کے

۱۔ دیگر روایتوں میں ملتا ہے کہ آپ کا رضاعی بھائی ضمرہ دوڑتا اور ہانپتا کانپتا آیا اور کہا: امی جان! بھائی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر لو۔ لیکن مجھے نہیں لگتا کہ تم اسے زندہ پاؤ گی"۔ میں نے پوچھا کہ کیا ہوا ہے؟ تو اس نے کہا: دو سبز پوش مرد آئے اور اسے ریوڑ اور ہم سے جدا کر کے لے گئے۔ ...... (تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۲۲۶ از المنتقیٰ۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پاس گئے تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے کی رنگت زرد اور اڑی ہوئی تھی، ہم پوچھا: بیٹے! کیا ہوا تمہارے ساتھ؟ فرمایا: دو سفید پوش میرے پاس آئے، میرے شکم کو چاک کیا اور نہیں معلوم کسی چیز کی تلاش میں تھے۔(۱)

جناب حلیمہ کا کہنا ہے: ''پھر ہم اپنے خیموں کی طرف واپس پلٹے تو اس کے رضاعی باپ نے مجھ سے کہا: ''حلیمہ! مجھے ڈر ہے کہ اس بچے کو کچھ ہو نہ جائے، اسے کچھ ہونے سے پہلے بہتر ہے کہ اسے اس کے گھر والوں تک پہنچا آؤ''۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ کے پاس لے گئے، انہوں نے مجھ سے کہا: ''حلیمہ! تم تو اسے اپنے پاس رکھنے کی بہت زیادہ خواہش مند تھیں! میں نے کہا: ''اللہ کا شکر ہے کہ اب یہ بچہ بڑا ہو گیا ہے اور میں نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی ہے، اب میں اس پر پیش آمد واقعات سے ڈر رہی ہوں اور جس طرح آپ اسے اپنے پاس رکھنا چاہتی تھیں اب میں اسے آپ کے پاس لائی ہوں''۔ انہوں نے کہا: مجھے صحیح صحیح بتاؤ کہ ہوا کیا ہے؟ پھر اتنا اصرار کیا کہ مجھے بتانا ہی پڑا میرے بتانے کے بعد انہوں نے کہا: ''تجھے اس کے متعلق شیطان کا خوف ہے؟''۔ میں نے کہا: ''جی ہاں!''۔ انہوں نے کہا: ''خدا کی قسم! شیطان کبھی بھی اس پر غالب نہیں ہو سکتا اور میرا یہ بیٹا بہت عظیم اور خصوصی شان کا مالک ہے اس کے متعلق مجھ سے کچھ سنے گی؟'' میں نے کہا: ''جی ہاں!''۔ انہوں نے کہا: ''جب یہ بچہ میرے شکم میں منتقل ہوا تو میں نے دیکھا کہ مجھ سے ایک نور نکلا جس نے شام کے علاقہ بصریٰ کو منور کر دیا، پھر دوران حمل بہت ہلکا پھلکا اور زیادہ آسانی والا مجھے نظر آیا کہ اس جیسا میں نے دیکھا ہی نہیں، جب یہ پیدا ہوا تو اس نے سب سے پہلے اپنا ہاتھ زمین پر رکھا اور سر آسمان کی طرف اٹھایا۔ بہر حال اسے چھوڑ کر اطمینان اور سلامتی کے ساتھ واپس جاؤ''

۱۔ سیرۃ ابن اسحاق جزء اول ص ۵۰، سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۸۷، اسی کے ساتھ الروض الانف ج ۱ ص ۱۸۸ تا ۱۹۱، السیرۃ النبویہ ابن کثیر ج ۱ ص ۲۲۷ تا ۲۲۸ از ابن اسحاق۔ نیز نہایۃ الارب ج ۱ ص ۹۱ تا ۹۳ اور تاریخ و سیرت کی دیگر متعلقہ کتب۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کچھ مزید اضافات:

بعض روایات میں ملتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میں نے قبیلۂ بنی سعد بن بکر میں دودھ پیا ہے (اور پلا بڑھا ہوں) ایک مرتبہ میں اپنے (رضاعی) بھائی کے ہمراہ اپنے چوپاؤں کے ساتھ تھا کہ دو سفید پوش مرد میرے پاس آئے، جن کے پاس برف سے بھرا ہوا سونے کا طشت تھا، انہوں نے مجھے لٹایا پھر میرے شکم کو چیرا پھر میرے دل کو نکال کر اسے بھی چیرا اور اس سے کالا سا لوتھڑا نکال کر باہر پھینک دیا، پھر اسی طرح واپس پلٹا دیا جس طرح کہ پہلے تھا، پھر ایک نے اپنے ساتھی سے کہا: "اسے اپنی امت کے دس آدمیوں کے ساتھ تولو!"۔ اس نے مجھے دس آدمیوں کے ساتھ وزن کیا تو میں ان پر بھاری رہا، پھر کہا اسے بیس آدمیوں کے ساتھ تولو، اسی طرح دس دس کر کے پھر سو سو کر کے تعداد بڑھاتے گئے یہاں تک کہ کہا "ایک ہزار آدمیوں کے ساتھ تولو!"۔ اس نے مجھے ہزار آدمیوں کے ساتھ وزن کیا تو بھی میرا پلڑا بھاری رہا، پھر اس نے کہا: "اسے چھوڑ دو اگر اسے اس کی پوری امت کے ساتھ بھی وزن کرو گے تب بھی یہ ان پر بھاری رہے گا"(۱)

اسی طرح کی ایک اور حدیث حضرت ابوذرؓ سے روایت کی گئی ہے، وہ کہتے ہیں: "یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیسے معلوم ہوا کہ آپؐ نبی ہیں اور کس چیز سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کا یقین ہوا؟" آپؐ نے فرمایا: "جب میں مکہ کے علاقے بطحاء (۲) میں تھا تو دو فرشتے میرے پاس آئے، ایک

۱۔ سیرۂ ابن اسحاق جزء اول ص ۵۱۔

۲۔ اس بارے میں سُہیلی نے الروض الانف ج ۱ ص ۱۸۹ میں لکھا ہے کہ یہ وہم ناقل کی طرف سے ہے کیونکہ (ابن اسحاق وغیرہ کے مطابق) آپؐ کے ساتھ یہ واقعہ قبیلہ بنی سعد میں پیش آیا۔ کیونکہ بزاز نے عروہ کے ذریعے حضرت ابوذر سے یہی روایت نقل کی ہے لیکن اس میں بطحاء کا ذکر نہیں ہے۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

زمین پر اترا اور دوسرا آسمان اور زمین کے درمیان رہا، پس ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا: ''کیا یہ وہی ہے؟''۔ دوسرے نے کہا: ''ہاں یہ وہی ہے''۔ تو پہلے نے کہا: ''اسے ایک آدمی کے ساتھ تولو!''۔ اس نے مجھے وزن کیا تو میں اس ایک آدمی پر بھاری رہا پھر کہا: ''دس آدمیوں کے ساتھ وزن کرو!''۔ اس نے مجھے تولا تو میں ان پر بھی بھاری رہا۔ پھر کہا: ''سو آدمیوں کے ساتھ تولو!''۔ اس نے میرا وزن کیا تو پھر بھی میں ہی بھاری رہا۔ پھر کہا: ''ہزار آدمیوں کے ساتھ تولو!''۔ حتیٰ کہ اسی طرح اضافہ کرتے گئے اور پھر بھی میرا ہی پلڑا بھاری رہا تو ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: ''اس کا شکم چاک کرو!'' اور شیطان کا حصہ اور خون کا لوتھڑا سا دھوئ، البتہ دل کو اچھی طرح سے دھونا!''۔ پھر کہا: ''اس کے پیٹ کو سی دو''۔ اس نے سی دیا اور مہر نبوت کو میرے شانوں کے درمیان لگایا جس طرح کہ اب ہے، پھر وہ دونوں چلے گئے اور گویا یہ سب کام میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا''(۱)۔

بعض روایات میں ملتا ہے کہ دو فرشتے سارس پرندوں کی صورت میں آپؑ کے پاس آئے، ان دونوں کے پاس برف اور ٹھنڈا یخ پانی تھا، ایک نے آپ کا شکم چاک کیا جبکہ دوسرے نے اپنی چونچ ہلا ہلا کر اس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل دیا(۲) انس نے یہاں تک بھی کہا ہے کہ میں ہمیشہ آپؑ کے سینے پر ٹانکوں کے نشانات دیکھتا تھا(۳)۔

چند نکات اور تبصرہ:

۱۔ شق صدر کی حدیث سیرت کی تقریباً اکثر کتابوں میں پائی جاتی ہے، از جملہ سیرۂ ابن اسحاق، سیرۃ ابن ہشام، طبقات الکبریٰ ابن سعد، دلائل النبوۃ، البدایۃ والنہایہ تاریخ الخمیس، الخصائص

۱۔ الروض الانف ج ۱ ص ۱۸۹، تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۲۲۶۔

۲۔ سیرۂ ابن اسحاق ص ۵۱، الروض الانف ج ۱ ص ۱۸۸۔

۳۔ تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۲۲۶۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

الکبریٰ اور دیگر کتب حتی کہ اکثر مفسرین نے اس واقعہ کو سورۂ انشراح کی آیت ﴿أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ......﴾ کے ذیل میں بھی ذکر کیا ہے۔

۲۔ بعض مؤرخین اور سیرت نگاروں کا قول ہے کہ شق صدر کا یہ واقعہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کئی مرتبہ پیش آیا، چنانچہ تیسرے سال، پانچویں سال، بیسویں سال، بعثت کے موقع پر اور پچاسویں سال میں یہ واقعہ پیش آیا(۱)۔ یعنی پانچ مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا، اگر چہ بعض پانچ مرتبہ کے قائل نہیں ہیں لیکن وہ بھی کم از کم اس واقعہ کے دو یا تین مرتبہ واقع ہونے کے قائل ہیں۔

۳۔ واقعہ شق صدر کے متعلق اتنا تضاد ملتا ہے کہ حتی بعض متقدمین نے بھی اس کی تصریح کی ہے بلکہ مختلف مؤرخین نے اس واقعہ کی توجیہ اور تشریح مختلف انداز سے کی ہے، سونے کے طشت، برف، خون کے سیاہ لوتھڑے اور شیطان کے حصہ کی مختلف توجیہات پیش کی گئی ہیں مثلاً یہ کہ اس وزن سے مراد فضیلت میں رجحان ہے اور اس کا فائدہ یہ تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا علم ہو، اس پر اعتقاد رکھیں اور دوسروں کو بھی یہ بات بتائیں(۲)۔ بلکہ جس طرح بعض روایتوں میں آیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی نبوت کا علم اور یقین بھی اسی واقعہ شق صدر اور وزن کرنے کے عمل سے ہوا۔

۴۔ خود اس واقعہ میں بہت سے اختلاف دیکھنے کو ملتے ہیں مثلاً بعض روایات میں ملتا ہے کہ فرشتے سبز لباس میں ملبوس تھے(۳) جبکہ دیگر روایات میں ملتا ہے کہ وہ سفید پوش تھے، اسی طرح بعض روایات میں ملتا ہے کہ پہلے آپؐ کا اپنی امت کے ساتھ موازنہ کیا گیا پھر آپؐ کے شکم اطہر کو ناف تک چاک کیا گیا(۴)

۱۔ تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۲۲۶ از مواہب اللدنیہ

۲۔ المواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۳۰

۳۔ تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۲۲۶

۴۔ تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۲۲۶۔ الروض الانف ج ۱ ص ۱۸۸

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جبکہ اس کے برعکس کچھ احادیث کا کہنا ہے کہ پہلے آپریشن ہوا اور بعد میں موازنہ کیا گیا(۱)۔ اس کے علاوہ بعض میں آیا ہے کہ آپؐ کے ساتھ جو کچھ ہوتا رہا آپؐ اچھی طرح اس کا مشاہدہ کرتے رہے اور یہ سمجھ بھی رہے تھے کہ کیا ہو رہا ہے(۲) جبکہ اس کے برعکس بعض دیگر میں یہ بات مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کچھ معلوم نہیں ہو سکا کہ کیا نکالا گیا ہے(۳)۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ فرشتے دو سارس پرندوں کی صورت میں آئے تھے اور اپنی چونچ کے ساتھ انہوں نے آپریشن کیا(۴) جبکہ اس کے برعکس دیگر رواتیوں میں فرشتے مردوں کی صورت میں آئے(۵) اور دیگر احادیث کے مطابق اصلی صورت میں آئے(۶) اور ان کے ہاتھوں میں سونے کا طشت تھا یا پھر زمرد کا طشت تھا(۷)۔

ان اختلافات سے یہ نتیجہ اخذ نہیں ہو سکتا کہ یہ واقعات متعدد مرتبہ ہوئے ہیں کیونکہ روایات کا یہ اختلاف ایک ہی وقت رونما ہونے والے واقعہ سے مربوط ہے البتہ بعض لوگوں نے روایات کے اس اختلاف کو یہی کہہ کر حل کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ واقعہ متعدد مرتبہ رونما ہوا۔(۸)

۵۔ یہ روایت اتنی پھیلی کہ اس نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم جیسی کتابوں میں اپنی جگہ بنالی ہے(۹)۔

۱۔ اکثر رواتیوں میں ذکر ہوا ہے۔ جناب حلیمہ کے واقعات کے ذیل میں بطور مثال مشاہدہ ہو: تاریخ الخمیس ج۱ ص۲۲۵ تا ۲۲۷، المواہب اللدنیہ ج۱ ص۳۰، سیرۃ ابن ہشام ج۱ ص۱۸۹و۱۹۰۔

۲۔ تاریخ الخمیس ج۱ ص۲۲۶، الروض الانف ج۱ ص۱۸۹۔

۳۔ سیرۃ ابن اسحاق ص۵۰، سیرۃ ابن ہشام ج۱ ص۱۸۹۔

۴۔ سیرۃ ابن اسحاق ص۵۱۔ تاریخ الخمیس ج۱ ص۲۲۶۔ الروض الانف ج۱ ص۱۸۹۔

۵۔ تاریخ الخمیس ج۱ ص۲۲۵و۲۲۶۔ سیرۃ ابن اسحاق ص۵۰۔ سیرۃ ابن ہشام ج۱ ص۱۸۹۔

۶۔ تاریخ الخمیس ج۱ ص۲۲۶۔ الروض الانف ج۱ ص۸۹۔

۷۔ المواہب اللدنیہ ج۱ ص۳۰۔

۸۔ الروض الانف ج۱ ص۱۸۹و۱۹۰۔

۹۔ ملاحظہ ہو۔ بخاری ج۳ کتاب الانبیاء باب۳۶ ح۳۲۲۸ صحیح مسلم ج۱ ص۱۰۱و۱۰۲ وصفۃ ابلیس وجنودہ ب۱۱ ح۳۲۸۶

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور بعض سادہ لوح افراد چونکہ ان کتابوں میں موجود ہر خشک وتر کو صحیح قرار دیتے ہیں اس لئے اسے قبول نہ کرنے اور اس پر تنقید کرنے کے باوجود یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ چونکہ یہ واقعہ ہماری حدیث کی کتابوں میں مرقوم ہے اس لئے اس پر ایمان لانا پڑے گا اور اسے ارہاصات نبوت میں شمار کیا جائے گا(۱) جبکہ بعض موقعہ پرست افراد کی جانب سے یہی بات مسلمانوں کے عقیدے پر تنقید کا باعث بنی ہے۔

چنانچہ ادھر سے ایک حدیث گھڑی گئی ہے کہ جب بھی کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس میں انگلی ڈالتا ہے سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کیونکہ جب وہ پیدا ہوئے تو شیطان اپنے معمول کا کام کرنے آیا لیکن اس کا ہاتھ پردے پر پڑا یا اس طرح نقل کرتے ہیں کہ ہر بنی آدم کو شیطان نے انگلی ڈالی ہے، سوائے حضرت مریم اور جناب عیسیٰ علیہ السلام کے اور ادھر سے یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ شق صدر کے وقت فرشتوں نے شیطان کا حصہ نکال دیا تھا جس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کے علاوہ شیطان نے تمام بنی آدم کے ساتھ گڑبڑ کی ہے حتیٰ کہ کوئی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس سے محفوظ نہیں رہا۔

یہاں تک کہ حضور کریم کی ذات بھی اس رجیم کے شر سے محفوظ نہیں رہی ہے، حالانکہ وقت ولادت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ نے "اُعِیذُہُ بِالْوَاحِدِ ......" کا ورد بھی کیا اور فرشتے بھی شیطان کے اس عمل اور اثر کو زائل کرنے میں ناکام رہے، یہاں تک کہ انھیں چار یا پانچ مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینۂ اقدس کو چاک کرنا پڑا تب کہیں جا کر شیطان کا حصہ آپؐ سے علیحدہ ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شیطان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں مسلمان ہو گیا؟! جبکہ خدا یہ فرماتا ہے کہ ﴿اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطَانٌ﴾ (۲) یا خود شیطان بھی اعتراف کرتا ہے: ﴿قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَھُمْ فِی الْاَرْضِ

۱۔ سیرۃ المصطفیٰ ص ۴۵ حادثۂ شق صدر، محمد رسول اللہ ﷺ در سالہ ج ۷ ص ۱۴۷ تا ۱۵۱۔

۲۔ سورہ حجر ۴۲۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

﴿وَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ﴾ (۱) کہ خدا کے مخلص بندوں تک شیطان کو کوئی دسترس حاصل نہیں ہے، تو کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے مخلص بندے نہیں یا شیطان کی طاقت (العیاذ باللہ) خدا سے زیادہ ہے یا قرآن کی صریح آیات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اسرائیلیات اور مسیحیات کو اسلامی مقدسات کا درجہ دیا گیا ہے؟ انہی احادیث اور روایات کو بنیاد بنا کر نصاریٰ اس کے درپے ہوئے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے وہ اپنے نبی یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی افضلیت کے قائل ہوں، انہی احادیث کو بنیاد بنا کر وہ یہ کہتے ہیں کہ تمام بنی آدم غلطیوں اور گناہوں میں ملوث ہیں لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام بشری طبقہ سے بلند ہونے کی وجہ سے ان چیزوں سے پاک اور معصوم ہیں اور وہ اسے انہی روایات اور احادیث سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔(۲)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ احادیث بالواسطہ یا بلاواسطہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کی منافی ہیں اس لئے قابل قبول نہیں ہیں، یہاں چند اور سوال بھی پیدا ہوتے ہیں کہ کیا اچھے اور برے کاموں کا سرچشمہ اور محرک خون کا ایک لوتھڑا یا دل میں موجود کوئی غدود ہو سکتا ہے؟ اگر ایسا ہے تو کیا وہ آپریشن سے نکالا جا سکتا ہے؟ اگر نکالا جا سکتا ہے تو کیا اس دور کی ترقی کے پیش نظر انسان اسے ڈھونڈ کر نکال سکتا ہے؟ تا کہ صرف ایک آپریشن سے وہ مجرم سے پرہیز گار اور ولی اللہ بن جائے؟ کیا نیکی اور برائی کا حکم دینے والے غدود کو دل اور شکم میں ہونا چاہئے یا مغز اور دماغ میں؟ اگر سائنس آج یہ ثابت کردے کہ بالفرض نیکی یا برائی کا حکم دینے والے غدود کا وجود ذہن میں ہے تو کیا شق صدر والی حدیث کو معتبر ماننے والے اسے بے اعتبار جاننے پر راضی ہو جائیں گے؟

۶۔ کیا فرشتوں نے پہلا ناکام آپریشن کیا تھا جو چار پانچ مرتبہ آپریشن کرنے کی ضرورت محسوس

۱۔ سورہ حجر ۳۹۔۴۰۔

۲۔ ملاحظہ ہو: اضواء علی السنۃ المحمدیہ۔ محمود ابوریہ ص ۱۸۵ تا ۱۸۹

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہوئی یا وہ کینسر کے غدود کی طرح موذی تھا، جو بار بار آپریشن کرنے کے باوجود بھی نہیں نکل رہا تھا، اگر ایسا تھا تو چوتھے یا پانچویں آپریشن کے بعد کیوں پیدا نہیں ہوا؟ کیا اس سے آپ صلی علیہ وآلہ وسلم صرف نیکی کرنے پر مجبور تصور نہیں کیے جائیں گے؟ اگر آپ صلی علیہ وآلہ وسلم نیکی کرنے پر مجبور ہیں تو پھر (نعوذ باللہ) آپ صلی علیہ وآلہ وسلم افضل کیسے ہوگئے؟ آپ صلی علیہ وآلہ وسلم کو تو مجبوراً نیکی کرنا پڑ رہی ہے جبکہ آپ کی امت، گذشتہ انبیاء اور ان کی امتیں برضا و رغبت نیکی کر رہی ہیں اور کرتی رہی تھیں (۱)۔

۷۔ گذشتہ انبیاء کے متعلق تو کہیں بھی تاریخ میں یہ نہیں ملتا کہ ان کا اس طرح سے آپریشن کیا گیا ہو، تو کیا یہ آپریشن ہمارے عظیم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے مخصوص تھا؟ یا سب انبیاء کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا تھا، اکثر مؤرخین اور سیرت نویسوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ واقعہ صرف حضرت ختمی مرتبت صلی علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ پیش آیا اور انہی کے متعلق ذکر ہوا ہے البتہ بعض کتب میں ایک روایت ذکر کی جاتی ہے جس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ آپ صلی علیہ وآلہ وسلم سے پہلے کے انبیاء کا بھی آپریشن ہوا تھا اور ان کے دلوں کو دھونے کی ضرورت پڑی تھی چنانچہ تابوت سکینہ والی حدیث (۲) میں آیا ہے کہ اس تابوت میں وہی طشت تھا جس میں انبیاء کے قلوب کو دھویا گیا تھا (۳)۔ طبری کے علاوہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں ابن عباس سے اس روایت کو منسوب کیا ہے، اگر شق صدر کو صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مخصوص کیا جائے تب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دوسرے انبیاء کو اس کی ضرورت کیوں محسوس نہیں ہوئی؟ کیا وہ اس شیطانی غدے سے پاک تھے اور یہ لوتھڑا ان میں نہیں تھا؟ یا ان انبیاء میں شیطان کے حصے کو رہنے دیا گیا؟ تاکہ شیطان ان پر اپنا تسلط جما سکے؟ یا اس وقت فرشتوں کو آپریشن کرنا نہیں آتا تھا؟ اگر دیگر انبیاء میں وہ غدہ نہیں

۱۔ مزید تفصیلات ملاحظہ ہوں: الصحیح من سیرۃ النبیؐ ج ۲ ص ۸۳ تا ص ۸۹ نیز اضواء علی السنۃ المحمدیہ ص ۱۸۵ تا ص ۱۸۹۔

۲۔ اس سے مراد وہ واقعہ ہے جس میں حضرت داؤدؑ اور جالوت کے درمیان جنگ ہوتی ہے اور حضرت داؤدؑ کو فتح حاصل ہوتی ہے۔ اس میں حضرت داؤدؑ کے لشکر میں ایک تابوت تھا جسے تابوت سکینہ (اطمینان) کہا جاتا تھا۔ قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر پایا جاتا ہے۔

۳۔ الروض الانف ج ۱ ص ۱۹۱، المواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۳۰۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تھا تو وہ آپؐ سے افضل ہوئے اور اگر ان میں لوتھڑا اور مفدہ و پایا جاتا تھا تو نکالا کیوں نہیں؟ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی چند احادیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام ان چیزوں سے مبرا تھے، اس کا مطلب ہوا کہ کم از کم حضرت عیسٰی علیہ السلام تو آپؐ سے افضل تھے!۔

اگر تسلیم کر لیا جائے کہ ابن عباس کی مذکورہ روایت ٹھیک ہے تو بھی چند سوال پیدا ہوتے ہیں: کیا وہ طشت فرشتے اپنے ساتھ نہیں لے جاتے تھے؟ اگر نہیں لے جاتے تھے تو وہ طشت کس کے پاس رکھا جاتا تھا؟ یا پیامبر اکرمؐ کے آپریشن کے بعد کس کے حوالے کیا گیا؟ اگر کتب تفاسیر میں رجوع کیا جائے تو سوائے ابن کثیر کی تفسیر کے باقی تفاسیر میں اس طشت کا ذکر نہیں ملتا ہے بلکہ اور چیزوں کا ذکر ملتا ہے جو بلاواسطہ طور پر انبیاء سے متعلق تھیں یہیں سے یہ گمان جڑ پکڑ لیتا ہے کہ گھڑنے والوں نے ایک حدیث گھڑ کے اسے جناب ابن عباسؓ اور دیگر شخصیات پر تھوپ دیا ہے تا کہ وہ اپنے قصہ کو بیان کر سکیں لیکن ان سے بہت سی غلطیاں سرزد ہوئیں جو بعد میں آنے والوں کے لئے آہستہ آہستہ واضح ہوتی گئیں، اس لئے عقل و شعور رکھنے والے بہت سے افراد نے اس واقعہ کو من گھڑت جانا ہے۔

۸۔ اس حدیث کا ذکر تو ہو چکا ہے جس میں جناب ابوذرؓ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت فرمایا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیسے معلوم ہوا کہ آپؐ نبیؐ ہیں؟ تو جواب میں آپؐ نے واقعہ شق صدر سنایا، اس واقعہ کی رو سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بچپن میں ہی معلوم تھا کہ آپؐ نبی ہیں، اگر ایک لمحے کے لئے اس روایت کو صحیح تسلیم کر لیں تو پھر ان احادیث اور روایات کا کیا کریں گے جن میں آیا ہے کہ غار حراء میں ابتدائی آیات کے نزول کے بعد حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی جان کا خطرہ لاحق ہو گیا اور (نعوذ باللہ) انہیں اپنی ذہنی حالت پر شبہ ہونے لگا تھا! بلکہ بعض روایات میں تو آیا ہے کہ آپؐ غار حراء سے نیچے کودنے پر تیار ہو گئے تھے۔(۱)

۱۔ ان احادیث کے متعلق ملاحظہ ہو الصحیح من سیرۃ النبیؐ ج ۲ حصہ ۲ ۱۲۸ اور تاریخ طبری و متعلقہ کتب۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۹۔ اگر ان روایات کے مجموعہ کو ذہن میں رکھ کر ایک اور روایت کا مطالعہ کیا جائے، جس میں زمانہ جاہلیت میں امیہ بن ابی صلت کے شق صدر کا ذکر ہے، افسانہ امیہ بن ابی صلت میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ وہ سویا ہوا تھا کہ دو پرندے آئے، ایک دروازے پر ٹھہر گیا لیکن دوسرا اندر آیا اور اس نے امیہ کا دل چیرا اور پھر دوبارہ واپس اپنی جگہ پر لوٹا دیا، پہلے نے پوچھا: ''کیا یہ کشادہ ہوگیا ہے؟ دوسرے نے کہا: ''ہاں''۔ پہلے نے پھر پوچھا کیا صاف ستھرا ہوا ہے؟'' جواب ملا کہ نہیں۔ اسی طرح ایک اور واقعہ میں ملتا ہے کہ وہ اپنی بہن کے گھر گیا اور گھر کے ایک حصہ میں پڑے تخت پر سو گیا، وہی کہتا ہے کہ گھر کے اس حصے کی چھت شگافتہ ہوئی اور دو پرندے داخل ہوئے ایک تو وہیں رہ گیا جبکہ دوسرا اس کے سینے پر بیٹھ گیا اور اس نے سینہ چاک کر کے دل نکالا، پہلے نے دوسرے پرندے سے پوچھا: ''کیا دل وسیع ہوگیا ہے؟'' اس نے کہا: ''جی ہاں''۔ پہلے نے پھر پوچھا: کیا اس نے قبول بھی کر لیا ہے؟'' ۔ دوسرے نے جواب دیا: ''نہیں''۔ پھر راوی کہتا ہے کہ انہوں نے اس کے دل کو واپس اپنی جگہ لوٹا دیا...... ۔ پھر وہاں بھی یہ تذکرہ ملتا ہے کہ شق صدر کا واقعہ اس کے ساتھ بھی چار مرتبہ پیش آیا!!!(۱)۔

کیا اس سے بھی واضح نہیں ہوتا کہ یہ واقعہ ایک من گھڑت افسانہ ہے جسے زمانہ جاہلیت میں گھڑا گیا ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تھوپ دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس واقعہ کے انکار سے اور اسے نہ ماننے سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں کمی ہوتی ہے؟ یقیناً نہیں، کیونکہ اس واقعہ کو عقیدت کی نگاہ سے دیکھنے والے بھی یہ اعتراف کرتے ہیں کہ اس واقعہ کے انکار سے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں ہرگز کمی نہیں ہوتی (۲) لیکن اس واقعہ کا انکار کرنے والوں کا دعویٰ ہے کہ اس واقعہ کو حقیقت ماننے سے آپؐ کی شان میں ضرور کمی ہوتی ہے پس ان احادیث و روایات کو صحیح نہ ماننا ہی بہتر ہے۔

۱۔ ملاحظہ ہو: الاغانی ز ابی الفرج اصفہانی ج ۴ ص ۱۲۵ تا ص ۱۲۷۔ دار الاحیاء التراث العربی بیروت۔

۲۔ محمد رسول اللہ منہج و رسالۃ ج ۱ ص ۱۵۰۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جناب آمنہ کی وفات:

اڑھائی یا تین سال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی والدہ کے پاس مستقل طور پر چلے جاتے ہیں اوران کی آغوش میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی بسر ہوتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ کو اپنے شوہر کی یاد ستاتی ہے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ام ایمن کو ساتھ لے کر مدینہ کا رخ کرتی ہیں جہاں بنی عدی بن نجار کے دارالنابغہ کے نام سے معروف گھر میں جناب عبداللہ کی قبر تھی یہ واقعہ تاریخ وسیرت کی مختلف کتابوں میں آپؐ کے حالات زندگی میں لکھا ہوا ہے۔ بہرحال وہاں تقریباً ایک ماہ رہنے کے بعد اس مختصر قافلے کا دوبارہ مکّہ کی طرف کوچ شروع ہوتا ہے، جب یہ قافلہ ابواء کے مقام پر پہنچتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ سخت بیمار ہو جاتی ہیں یہاں تک کہ وہ چلنے پھرنے سے بھی عاجز آجاتی ہیں اوراسی بیماری میں ان کا انتقال ہو جاتا ہے۔ آپؐ اور ام ایمن نے جناب آمنہ (س) کو وہیں دفنایا اور خود مکّہ کی طرف اپنے سفر کو جاری رکھا اور مکّہ پہنچ گئے(۱)۔

دادا کی آغوش میں:

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ کا انتقال ہوا تو ام ایمن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر مکّہ آئیں اورآپؐ کے دادا کے سپرد کیا، ساتھ ہی وہ خود بھی آپ کی پرورش کرتی رہیں۔ جناب عبدالمطلب کو اپنے اس پوتے سے خصوصی لگاؤ تھا۔(۲) بعض کتب میں ملتا ہے کہ جناب عبدالمطلب کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا علم تھا(۳)۔اسی لئے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہت خیال رکھا کرتے تھے۔

۱۔تاریخ خمیس ج۱ص۲۲۹-۲۳۰، وسیرۂ حلبیہ ج۱ص۱۷۲۔

۲۔تاریخ خمیس ج۱ص۲۲۹

۳۔جن کتب میں سیف بن یزن کا واقعہ ملتا ہے ان میں کہا جاتا ہے کہ جناب عبدالمطلب کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے متعلق پہلے سے ہی علم تھا، ملاحظہ ہو، تاریخ خمیس ج۱ص۲۳۹-۲۴۳ ومناقب آل ابی طالب ج۱ص۴۲

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جناب عبدالمطلبؑ کی جلالت شان اور قدر و منزلت کی بنا پر کعبہ کے سائے میں ان کے لئے بچھونا بچھایا جاتا تھا اور اس پر وہ اکیلے ہی بیٹھا کرتے تھے حتیٰ کہ ان کی تعظیم کی بنا پر ان کی اولاد بھی اس پر نہیں بیٹھتی تھی (۱) لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بچھونے پر سے ہوتے ہوئے اپنے دادا کے پاس چلے جاتے، آپؐ کے چچا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روکنے کے لئے آگے بڑھتے تو جناب عبدالمطلبؑ انہیں روک دیتے اور کہتے: "میرے بیٹے کو کچھ مت کہو، اسے آنے دو" اور پھر آپؐ کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے یا پشت کو تھپک کر کہتے: "میرے اس بیٹے کی شان ہی اور ہے" (۲) اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے (۳)۔

اسی طرح یہ بھی کہا گیا ہے کہ بنی مدلج کا قبیلہ قیافہ شناسی میں ماہر تھا انہوں نے جناب عبدالمطلب علیہ السلام سے کہا: "عبدالمطلب! اس نوجوان کی حفاظت کرو کیونکہ کعبہ کے مقام ابراہیم میں موجود قدموں کے نشانات اس کے قدموں کے نشانات سے بہت ملتے جلتے ہیں"۔ یہ سن کر انہوں نے جناب ابوطالبؑ سے کہا: "اپنے بھتیجے کے متعلق ان لوگوں کی بات غور سے سنو" اور آپ کی دائی ام ایمن سے کہا: "میرے بیٹے سے کبھی غافل نہ ہو کہ اہل کتاب کے گمان میں یہ اس امت کا نبی ہے" (۴)۔ جناب عبدالمطلبؑ جب بھی کھانا کھانے لگتے تو کہتے: "میرے بیٹے کو میرے پاس لاؤ" تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے دادا کے پاس لایا جاتا پھر وہ کھانا کھاتے۔(۵)

تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے کہ جب سیف بن ذی یزن حمیری حبشہ کا بادشاہ بنا اور عرب سردار اسے بادشاہی کی مبارکباد دینے کے لئے روانہ ہوئے تو جناب عبدالمطلبؑ بھی اسے مبارکباد دینے کے

۱۔ تاریخ خمیس ج ا ص ۲۳۹، سیرۃ ابن ہشام ج ا ص ۱۷۸، عیون الاثر ج ا ص ۹۹

۲۔ تاریخ الخمیس ج ا ص ۲۳۹، سیرۃ ابن ہشام ج ا ص ۱۷۸ تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ، عیون الاثر ج ا ص ۹۹

۳۔ عیون الاثر ج ا ص ۹۹

۴۔ تاریخ الخمیس ج ا ص ۲۳۹۔

۵۔ تاریخ الخمیس ج ا ص ۲۳۹، عیون الاثر ج ا ص ۹۹ طبقات الکبری ج ا ص ۱۱۸۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

لئے ایک وفد لے گئے۔ اس وقت سیف بن ذی یزن اپنے محل غمدان میں بڑی شان و شوکت کے ساتھ براجمان تھا، خوشبوؤں میں رچا دو سبز یمانی چادر اوڑھے دائیں بائیں سرداروں اور شاہزادوں کی محفل سجی ہوئی تھی کہ بادشاہ کو اس قافلے کے پہنچنے کی اطلاع دی گئی بادشاہ نے اندر آنے کی اجازت دی اور وہ اندر پہنچ گئے، جناب عبدالمطلبؑ آگے بڑھے اور بات کرنے کی اجازت چاہی، اس (بادشاہ) نے کہا: ''اگر بادشاہوں کے سامنے بات کرنے کی لیاقت رکھتے ہو تو تمہیں بولنے کی اجازت ہے''۔ جناب عبدالمطلبؑ نے بادشاہ کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے کہا: ''اے بادشاہ! خدا نے تجھے عظیم، اہم، بلند اور محترم مقام عطا فرمایا ہے، ایسی جگہ پرورش دی ہے جہاں کی بنیادیں محترم اور شاخیں بہترین ہیں، تم نے ہی ناپسندیدہ کاموں سے دوری اختیار کی ہے، عرب کے بے تاج بادشاہ اور قابل اعتماد ستون ہو، لوگوں کے مشکل کشا اور جائے پناہ ہو، تمہارے بزرگان بہترین بزرگ تھے اور تم ان کے سپوت ہو۔

تم جن کے بزرگ ہو گے وہ کبھی گمنام نہیں ہوں گے اور تم جن کے سپوت ہو وہ کبھی برباد نہیں ہو سکتے اور اے بادشاہ! ہم اہل حرم الٰہی اور بیت اللہ کے محافظ ہیں، ہمیں اسی ذات نے تمہارے پاس بھیجا ہے جس نے ہمیں سخت ترین مشکلات میں نجات دلائی ہے، اس لئے ہم تمہیں مبارکباد دینے والا وفد ہیں مصیبت زدہ گروہ نہیں'' تب سیف نے کہا: ''اے سخنور! تو بتا تو سہی ہے کون؟''۔ فرمایا: ''میں ہاشم کا بیٹا عبدالمطلبؑ ہوں'' بادشاہ نے کہا: ''ہمارے بھانجے!''۔ فرمایا: ''جی ہاں'' تب بادشاہ نے آپ کو اپنے نزدیک بلایا، اپنے قریب بٹھایا اور وفد کی طرف رخ کر کے کہا کہ خوش آمدید، سفر بخیر، بہت خوب اور ان کی خاطر مدارات کی۔

یہ وفد پورا ایک ماہ وہاں ٹھہرا رہا، ایک رات سیف نے علیحدگی میں جناب عبدالمطلبؑ سے کہا کہ میں تمہیں ایک راز کی بات کہنے والا ہوں، اسے تب تک چھپائے رکھنا جب تک خدا اس کی اجازت نہ دے کیونکہ خدا اپنا کام کر کے ہی رہتا ہے، جب جناب عبدالمطلبؑ نے اس بارے میں استفسار کیا تو اس نے کہا: ''اس وقت تہامہ میں ایک بچہ پیدا ہو چکا ہے جس کے دونوں کاندھوں کے درمیان تل کا سا نشان ہے وہ

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

قیامت تک رہبری کرے گا اور تم اس کی پشت پناہی کرو گے۔ اس وقت جناب عبدالمطلبؑ نے فرمایا: "تب تو میں یہاں سے تمام وفود سے زیادہ بہتر سوغات اور ہدیہ لے کر جا رہا ہوں، اگر بادشاہوں کی ہیبت اور رعب حائل نہ ہوتا تو میں اپنے ساتھ اس کے برتاؤ کے متعلق وہ سوال پوچھتا جو میری خوشی دوبالا کر دیتا"۔ اس نے کہا کہ یہی اس کی ولادت کا موقع ہے یا وہ پیدا بھی ہو چکا ہے اس کا نام محمدؐ ہے اس کے والدین وفات پا جائیں گے اور اس کے دادا اور چچا اس کی سرپرستی کریں گے وہ پیدا تو رات کو ہوا ہے لیکن خدا اسے مبعوث دن کو کرے گا، خدا ہم میں سے بھی اس کے کچھ مددگار پیدا کرے گا، اس کے علاوہ اور باتیں بھی کیں، جس پر جناب عبدالمطلبؑ نے فرمایا: "بادشاہ! تمہاری بادشاہت دائم اور شان اونچی رہے۔ کیا بادشاہ سلامت مجھے ساری بات مکمل کر بتائیں گے جبکہ بعض چیزوں کی وضاحت تو کر ہی چکے ہیں"۔ تب اس نے خانہ کعبہ اور بتوں کی قسم اٹھا کر کہا کہ اے عبدالمطلب! یقیناً تم ہی اس کے دادا ہو اور یہ بات جھوٹ نہیں ہے پس جناب عبدالمطلبؑ نے سجدۂ شکر ادا کیا۔

اس کے بعد اس بادشاہ نے اس وفد کو کچھ تحائف دیئے اور جناب عبدالمطلبؑ کو اس کے دس برابر دیئے جس پر اکثر اوقات جناب عبدالمطلب یہ کہا کرتے تھے: "اے قریشیو! بادشاہ کے زیادہ عطا سے کسی کو بھی میرے اوپر غبطہ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ چیز فانی ہے چاہے جتنا زیادہ بھی ہو اگر غبطہ اور حسرت کھانا ہی ہے تو اس چیز پر کھاؤ جس کا ذکر، فخر اور شرف میرے لئے اور میرے بعد میری نسل کے لئے باقی رہے گا"۔ جب ان سے پوچھا جاتا کہ وہ چیز کیا ہے؟ تو آپ فرماتے: "اس کے متعلق میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا"(۱)۔

یہ واقعہ عموماً کتب تاریخ میں نقل ہوا ہے لیکن دانشمند حضرات کے نزدیک اس واقعہ میں حضرت

۱۔ مناقب آل ابی طالب ج۱ ص۲۲ مطبوعہ دارالاضواء بیروت۔ از ابن بابویہ در اکمال الدین تمام النعمہ، ثعلبی در نزہۃ القلوب، تاریخ الخمیس ج۱ ص۲۳۹ نیز تاریخ کی دیگر بہت سے کتب۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

عبدالمطلبؑ کا وفد کی صورت میں سیف بن ذی یزن کو مبارک باد دینا صحیح ہے اور باقی داستان قصہ گو حضرات کی کرشمہ سازی ہے، یہی وجہ ہے کہ واقعہ کے آغاز وانجام میں اختلاف پایا جارہا ہے چنانچہ ایک طرف تو ذی یزن حضرت عبدالمطلبؑ سے پوچھتا ہے کہ تم کون ہو اور کیا تمہیں بادشاہوں سے بات کرنے کا ڈھنگ آتا ہے اور دوسری طرف واقعہ کے آخر میں اسے یہ بھی پتہ تھا کہ آپ آنحضرتؐ کے دادا ہیں!

جناب عبدالمطلب علیہ السلام کی وفات:

تاریخ نویسوں نے لکھا ہے کہ جناب عبدالمطلبؑ اپنی زندگی کے آخری ایام میں آنکھوں کی بینائی سے محروم ہوگئے تھے(۱)، جب جناب عبدالمطلبؑ کو اپنی رحلت کا یقین ہوگیا تو انہوں نے اپنی بیٹیوں کو اپنے سرہانے بلا کر ان سے اپنے اوپر مرثیہ پڑھنے کو کہا اور فرمایا: ''مجھ پر روؤ تاکہ مرنے سے پہلے میں اپنے کانوں سے سن سکوں کہ تم کیا کہتی ہو'' پھر ان کی بیٹیوں نے گریہ شروع کیا اور ان کے فراق میں مرثیے بھی کہے جو معروف کتابوں میں مذکور ہیں۔(۲)

کہتے ہیں کہ جب انہوں نے اپنی بیٹیوں کا نوحہ اور مرثیہ سنا تو سر کے اشارے سے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا اور کہا: ''میرے اوپر اسی طرح ہی گریہ کرنا'' اور چونکہ یہ بہت تفصیلی ہیں اس لئے یہاں ان کے ذکر سے چشم پوشی کی جاتی ہے۔

مشہور یہی ہے کہ جب حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک آٹھ سال تھی تب آپؐ کے دادا جناب عبدالمطلبؑ کی وفات ہوئی (۳) اور آپؐ اپنے چچا جناب ابوطالبؑ کی سرپرستی میں آگئے (۴)۔

۱۔ تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۲۵۳۔

۲۔ سیرۂ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۷۸ تا ص ۱۷۹۔ الروض الانف ج ۱ ص ۱۹۵ تا ص ۱۹۸

۳۔ سیرۂ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۷۸۔

۴۔ سیرۂ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۸۹۔ تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۲۵۳ و تاریخ وسیرت کی تمام کتب۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حضرت ابو طالبؑ کی زیر سرپرستی:

جناب ابو طالبؑ نہ ہی سب سے بڑے فرزند تھے اور نہ ہی مالدار آدمی تھے، حضرت علی علیہ السلام کا فرمان ہے کہ میرے والد نے حالت غربت میں سرداری کی ہے جبکہ ان سے پہلے کبھی بھی کسی غریب نے کوئی سرداری نہیں کی تھی، پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے چچا کی کفالت میں جانے کا سبب کیا تھا؟ بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ اس بارے میں تین اقوال موجود ہیں:

☆ پہلا قول یہ ہے کہ جناب عبدالمطلبؑ نے جناب ابو طالبؑ کو اس بارے میں وصیت کی تھی۔

☆ دوسرا قول یہ ہے کہ یتیم عبداللہ کی کفالت کے متعلق ان میں قرعہ اندازی ہوئی تو قرعہ جناب ابو طالب کے نام آیا۔

☆ تیسرا قول یہ ہے کہ خود جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب ابو طالب کے ساتھ رہنا پسند فرمایا(۱)۔

اس عظیم ذمہ داری کے سپرد ہونے کے بعد جناب ابو طالبؑ ہمہ وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں حتی کہ اپنی اولاد کی جان خطرے میں ڈال کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بچاتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر اپنا خاندان، قوم قبیلہ، تجارت، معاش اور آسائش وغیرہ سب چھوڑ دیتے ہیں اور یہ ان کے گہرے ایمان کی نشانی ہے۔

یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب عبدالمطلبؑ نے کیوں جناب ابو طالبؑ کو یتیم عبداللہؑ کی حفاظت اور کفالت کی ذمہ داری سونپی تھی اور جناب عبدالمطلبؑ یہ ذمہ داری سونپ کر مطمئن ہو گئے اور راہی ملک

۱۔ تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۲۵۳، مناقب آل ابی طالب ج ۱ ص ۲۲، الصحیح من سیرۃ النبی ج ۲ ص ۹۲ سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۸۹ اور دیگر کثیر کتب۔ اس بارے میں جناب عبدالمطلب کا یہ شعر بھی ملتا ہے: اوصیک یا عبد مناف بعدی بموحد بعد ابیہ فردی۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بجا ہوئے، جناب ابو طالبؑ بھی بقول مؤرخین کثیر العیال اور قلیل المال ہونے کے باوجود آپ کی کفالت جیسی عظیم ذمہ داری سے بطریق احسن عہدہ برآ ہوئے۔

شام کا پہلا تجارتی سفر:

مؤرخین کے بقول آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جوانی میں شام کی طرف سفر کیا تھا لیکن اس کی جزئیات میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے بعض مؤرخین نے اصل واقعہ میں بھی شک و تردید کا اظہار کیا ہے تفصیلی واقعہ کچھ اس طرح ہے:

ابن اسحاق کہتے ہیں جب جناب ابو طالبؑ قریش کے تجارتی قافلے کے ساتھ شام جانے لگے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب ابوطالب کے اونٹ کی مہار تھامتے ہوئے اپنے چچا سے فرمایا: ''مجھ یتیم کو کس کے حوالے کر کے جا رہے ہیں؟ خدا کا واسطہ مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلیں''(۱) اس وقت آپ کی عمر نو سے تیرہ سال کے درمیان بتائی گئی ہے(۲)۔ اس بات سے متاثر ہو کر جناب ابو طالبؑ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ساتھ لے لیا اور شام کی طرف روانہ ہو گئے جب یہ قافلہ شام کے علاقہ بصری کے مقام پر پہنچا تو وہاں اس نے پڑاؤ کیا، وہاں ایک عیسائی راہب رہتا تھا(۳)۔ یہ راہب ایک نہایت ہی گوشہ نشین آدمی تھا اس قافلے سے پہلے اس نے کسی بھی گزرنے والے قافلے بلکہ آدمی کی طرف توجہ نہیں کی تھی

۱۔ لیکن اس کے مقابلے میں شیخ صدوق سے اکمال الدین ص ۱۸۳ میں مروی ہے کہ جناب ابوطالبؑ نے شام کے سفر کا قصد کیا تو لوگوں نے آپؑ سے پوچھا کہ یتیم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا کرو گے؟ اسے کس کے پاس چھوڑو گے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں اس کو اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا۔ اور اسے ایک لمحے کے لئے بھی خود سے الگ نہیں کروں گا۔ مکمل تفصیل مذکورہ کتاب نیز تاریخ تحقیقی اسلام ج۱ ص ۲۳۳ میں ملاحظہ ہو۔

۲۔ شیخ صدوق کی روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر آٹھ سال بتائی گئی ہے۔ کمال الدین وتمام النعمۃ، تحقیق علی اکبر غفاری، موسسۃ النشر الاسلامی قم ایران ۱۳۶۳ش۔

۳۔ تاریخ صدر اسلام ۱۸۲ بعض اسے یہودی کہتے ہیں۔ دیرۃ حلبیہ ج۱ ص ۱۹۳۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

لیکن اس دفعہ نہ صرف وہ اپنی عبادت گاہ سے باہر نکلا بلکہ بہت زیادہ کھانا تیار کر کے اس نے پورے قافلے والوں کو دعوت دی، مؤرخین کی نگاہ میں اس کی وجہ یہ تھی کہ بحیرا(۱) اس قافلے پر سایہ فگن بادل کو دیکھ کر متعجب ہوا تھا، بادل کا ٹکڑا قافلے کے ساتھ ساتھ چلتا جا رہا تھا اور جہاں بھی قافلے والے خاص کر آنحضرتؐ جاتے بادل بھی وہاں جاتا (۲)۔ جس درخت کے نیچے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آرام فرمایا، بادل نے اس درخت پر اپنا سایہ کیا اور اس درخت کی ٹہنیوں نے بھی جھک کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سایہ کر دیا۔

قافلے والے سب اکٹھے ہو کر اس کے دسترخوان پر پہنچ گئے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کمسنی کی بنیاد پر سامان تجارت کی حفاظت کی غرض سے وہاں بیٹھے رہنے دیا، بحیراء نے اصحاب کاروان سے درخواست کی کہ اس بچے کو بھی اس دسترخوان پر بلا لیں تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلا لیا آپؐ کے آنے پر اس راہب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعضائے بدن کو ٹٹولنا شروع کر دیا، کھانے سے فارغ ہونے کے بعد قافلے والوں کے جانے کے وقت اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا:

''لات وعزیٰ کی قسم! جو بھی تم سے پوچھوں اس کا صحیح جواب دینا''۔ آپؐ نے فرمایا: ''خدا کی قسم لات وعزیٰ سے زیادہ میرے لئے کوئی اور چیز قابل نفرت نہیں ہے''۔ بحیرا نے کہا: ''اللہ کا واسطہ جو پوچھوں اس کا صحیح جواب دو''۔ پھر بحیرا نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اٹھک بیٹھک اور حالات زندگی کے متعلق کئی

۱۔ مؤرخین کے درمیان بحیرا کے نام میں اختلاف پایا جاتا ہے بعض نے اسے جرجیوں بتایا ہے، بعض نے اسے جرجیس اور بعض نے اسے سرجیس کہا ہے۔ سیرۂ حلبیہ ج ۱ص ۱۹۲۔

۲۔ اس روایت سے پتا چلتا ہے کہ قافلے والوں کو اس بات کا علم نہیں ہوسکا تھا۔ تاریخ صدر الاسلام صفحہ ۱۸۸ پر اس بات کو بنیاد بنا کر اس روایت پر اعتراض کیا گیا ہے لیکن یہ اعتراض بے جا ہے کیونکہ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ انہیں اگر پتہ بھی ہوتا تو وہ کیا کرتے؟ کیا وہ وہیں سے واپس کرتے؟ جبکہ ایسا کرنے سے ان سے سایہ چھن جاتا اور جناب ابو طالب تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو واپس کرنے پر رضامند بھی نہ ہوتے۔ جبکہ شیخ صدوق کی روایت میں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اس بات کا علم تھا۔ ملاحظہ ہو تاریخ تحقیقی اسلام ج ۱ص ۲۳۵۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سوال کئے اور پھر شانہ اقدس پر منقوش مہر نبوت کو دیکھا اور جب فارغ ہوا تو ابو طالبؑ کو بلا کر کہا: "یہ لڑکا یہاں تمہارے ساتھ کیوں ہے؟"۔ جناب ابو طالبؑ نے کہا: "یہ میرا بیٹا ہے"۔ بحیرا نے کہا: "نہیں یہ تمہارا بیٹا ہو ہی نہیں سکتا، یہ لڑکا یتیم ہے"، جناب ابو طالبؑ نے کہا: "یہ میرا بھتیجا ہے" بحیرا نے پوچھا اس کے باپ کا کیا ہوا؟" جناب ابو طالبؑ نے کہا: "ابھی یہ شکم مادر میں ہی تھا کہ اس کا باپ انتقال کر گیا" بحیرا نے کہا: "صحیح کہتے ہو اپنے بھتیجے کو مکہ لے جاؤ اور یہودیوں کی گزند سے بچاؤ کہ خدا کی قسم! یہودیوں نے اسے پہچان لیا تو اسے نقصان پہنچائیں گے، تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ مستقبل میں تمہارا بھتیجا بہت اونچے مقام کا مالک ہوگا، جتنی جلدی ہو سکے اسے واپس وطن لوٹاؤ"۔ جناب ابو طالبؑ نے جب یہ بات سنی تو انہوں نے جلدی جلدی اپنا کام نمٹایا اور مکہ واپس لوٹے (۱)۔

چند اہم نکات :

۱۔ جیسا کہ اس واقعہ کے ذکر میں بعض مقامات پر حاشیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کی روایت میں کافی حد تک اختلاف ہے، اسی واقعہ کو ابو موسیٰ اشعری نے بھی روایت کیا ہے مگر ابو موسیٰ اشعری کی روایت محققین کے نزدیک مندرجہ ذیل چند باتوں کی وجہ سے ناقابل اعتبار ہے:

الف: ابو موسیٰ اشعری اس واقعہ کے وقت موجود ہی نہیں تھے بلکہ سرے سے اس دنیا میں ہی نہیں تھے کیونکہ ابو موسیٰ اشعری بعثت سے صرف آٹھ یا دس سال قبل پیدا ہوئے جبکہ یہ واقعہ بعثت سے بتیس ۳۲ سال قبل وقوع پذیر ہوا ہے اور ابو موسیٰ اشعری کے مسلمان ہونے سے تقریباً پچاس سال پہلے رونما ہوا

۱۔ تاریخ طبری میں ابو موسیٰ اشعری سے روایت بھی تقریباً اسی طرح نقل ہوئی ہے البتہ اس میں پہلے تفتیش اور بعد میں کھانے کی دعوت کا ذکر ہے لیکن اس میں یہ بات قابل اعتراض ہے کہ راہب کی بات سن کر وہیں سے جناب ابو طالبؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابو بکر اور بلال حبشی کی حفاظت میں واپس مکہ روانہ کر دیا۔ ملاحظہ ہو: تاریخ تحقیقی اسلام ج ۲ ص ۹۵، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۷۸-۲۷۹، تاریخ صدر الاسلام ص ۱۸۴ و دیگر کتب۔ البتہ ایک اور روایت میں الفاظ کچھ اس طرح ہیں "و بعث معه ابو بکر بلالاً" یہاں ابو بکر بلال نہیں ہے بلکہ ابو بکر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بلال کو بھیجا اگر بعث کا فاعل ابو بکر ہو تو معنی یہ ہوگا۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہے، اس بنا پر ابو موسیٰ اشعری نے اپنی طرف سے اور کسی فرد سے نقل کئے بغیر یہ بات کیسے کہہ دی؟(۱)

ب: بلال حبشی بھی اس وقت پیدا نہیں ہوئے تھے (۲) اور اگر بالفرض یہ مان بھی لیں کہ وہ پیدا ہو بھی چکے تھے تب بھی وہ اتنے لمبے سفر کے قابل نہیں تھے علاوہ از این آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر سے کئی سال چھوٹے تھے (۳)، اس بنا پر وہ اپنے سے بڑے کی حفاظت کیسے کر سکتے تھے؟ نیز اس زمانے میں بلال امیہ بن خلف کے غلام تھے، اس بنا پر جناب ابو طالبؑ یا ابوبکر اسے اتنی آسانی سے کیسے احکامات دے سکتے تھے؟ وہ تو اس کے مالک نہیں تھے۔

ج: خود جناب ابوبکر بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو یا تین سال چھوٹے تھے، اس بنا پر جو اعتراضات جناب بلال کی عمر کے متعلق تھے وہ یہاں بھی ہیں، کیا یہ معقول ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی بڑی شخصیت کی حفاظت اور راہنمائی ابوبکر اور بلال جیسے چھوٹے افراد کریں؟

اس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایک جعلی روایت ہے اور اسے ایک خاص مقصد کے لئے گھڑا گیا ہے، ہماری اس بات کی تصدیق تاریخ الخمیس، سیرۂ حلبی اور سیرۂ مغلطائی (۴) کے ان الفاظ سے ہوتی ہے کہ دمیاطی نے اس روایت پر اشکال اور اعتراض کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ جناب ابوبکر تو سرے سے اس سفر میں تھے ہی نہیں، اسی لئے تو ذہبی نے کہا ہے کہ میرے خیال میں یہ خبر جعلی ہے، اسی طرح ابن کثیر البدایہ والنہایہ (۵) میں کہتے ہیں کہ یہ بات نا قابل قبول ہے کہ جناب ابو طالبؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان

۱۔ ملاحظہ ہو: تاریخ تحقیقی اسلام ج ۲ ص ۹۴، الصحیح من سیرت النبیؐ الاعظم ج ۲ ص ۹۵ نقل از متعدد کتب

۲۔ تاریخ صدر اسلام ص ۱۸۹۔

۳۔ الصحیح من سیرۃ النبیؐ الاعظم ج ۲ ص ۹۴ کے مطابق مختلف اقوال کی بنا پر وہ پانچ سال سے لے کر دس سال تک چھوٹا بتایا گیا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو: الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ ج ۱ ص ۱۶۵، و دیگر کتب۔

۴۔ تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۲۵۹، سیرۂ حلبی ج ۱ ص ۱۲۰ اور سیرۂ مغلطائی ص ۱۱۔

۵۔ البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۳۲۸۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

دو بچوں سمیت اتنے لمبے راستے اور خوفناک صحرا سے کیسے تن تنہا واپس بھیجا، اس بنا پر یہ روایت ناقابل قبول ہے، ان تمام باتوں کے باوجود دیار بکری مذکورہ روایت کو بنیاد بنا کر کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلان نبوت سے پہلے ہی ابوبکر کے دل میں آپؐ پر یقین پیدا ہو چکا تھا، اس لحاظ سے وہ مسلم اوّل تھے نیز اسی بات کو بنیاد بنا کر صفوری شافعی کہتے ہیں کہ جناب ابوبکر تو حضرت علی علیہ السلام کی ولادت سے پہلے ہی آپؐ پر ایمان لے آئے تھے(۱)۔ اسی طرح نووی کا خیال ہے کہ اس سفر میں ابوبکر کی عمر ۱۵ بلکہ بیس برس تھی اور جناب ابوبکر ۱۵ برس کی عمر میں ایمان لائے تھے(۲)

ان الفاظ سے واضح ہو جاتا ہے کہ مذکورہ روایت حضرت علی علیہ السلام کی اوّلیت اسلام کے مقابلے میں گھڑی گئی ہے تاکہ جناب ابوبکر کو حضرت علی علیہ السلام کی ولادت سے ہی پہلے مؤمن کہا جائے، جس کی وجہ سے کوئی بات ہی نہ کر سکے اور یوں نہ رہے بانس نہ بجے بانسری لیکن انہیں یہ نہیں معلوم کہ یہ عقلی تقاضوں کے برخلاف ہے، اگر ایسا ہے تو پھر جناب بلال کو کیوں مسلم اوّل نہیں کہا جاتا؟ کیا صرف ایک سفر کا ساتھ دل میں ایمان پیدا کر سکتا ہے؟ اگر ایسا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش کرنے والے، ہر سفر میں ساتھ رہنے والے، قدم قدم پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ دینے والے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کرنے والے جناب ابوطالبؑ کو مؤمن و مسلم اول کیوں نہیں کہا جاتا؟ نہیں معلوم انہیں اس سے زیادہ پختہ اور بے عیب دلیل کیوں نہیں ملی جو انہوں نے ایسی بے پایہ دلیل سے جناب ابوبکر کا ایمان اور ان کی سبقت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

۲۔ ابوموسیٰ اشعری کی روایت کے علاوہ باقی روایات میں اختلاف موجود ہے لیکن اتنا نہیں کہ جس کی رو سے اس واقعہ کا سرے سے انکار کر دیا جائے لیکن اس کے باوجود بعض مؤرخین نے مندرجہ ذیل دلائل

۱۔ ملاحظہ ہو: نزہۃ المجالس ج ۲ ص ۱۲۷ منقول از الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم ج ۲ ص ۹۶۔

۲۔ ملاحظہ ہو: تاریخ تحقیقی اسلام ج ۱ ص ۲۵۰ و ۲۵۱ ، الصحیح من سیرۃ النبیؐ ج ۱ ص ۹۵۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کی وجہ اس واقعہ کا انکار کیا ہے، ذیل میں منکرین کے دلائل کو تجزیہ کے ساتھ پیش کرتے ہیں:

الف: ابو موسیٰ اشعری والی روایت اور ابن عباس والی روایت کی جزئیات میں تضاد ہے، ابو موسیٰ اشعری والی روایت میں جناب ابوطالبؑ نے وہیں کلیسا سے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو واپس مکہ پہنچایا جب کہ ابن عباس والی روایت میں انہوں نے شام میں جلدی جلدی اپنا کام سمیٹا اور آپ کو خود واپس لائے لیکن جب یہ کہا جا چکا ہے کہ ابو موسیٰ اشعری کی روایت نا قابل اعتبار ہے تو یہ اعتراض ہی خود بخود ختم ہو جاتا ہے کیونکہ یہ روایت سرے سے تعارض اور مقابلے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی تو جب تعارض کا مقام ہی نہیں ہے تو اعتراض بھی بے جا ہوگا اسی طرح کے دیگر اختلافی اعتراضات بھی اسی بنیاد پر مردود ہوں گے۔

ب: مکہ میں کسی بھی مسلمان نے اہل مکہ کی بے پناہ تہمتوں اور الزامات کے مقابلے میں بحیرا کی پیشن گوئیوں اور بشارتوں کا سہارا نہیں لیا، اگر یہ ملاقات ہوئی تھی تو انہیں اہل مکہ کے مقابلے میں اس کا سہارا لینا چاہیے تھا اور یہ ایک معقول کام تھا (۱) لیکن تاریخ اس بارے میں بالکل خاموش ہے۔

یہ اعتراض بے جا ہے کیونکہ ہو سکتا ہے انہوں نے یہ بات کہی ہو اور یہ دلیل پیش کی ہو لیکن تاریخ اس بارے میں خاموش رہی ہو اور اس کے علاوہ اوائل بعثت میں شق القمر جیسے عظیم معجزات کے نظارہ کے باوجود مشرکین ایمان نہ لائے لیکن مسلمانوں نے اس کا بھی سہارا نہیں لیا یا اگر لیا بھی تو تاریخی کتب اس بارے میں خاموش ہیں کیا ان کا بھی انکار کر دیا جائے؟ ایسی چیزوں سے تب استفادہ کیا جاتا ہے جب تعلیمات کارگر نہ ہوں، جب اسلامی تعلیمات سے لوگ متاثر ہو کر تیزی سے مشرف بہ اسلام ہو رہے تھے تو انہیں ضرورت ہی کیا تھی عیسائی یا یہودی بشارتوں سے استفادہ کرنے کی؟ اس بنا پر یہ اعتراض نا قابل قبول ہے۔

ج: اسلام دشمن افراد جو ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے استاد گھڑنے میں مصروف تھے اور آپ

۱۔ تاریخ صدر اسلام ص ۱۸۹

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کا استاد ڈھونڈ ھنے میں لگے ہوئے تھے اگر بحیرا سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات سے مطلع ہوتے تو وہ اس سے بھی ضرور سوء استفادہ کرتے اور کہتے کہ بحیرا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استاد ہے اور اسی کی تعلیمات کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کے نام پر پیش کیا ہے، جس طرح جبر نامی رومی لوہار کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استاد کہا تھا(۱) البتہ بعد میں آنے والے مستشرقین نے اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استاد ضرور کہا ہے لیکن عصر نبوت کے دشمنوں نے اس کا نام نہیں لیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بعد کی پیداوار ہے اس دور کی نہیں۔(۲)

اس دلیل کے بجا ہونے میں بھی ہمیں شک ہے کیونکہ اس دور کے اسلام دشمنوں کے ان ملاقاتوں سے سوء استفادہ نہ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سرے سے یہ ملاقات یا یہ سفر ہی واقع نہیں ہوا، ہوسکتا ہے کہ یہ ملاقاتیں اتنی نہ ہوں کہ وہ ان سے سوء استفادہ کرسکیں۔

یہاں پر ایک اور بات بھی ذکر کرتے چلیں کہ زیادہ سے زیادہ اس راہب سے آپ کی ملاقات مشکوک ہوسکتی ہے، خود سفر کے وقوع میں شک نہیں کیا جاسکتا، اعتراض کرنے والے نے ایک تیر دو شکار کی طرح راہب کی ملاقات میں شک کو بنیاد بناتے ہوئے سرے سے سفر کا ہی انکار کردیا ہے لیکن جناب خدیجہ (س) سے آپ کی شادی سے پہلے والے سفر شام کا انکار نہیں کیا حالانکہ وہاں بھی تقریباً یہی صورتحال پیش آتی ہے، کیا اس کا بھی انکار کردیا جائے؟۔

و: سفر شام کے منکرین کی ایک دلیل یہ ہے کہ مذکورہ سفر میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک ۹ سال سے سترہ برس کے درمیان ذکر ہوئی ہے اور واضح ہے کہ کسی نو سال کے بچے کا اس دور کے پر مشقت

۱۔ مویطہ غلام نصرانی جسے جبر کہا کرتے تھے۔ تاریخ صدر اسلام ص ۲۰۸ نیز ملاحظہ ہو: سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۳۳، الروض الانف ج ۲ ص ۱۳۵، ۱۳۶، تفسیر قرطبی ج ۱۰ ص ۱۷۷، مجمع البیان ج ۶ ص ۲۰۰ ذیل آیۃ ۱۰۳ سورہ نحل، تفسیر روض الجنان وروح الجنان ذیل آیۃ ۱۰۳ سورہ نحل، اور دیگر تفاسیر اھل سنت وشیعہ۔

۲۔ تاریخ صدر اسلام ص ۱۸۹ و ۲۰۹ با تلخیص وتصرف۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور طولانی سفر میں ساتھ لے جانا نا معقول ہے اور یہ بھی معقول نہیں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارہ یا سترہ برس کی عمر میں جناب ابو طالب سے اتنا جذباتی لگاؤ رکھتے ہوں کہ ان کے سفر کرنے پر مچل جائیں، بالفرض یہ بھی مان لیں تو اس صورت میں جناب ابو طالبؑ کو وہی کام کرنا چاہیے تھا جو ہر سال سفر میں کرتے آ رہے تھے یعنی جیسے پہلے چھوڑ کر جاتے تھے اب بھی چھوڑ جاتے، اس کے علاوہ یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ آٹھ سے بارہ سال کی عمر میں ساتھ جانے کے لیے کیوں نہیں مچلے تھے؟ یا اگر مچلے بھی تھے تو جناب ابو طالبؑ کا ردِ عمل کیا تھا؟ (۱)۔

پھر انہوں نے واقعہ کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ نو برس کی عمر میں وہ سفر نا معقول ہے اور بارہ سے سترہ برس کی عمر میں وہ بے قراری نا معقول ہے، یہ بھی ہماری نظر میں بے جا اعتراض ہے اس لئے کہ حالات کے مطابق ہی عادات ہوتے ہیں اس زمانے میں کمسن بچوں کا طویل سفر کرنا نا معقول نہیں بلکہ عین ممکن ہیا سکے علاوہ مؤرخین جب آپ کی نشوونما کے متعلق قلم فرسائی کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نشوونما دوسرے عام بچوں سے ہٹ کر ہوئی، اس بنا اگر نو برس کی عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سفر ذکر کیا جائے تو اس میں کوئی قباحت نظر نہیں آنی چاہیے۔ اس لئے کہ اس صورت میں آپ ایک تنومند نوجوان تھے اور لمبے سفر کے قابل تھے۔

اس ساری تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ صرف ابو موسیٰ اشعری والی وہ روایت نا قابل اعتبار ہے جس میں ابوبکر اور بلال کا ذکر ملتا ہے، بقیہ روایات کی جزئیات میں اگرچہ تھوڑا بہت اختلاف پایا جاتا ہے لیکن یہ بات مسلّم ہو جاتی ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے چچا جناب ابو طالبؑ کے ہمراہ شام کا تجارتی سفر کیا تھا اور راستہ میں راہب بحیرا سے بھی ملاقات ہوئی اور گفتگو ہوئی تھی البتہ یہ ملاقات اتنی نہیں تھی کہ آپؐ اس سے کچھ سیکھ سکتے کیونکہ اس راہب نے قافلہ والوں کو جلدی کرنے کو کہا تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے آپؐ سے رسمی

۱۔ تاریخ صدر اسلام ص ۱۸۸۔۱۸۹

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

گفتگو بھی نہایت مختصر کی تھی چہ جائیکہ وہ آپ کا استاد کہلاتا، اس لئے تو عصر نبوت کے استاد گھڑنے والوں نے آپؐ کے استادوں میں بحیرا کا نام ہرگز ذکر نہیں کیا لیکن دیگ سے گرم چمچوں نے کئی سو سال بعد بحیرا کو آپ کا استاد ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے لیکن ایڑی چوٹی کا زور لگا کر بھی انہیں اس دعوے کی کوئی ٹھوس اور پختہ دلیل نہیں ملی، بہرحال ہماری نظر میں آپ کا شام کا یہ سفر صحیح ہے البتہ ابوبکر اور بلال کا ساتھ ہونا نامعقول اور بے بنیاد ہے جسے سبقت اسلام کو ثابت کرنے کے لئے گھڑا گیا ہے۔

☆☆☆

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تیسری فصل

آنحضرتؐ کا ذریعہ معاش

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذریعہ معاش

ہر انسان کو زندگی گزارنے کے لئے روٹی کپڑے اور مکان کی ضرورت ہوتی ہے اور ان کے حصول کے لئے کسی نہ کسی ذریعہ آمدنی کی ضرورت ہوتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معاملہ بھی اس قاعدہ سے مستثنیٰ نہیں ہے، آپ یتیمی کی حالت میں اپنے دادا کی زیر کفالت رہے، آٹھ سال کے ہوئے تو دادا انتقال کر گئے اور آپؑ اپنے چچا حضرت ابوطالبؑ کے پاس آگئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نشو ونما کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی خود کفیل ہونے کی جانب گامزن ہونے کے قابل ہو گئے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذریعہ معاش کیا تھا؟ اس بارے میں مؤرخین کے درمیان شدید اختلاف پایا جاتا ہے، بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ آپ بھیڑیں چرا کر اس کی مزدوری پر زندگی کا گزارہ کرتے تھے جبکہ اس کے مقابلے میں بعض دوسرے کہتے ہیں کہ آپ ایک تاجر تھے اور تجارت کے بل پر اپنی زندگی کا گزارہ کرتے تھے، دونوں نظریات کی تائید کے لئے کچھ قرائن وشواہد بھی ملتے ہیں لیکن کسی ایک نظریے پر کوئی قطعی دلیل نہیں پائی جاتی، ذیل میں دونوں نظریات کی جانب اشارہ کرتے ہیں

۱۔ مقدس چرواہا:

مؤرخین کے بقول آپؐ جوانی میں اپنے گھر والوں بلکہ اہل مکہ کی بھیڑ بکریاں چرایا کرتے، حتی کہ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ آپؐ مزدوری لے کر بھیڑ بکریاں چرایا کرتے تھے، بخاری اور اس جیسی کتابوں میں اس کا تذکرہ ملتا ہے۔(۱) لیکن یہ بات اہل بیت علیہم السلام سے اس طرح صراحت کے ساتھ مروی نہیں ہے بلکہ صرف یہی کہا گیا ہے کہ ہر پیغمبر نے مبعوث ہونے سے پہلے گلہ بانی کی ہے۔ (۲) اس بارے میں کئی احادیث اور روایات بھی متعلقہ کتب میں ذکر ہوئی ہیں جنہیں خواہش مند افراد مطالعہ

۱۔ فتح الباری فی شرح البخاری ج ۴ حدیث ۲۲۶۲، سیرۃ النبویہ دحلان ج ۱ ص ۱۵۱، سیرۃ حلبی ج ۱ ص ۱۲۵ و دیگر کتب

۲۔ علل الشرائع ص ۳۲، فروع کافی ج ۵ ص ۳۳ و دیگر کتب

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

فرما سکتے ہیں(۱)

بہت سے علماء اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے اجرت لے کر کسی کی بھیڑ بکریاں چرائی ہوں، اس مدعا کے لئے وہ کئی دلائل پیش کرتے ہیں جنہیں ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

ا۔ جن احادیث اور روایات میں اجرت کی بات ہوئی ہے ان میں "قراریط" کا لفظ آیا ہے، اس لفظ کے معنی اور مطلب میں اختلاف پایا جاتا ہے، بعض نے درہم اور دینار کی کچھ مقدار کے معنوں میں لیا ہے جس سے بعض کم قیمت چیزیں خریدی جا سکتی ہیں۔(۲) لیکن بعض نے "قراریط" کو مکہ کی ایک پہاڑی کا نام بتایا ہے جہاں آپؐ جا کر بکریاں چرایا کرتے تھے اور چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہاڑی پر جا کر بکریاں چراتے تھے اس لئے احادیث میں "علی" کا لفظ آیا ہے۔ اسی طرح دوسری روایت میں "اجیاد" کا لفظ آیا ہے جو ایک جگہ کا نام ہے(۳) جو اس بات کی دلیل ہے آنحضرتؐ نے اجرت لے کر کسی کی بھیڑ بکریاں نہیں چرائیں بلکہ وہ بھیڑ بکریاں اپنی یا خاندان والوں کی تھیں جو پیامبر اکرم قراریط یا اجیاد نامی پہاڑیوں پر چرایا کرتے تھے۔

۲: دوسری بات یہ ہے عرب درہم و دینار کے علاوہ "قراریط" نام کی کسی کرنسی کو نہیں جانتے تھے(۴)، پس قراریط کا مطلب پہاڑی ہو تو ان روایتوں سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہوگا کہ آنحضرتؐ اجرت پر کسی کی مزدوری کیا کرتے تھے اور اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیں کہ قراریط سے مراد کچھ پیسے ہیں تب بھی ان کی مقدار اتنی کم ہوگی کہ جسے بوڑھی عورتیں بھی بطور اجرت قبول نہ کریں(۵)

ا۔ گذشتہ منابع کے علاوہ ملاحظہ ہو تاریخ تحقیقی اسلام ج۱ ص ۷۲، الصحیح من سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ج۲ ص ۹۷ تا ۱۰۱ از مناقب آل ابی طالب ج۱ ص ۱۴۳، اسلام اور عدل ج۱ ص ۱۱ اور دیگر کتب

۲۔ اس روایت کو بخاری نے اپنی کتاب الاجارہ (باب اجرت) میں ذکر کیا ہے۔

۳۔ شاید قراریط کا دوسرا نام ہو یا اس کے نزدیک کسی جگہ کا نام ہے۔

۴۔ الصحیح من سیرۃ النبیؐ ج۲ ص ۹۸، تاریخ تحقیقی اسلام ج۱ ص ۱۲۸، فتح الباری فی شرح صحیح البخاری ج۴ ص ۵۵۶، ۵۵۷، ج۴ ص ۲۲۴۔

۵۔ الصحیح من سیرۃ النبیؐ ج۲ ص ۹۸

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas
jabir.abbas@yahoo.com

Presented by: Rana Jabir Abbas

اوراس سے گزر بسر بھی نہایت مشکل ہے جس سے آنحضرت کی کسر شان ہوتی ہے، اس لئے کہ اس صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی گزر بسر کے لئے چند پیسوں کے عوض دوسروں کی بھیڑ بکریاں چرانے جیسے محنت طلب اور پر مشقت کام کرنے پر مجبور ماننا پڑے گا۔

۳۔ مشہور مورخ یعقوبی نے بڑی صراحت کے ساتھ کہا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بھی کسی کی مزدوری نہیں کی (۱)۔ اس کے علاوہ اجرت والی روایات کی مخالف روایتیں بھی ذکر ہوئی ہیں، کیونکہ مذکورہ روایات میں آیا ہے کہ آنحضرتؐ مکہ والوں کی بھیڑ بکریاں چرایا کرتے تھے جبکہ دیگر روایتوں میں آیا ہے کہ آپؐ اپنے خاندان اور گھر والوں کی بھیڑ بکریاں چرایا کرتے تھے۔

اعلام الوریٰ میں تو یہاں تک آیا ہے کہ آپؐ جناب ابو طالبؑ کی بھیڑ بکریاں مکہ کی پہاڑیوں پر لے جا کر چرایا کرتے تھے (۲)۔ جس سے آپؐ کے اجرت لینے کی نفی ہوتی ہے۔ لیکن بعض مورخین نے یہ لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچپن سے ہی گلہ بانی کرتے تھے۔ (۳)

چند نکات:

۱۔ اکثر مورخین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چوپانی کو آپؐ کے پہلے سفر شام، جنگ فجار بلکہ حلف الفضول کے بعد ذکر کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے عملی زندگی میں قدم رکھنے کے بعد چوپانی کی ہے البتہ حالات و قرائن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپؐ نے عملی زندگی میں قدم رکھنے سے پہلے یہ کام انجام دیا ہے کیونکہ روایات میں ملتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبیلہ بنی سعد میں شیر خوارگی کے بعد اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ بکریاں چرانے کے لئے وادیوں، گھاٹیوں، پہاڑوں اور دروں کی طرف نکل

۱۔ تاریخ یعقوبی ج ۱ ص ۳۳۶ نیز البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۳۶۰ و مذکورہ منابع۔
۲۔ بنقل تاریخ تحقیقی اسلام ج ۱ ص ۲۶۸
۳۔ خاتم پیامبران ج ۱ ص ۲۳۵ و ۲۳۶

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جاتے تھے۔اس کے علاوہ آپؐ اپنے گھر والوں کی بھیڑ بکریاں چرایا کرتے تھے جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ آپؐ جناب ابوطالبؑ کی بھیڑ بکریاں چرایا کرتے تھے۔

۲۔زندگی کے اس موڑ پر بھی بعض مؤرخین نے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا دامن گناہوں سے آلودہ کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ان کے بقول جب آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نوجوانی میں مکہ میں بھیڑ بکریاں چرایا کرتے تھے تو دو بار انہوں نے مکہ میں رقص وسرور سے بھرپور شادی کی محفل کے نظارے کا ارادہ کیا لیکن دونوں بار آپؐ پر خدا نے نیند مسلط کر کے اس آلودگی سے بچالیا(۱)۔البتہ یہاں پر اس نکتہ کی طرف بھی اشارہ کرتے چلیں کہ آپؐ ترک گناہ اور انجام خیر پر مجبور نہیں تھے بلکہ آپؐ کے اجداد کی خاندانی شرافت، نیکی کے ماحول میں آپ کی پرورش، آپؐ کی نوری خلقت، فرشتے کی تربیت اور خدا کی حفاظت نے مل کر ایسا اثر کیا، آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم گناہ تو کجا گناہ کا ارادہ کرنے سے پرہیز کرتے تھے۔

۲۔تجارت:

تجارت میں قریش، عربوں کے درمیان بہت مشہور و معروف تھے اور اس قبیلہ کے بڑے بڑے بزرگ تاجر تھے، یہ اس وجہ سے تھا کہ مکہ کی زمین زراعت کے لئے بالکل نامناسب تھی بلکہ ایک بنجر زمین تھی دوسری طرف سے عربوں کے پاس ایسا کوئی ہنر اور ایسی صنعت بھی نہیں تھی جس سے وہ اپنا اقتصادی چرخہ چلا سکتے، اس علاقے میں تجارت کی رونق کی ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ مکہ، خانہ کعبہ کے وجود سے تمام لوگوں کے جمع ہونے کا مرکز تھا اور بیت اللہ کے زائر دور و نزدیک کے تمام علاقوں سے وہاں اکٹھے ہوتے تھے۔اس لئے ایام حج میں وہاں بازار لگتے تھے اور تاجر وہاں تجارت کرتے، اس کے ساتھ ساتھ وہاں شعری اور ادبی شامیں بھی منعقد ہوتی تھیں، اس لحاظ سے تجارتی معاہدوں کے ساتھ ساتھ ادبی مباحثے اور مناظرے ہوتے اور نتائج کا تبادلہ ہوتا تھا۔

۱۔خاتم پیامبران ج۱ص ۲۲۸-۲۲۹، تاریخ تحقیقی اسلام ج۱ص ۲۵۴ مع حواشی

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

قریش کے امیروں کا ذریعہ معاش تجارت، متوسط طبقہ بھی اپنی بساعت کے مطابق تجارت میں معروف تھا۔اس بنا پر مکہ کے تھوک کے تاجروں کا ذریعہ معاش درآمد اور برآمد تھا جبکہ پرچون کے چھوٹے تاجروں کا ذریعہ معاش داخلی تجارت تھی اور تہی دست اور بے مایہ افراد کا ذریعہ معاش بھیڑ بکریوں اور مویشیوں کی چرائی تھی اس لئے تجارت پر مبنی اس معاشرے میں رہنے کا تقاضا یہ تھا کہ آپؐ متوسط طبقہ اور اپنے دولت مند قبیلے کا ذریعہ معاش یعنی تجارت اپنائیں۔

اس بنا پر یہ کہنا بجا ہوگا کہ آپؐ نے بچپن میں اپنے گھر والوں کے چوپاؤں کے لئے چوپانی کے فرائض انجام دیے اور نوجوانی میں قدم رکھتے ہی آپؐ نے تجارت کا رخ کیا اور یہ بات آپ کے شایانِ شان بھی ہے اور اس معاشرے کے مناسب حال بھی البتہ بعض محققین اس بات کی نفی کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں متعدد دلائل پیش کرتے ہیں۔ذیل میں مذکورہ افراد کے دلائل کے ساتھ ساتھ تجزیہ بھی قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں:

منکرین تجارت مندرجہ ذیل باتوں کی وجہ سے تجارت کا انکار کرتے ہیں:

۱۔اجرت پر بھیڑیں چرانے والی روایات کی موجودگی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ تجارت میں مشغول نہیں تھے۔

۲۔تجارت میں معروف ہونے کے متعلق کسی مستند روایت کا موجود نہ ہونا۔

۳۔مکہ میں امین کے لقب سے آپ کی شہرت اس بات کی علامت ہے کہ آپؐ سفر وغیرہ پر تشریف نہیں لیکر جاتے تھے کیونکہ اس دور میں عموماً امین اسے بنایا جاتا تھا جو سفر کم کرے تاکہ مشکل پڑنے پر باآسانی امانت وصول کی جاسکے۔

۴۔آنحضرتؐ حضرت ابوطالبؑ کے زیر کفالت تھے اور ان کے پاس اتنا سرمایہ نہیں تھا کہ جس کے ذریعہ تجارت کی جاسکتی۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۵۔ حضرت خدیجہؓ کی جانب سے تجارت کی پیش کش کے بعد حضرت ابوطالبؑ کی جانب سے تجارت کے لیے اصرار اس بات کا ثبوت ہے کہ آپؐ تجارت میں مشغول نہیں تھے۔

اجرت والی روایات کا تو پہلے جائزہ لیا جا چکا ہے، اس لئے کہ یہ بات نہ آپؐ کے شایان شان ہے اور نہ ہی ثابت، نیز جناب ابوطالبؑ کا اصرار بھی اس بات پر دلیل نہیں بن سکتا کیونکہ بہ فرض ثبوت جناب ابوطالبؑ نے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو ایسا صرف ایک بار کہا تھا، اس واقعہ کی الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب ابوطالبؑ پر اس وقت سخت اور مشکل گھڑی آن پڑی تھی، اس وجہ سے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اس کام پر ابھارتا کہ وسیع تجارت کے ذریعہ مشکلات پر قابو پایا جاسکے اس کے کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مالی بے بضاعتی بھی آپؐ کے تاجر نہ ہونے پر دلیل نہیں ہو سکتی اس لئے کہ خود جناب ابوطالبؑ بھی کثیر العیال اور تنگدست ہونے کے باوجود تجارت کرتے تھے۔

''امین'' کے لقب سے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شہرت آپؐ کے تاجر نہ ہونے پر ایک دلیل ہے۔ تاریخ صدر اسلام کے مصنف کہتے ہیں کہ قدیم مشرقی معاشروں میں بلکہ انہی آخری دہائیوں تک اکثر شہروں اور دیہاتوں میں لوگ اپنے اخراجات سے بچ جانے والی فاضل آمدنی یا پونجی کو بطور امانت ایسے معتمد افراد کے سپرد کرتے تھے، جن کے حالات، معاشی صورتحال، دائمی سکونت اور سفر نہ کرنے کی متقاضی ہوتی تاکہ ضرورت پڑنے پر فوراً اسے حاصل کر سکیں۔

اگر چہ تاریخی منابع آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ''امین'' کے لقب سے شہرت کی بابت خاموش ہیں لیکن تھوڑی سی دقت اور تامل سے اس کی وجہ واضح ہو جاتی ہے کہ مکہ کے معاشرہ میں آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم لوگوں کے امانت دار بلکہ بہترین امانت دار تھے، اسی لئے محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم امین کے نام سے معروف ہو گئے، جس سے نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم تجارت پیشہ ہوتے اور ہمیشہ سفر اور نقل مکانی کی حالت میں رہتے تھے تو مکیوں کو انہیں اپنا امین اور امانت دار نہیں بنانا چاہیے تھا یہ بات تاکیداً دوبارہ کہی جاسکتی ہے کہ مشرقی معاشروں کے امانت دار عام طور پر اپنے وطن میں سکونت پذیر ہوتے تھے اور بہت ہی کم سفر پر جایا

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کرتے تھے"(۱)۔

اس دلیل کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ آنحضرتؐ کی "امین" کے لقب سے شہرت کی وجوہات نامعلوم ہیں اور یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کب سے اس لقب سے ملقب ہوئے، یہ بات تو یقین سے کہی جاسکتی ہے آپ اگرچہ فطرتاً امین اور صادق تھے لیکن بچپن سے لے کر شباب تک اہل مکہ کے درمیان ان القابات سے مشہور نہیں ہوئے تھے، پس امین کے لقب سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہرت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجارت کے مانع ہے تو شباب تک یہ مانع مفقود ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس دوران ممکن ہے آپ تجارت میں مصروف رہے ہوں اور یہی امکان ان کے استدلال کو کمزور کر دیتا ہے۔ اس کے علاوہ ہوسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ لقب انہی تجارتی سفروں میں ملا ہو۔

اس کے علاوہ آپؐ کے تجارت پیشہ ہونے پر کئی اور دلائل بھی ملتے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کے منافی نہیں ہیں بلکہ بعض روایات میں تو آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب خدیجہ (س) کے تجارتی شریک کی حیثیت سے تجارت کے لئے شام جایا کرتے تھے (۲)۔ اس روایت اور اس جیسی دیگر روایات کو صحیح تسلیم کرنے کی صورت میں یقین کرنا پڑے گا کہ آپ کا ذریعہ معاش تجارت تھا کیونکہ کاروباری معاملات کی بنیادی طور پر چار صورتیں فرض کی جاسکتی ہیں:

۱۔ انسان خود اپنے پیسوں سے کوئی نہ کوئی ذریعہ معاش اپنالے، یہ صورت آنحضرتؐ کے معاملے میں اس لئے متصور نہیں ہے کہ مؤرخین کے بقول آپؐ کے پاس اپنا ذاتی مال اور پونجی اتنی نہیں تھی جس سے آپ وسیع پیمانہ پر تجارت کرتے۔

۲۔ انسان اپنی پونجی سے دوسرے آدمیوں کو اجرت پر ملازم رکھے اور وہ اس کے لئے کمائیں، پہلی

۱۔ تاریخ صدر اسلام (عصر نبوت) ص ۱۸۹ تا ۱۹۰۔

۲۔ ملاحظہ ہو تاریخ تحلیلی اسلام ج ا ص ۲۳۵۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

صورت کے رد ہونے کی صورت میں آپؐ کے حق میں اس صورت کی بھی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

۳۔انسان کے پاس سرمایہ نہ ہو تو کسی صاحب ثروت کی ملازمت کرے، یعنی اجرت لے کر اس کا کام کرے، یہ صورت بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے نا قابل تصور اور نا معقول ہے۔

۴۔انسان کسی دوسرے شخص کے ساتھ مل کر کوئی کام کرے، یہ صورت ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اور شخصیت سے میل کھاتی ہے نیز روایات میں بھی آپؐ کے شریک کا تذکرہ ہوا ہے اور وہ جناب خدیجہ(س) ہیں اور بعض کتب میں آپ کا ایک اور شریک بھی ذکر کیا گیا ہے، جس کا نام سائب ابن ابی سائب تھا، اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ اس کی شراکت پر راضی تھے اس لئے کہ اس میں ایسے کردار اور اخلاق کی جھلک نظر آتی تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اخلاقیات سے سازگار تھا۔(۱)

البتہ اس کی صحت یا سقم کی یہاں گنجائش نہیں ہے لیکن اس سے ایک بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ آپؐ شراکت کے ساتھ تجارت کیا کرتے تھے، تاریخ میں صراحت کے ساتھ ایسی روایات بھی موجود ہیں جن میں آیا ہے کہ آپؐ جناب خدیجہ(س) کے تجارتی شریک کی حیثیت سے شام جایا کرتے تھے اور مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک ایک ماہ کا فاصلہ تھا(۲)۔جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجارت صرف مکہ کی حدود کے اندر محدود نہیں تھی بلکہ آپؐ شام تک بھی جایا کرتے تھے۔

ان تمام واقعات اور روایات کو اس طرح سے جمع کیا جا سکتا ہے کہ بچپن میں آٹھ یا نو سال کی عمر تک آپؐ اپنے گھر والوں کی بکریاں قراریط اور اجیاد نامی پہاڑوں پر چرایا کرتے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آٹھ یا نو سال کے ہوئے اور اپنی نشو نما کے لحاظ سے نوجوان ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اجدادی پیشہ یعنی تجارت سے آشنا کرانے کے لئے شام کے سفر پر لے جایا گیا جو شام کے پہلے سفر کے نام سے معروف ہے

۱۔خاتم پیامبران ج۱ ص۲۶۰

۲۔تاریخ تحقیقی اسلام ج۱ فصل۲ ص۲۳۵ منقول از تفسیر منسوب بہ امام حسن عسکری ص۶۰۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

لیکن آپ، جناب ابو طالبؑ کی مالی بضاعت کم ہونے کی وجہ سے وسیع پیمانہ پر تجارت تو نہ کر سکے لیکن ایک یا چند افراد سے مل کر مکہ میں چھوٹے پیمانے پر تجارت شروع کر دی، آپؐ نے تجارت میں محنت اور دیانت داری سے کام لیا اور اپنی فطری ایمان داری، دیانت داری اور صداقت سے تجارت کی تو باعزت طریقے سے زندگی گزارنے کے ساتھ ساتھ لوگوں میں "صادق" اور "امین" کے لقب سے معروف بھی ہو گئے یہی وجہ تھی کی جناب ابو طالبؑ کے مشورہ سے آپؐ نے جناب خدیجہؑ سے شراکت پر تجارت کا تقاضا کیا تو انہوں نے برضا ورغبت ہامی بھر لی اور آپؐ نے شام کا وہ سفر کیا جو دوسرے تجارتی سفر کے نام سے معروف ہے(۱)۔ وگرنہ چاہے کوئی فرد جتنا بھی قابل اعتماد ہو کسی دوسرے فرد سے شراکت کا پہلی مرتبہ تقاضا کرتے وقت اسے فوراً مثبت جواب ملنے کی امید بہت کم ہوتی ہے اور شام کا وہ کامیاب سفر اس بات کی علامت ہے کہ آپ صحیح اور جائز تجارتی رموز اور اصولوں سے بخوبی واقف تھے۔

اس کے بعد بھی آپؐ نے جناب خدیجہ(س) کی شراکت سے کئی تجارتی سفر کئے اور یہی آشنائی بعد میں ان دونوں بزرگوں کی وصلت کا سبب بنی، یہ تحلیل اور تفسیر قرین قیاس بھی لگتی ہے اور اس کے لئے قرائن وشواہد بھی ملتے ہیں۔

جنگ فجار:

لفظ "فجار" اصل میں "فاجر" کا مصدر ہے جو باب مفاعلہ سے ہے۔ اس لحاظ سے "فجار" کا مطلب فسق وفجور اور گناہ کبیرہ کی انجام دہی میں ایک دوسرے پر سبقت لینا اور ایک دوسرے کا مقابلہ کرنا ہوگا۔

قرآن مجید میں آیا ہے "خدا کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہے" جب سے خدا نے آسمانوں اور زمین کو خلق کیا ہے تب سے یہ تعداد کتاب خداوندی (لوح محفوظ) میں مقدر ہو چکی ہے جن میں سے چار حرام مہینے ہیں، اور یہ ایک پائیدار سنت ہے، پس ان مہینوں میں کسی پر ظلم نہ کیا جائے اور ان سب مشرکوں سے

۱۔ تجارت کے متعلق خاتم پیامبران ج۱ص ۲۶۰ تا ۲۶۳ کی عبارت ہماری اس تحلیل کی شاہد ہے۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جنگ کرو جو تمہارے ساتھ جنگ کریں اور یہ جان لو کہ خدا پرہیزگاروں کے ساتھ ہے"۔(۱)

جس طرح خدائی سنت ہے کہ بارہ مہینوں میں سے چار مہینے ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب حرام ہیں، اسی طرح عدنانی عربوں کی رسم میں بھی چار مہینے حرام تھے جن میں جنگ اور لڑائی جھگڑا ممنوع اور حرام تھا۔ لیکن اس رسم کے باوجود مکہ اور اسکے اطراف میں رہنے والے ان مہینوں میں لڑائی جھگڑے کے مرتکب ہوئے اور چونکہ یہ جنگیں ان مہینوں میں لڑی گئیں تھیں اس بنا پر انہیں جنگ فجار کے نام سے یاد کرتے ہیں۔(۲)

بعض مورخین نے بنی ہاشم اور خاص کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جنگ میں شرکت کا واقعہ ذکر کیا ہے، روایات کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چوتھے دن اس جنگ میں شریک ہوئے اور آپؐ کے وجود کی برکت سے قریش اور بنی کنانہ ہاری ہوئی جنگ جیتنے لگے اور انکی کمزور پوزیشن مضبوط ہونے لگی، اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ ابتداء میں قیسیوں کو قریشیوں پر غلبہ حاصل تھا لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرکت کے بعد قریشیوں کو غلبہ حاصل ہوا، اس وقت عبداللہ بن جدعان قریش کا سردار تھا اور نبی کریمؐ کی شرکت کی برکت سے قریشیوں کی یہ کامیابی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی ایک علامت تھی کیونکہ اس سے پہلے جناب ابوطالبؑ نے بنی ہاشم کو اس جنگ میں شرکت سے منع کرتے ہوئے کہا تھا: "یہ کام (اس جنگ میں شرکت) ظلم، کینہ توزی، قطع رحمی اور حرام مہینے کے بے حرمتی ہے۔ میں اور بنی ہاشم کا کوئی بھی فرد اس جنگ میں شرکت نہیں کرے گا"(۳)۔

حرب بن امیہ اور عبداللہ بن جدعان تیمی نے کہا: "جس معرکہ سے بنی ہاشم غائب ہوں ہم بھی

۱۔ سورۂ توبہ آیت ۳۶۔

۲۔ تاریخ صدر اسلام "عصر نبوت" ص ۱۰۸۔

۳۔ تاریخ صدر اسلام ص ۱۰۸۔

jabirabbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس میں شرکت نہیں کریں گے"۔ اس لئے انہوں نے زبیر بن عبدالمطلب اور بنی ہاشم کے چند افراد کو اپنا ہم نوا بنالیا(۱)۔ انہوں نے جناب ابوطالبؑ سے کہا: "اے پرندوں کو غذا دینے والے اور حاجیوں کو سیراب کرنے والے کے سپوت! ہمیں اکیلا مت چھوڑو کہ تمہاری شرکت کی برکت سے ہمیں کامیابی مل سکتی ہے"۔ جناب ابوطالبؑ نے کہا: "ظلم، کینہ توزی، قطع رحمی اور تہمتوں سے پرہیز کرو تو ہم تمہارے ساتھ ہیں" انہوں نے کہا: "قبول ہے"۔ اس کے بعد وہ جنگ میں شریک ہوئے۔ بعض راویات کے مطابق آپؑ نے ابو براء ملاعب الاسنہ پر وار کر کے اسے گھوڑے سے گرایا، جس کی وجہ سے کامیابی حاصل ہوئی(۲)۔

لیکن یہ سب واقعات اور روایات ہماری نظر میں بے بنیاد ہیں کیونکہ ان میں ایسی باتیں ہیں جو نا معقول ہونے کے ساتھ ساتھ جعلی ہونے کا ثبوت دیتی ہیں، اس بارے میں علامہ جعفر مرتضیٰ عاملی کے افادات کا خلاصہ کچھ یوں ہے:

الف: جنگ فجار حرام مہینوں میں لڑی گئی اور ہم کہیں نہیں دیکھتے کہ جناب ابوطالبؑ اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان مہینوں کی حرمت پامال کی ہو البتہ بعض افراد نے اس کی توجیہ کچھ اس طرح سے کی ہے کہ جنگ فجار کے اسباب حرام مہینوں میں فراہم ہوئے جبکہ خود یہ جنگ شعبان یا شوال میں لڑی گئی(۳)۔ لیکن یہ تاویل بھی من گھڑت اور نا قابل اعتماد ہے اور تاریخی لحاظ سے بھی اس کی کوئی سند نہیں ملتی۔

ب: اس جنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرکت سے متعلق روایات میں آپؐ کے کردار کے متعلق بھی اختلاف پایا جاتا ہے، بعض روایات میں آیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کام فقط اپنے چچوں

۱۔ ملاحظہ ہو: تاریخ یعقوبی ج ۱ ص ۳۳۶۔۳۳۷

۲۔ ملاحظہ ہو: تاریخ تحقیقی اسلام ج ۱ ص ۱۵۵ تا ۱۵۸، تاریخ یعقوبی ج ۱ ص ۳۳۷۔

۳۔ سیرۂ حلبیہ ج ۱ ص ۱۶۸ میں یہ توجیہ بیان کی گئی ہے، لیکن سوال یہاں پر یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر اسے جنگ فجار کیوں کہتے ہیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کو تیر فراہم کرنا تھا، آپؐ دشمن کے چلے ہوئے تیر جمع کر کے انہیں دیتے تھے اور ان کے سامان کی حفاظت کرتے، کچھ اور روایات بتاتی ہیں کہ آپؐ نے چند ایک تیر بھی چلائے جبکہ آپؐ ایک تیر بھی نہیں چلانا چاہتے تھے۔ یعنی کہتے تھے کہ کاش ایک تیر بھی نہ چلایا ہوتا، تیسری قسم کی روایات کہتی ہیں کہ آپؐ نے ابو البراء ملاعب الاسنہ کو نیزہ مار کر گھوڑے سے گرایا(۱)۔

اس کے علاوہ اور تضادات بھی سامنے آتے ہیں بطور مثال یعقوبی کی روایت میں آیا ہے کہ حرب بن امیہ نے اس جنگ میں سرے سے شرکت ہی نہیں کی جبکہ دیگر روایات کہتی ہیں کہ وہ نہ صرف جنگ میں شریک تھا بلکہ قریش کا سردار بھی تھا، جس سے سازش کی ایک بو آتی ہے کہ حرب بن امیہ جیسے آدمی کو تو حرام مہینوں کی حرمت پامال کرنے سے دور رکھا جا رہا ہے، جبکہ بنی ہاشم خاص کی جناب ابو طالبؑ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی شخصیات کو اس میں ملوث کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے(۲)۔

ج: روایات میں آیا ہے کہ جناب ابو طالبؑ کو اس جنگ میں شرکت کی پیشکش کی گئی تو انہوں نے پہلے کہا کہ یہ کام تو کینہ توزی، ظلم، قطع رحمی اور ماہ حرام کی بے حرمتی ہے اور بنی ہاشم کا کوئی بھی فرد اس میں شریک نہیں ہوگا لیکن جب انہوں نے جناب ابو طالبؑ کی منت سماجت کی تو انہوں نے پسیج کر کہا: ''ٹھیک ہے تم وعدہ کرو کہ ظلم، عداوت، قطع رحمی اور الزام تراشیوں سے پرہیز کرو گے تو میں شریک ہوتا ہوں''۔ انہوں نے صرف ''قبول ہے'' کہہ دیا اور جناب ابو طالبؑ اس میں شریک ہو گئے، اس واقعہ کا صدر اس کے ذیل سے ہی متضاد ہے؟ کیونکہ ایک طرف سے وہ قریشیوں سے گناہوں سے بچنے کا وعدہ لے رہے ہیں لیکن دوسری طرف سے یہ وعدہ لینے کے بعد وہ خود گناہ کے مرتکب ہو جاتے ہیں، اس لئے کہ ماہ حرام کی حرمت شکنی ایک گناہ متصور ہوتی تھی اور ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اس واقعہ اور دیگر واقعات میں قریش خاص کر

۱۔ تاریخ یعقوبی ج ۱ ص ۳۲۷

۲۔ ملاحظہ ہو: الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم ج ۲ ص ۱۳۷ تا ۱۴۰

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حرب بن امیہ کا دستہ ظلم کا مرتکب ہو رہا تھا اور ظالم کی مدد اور حمایت بھی ظلم ہے، پس حضرت ابو طالبؑ بھی ظلم کے مرتکب ہو رہے ہیں، اس کے پیچھے پیچھے رسولؐ خدا کو بھی شامل کیا جا رہا ہے اور خود شامل کرنے والوں کو بھی معلوم تھا کہ یہ فعل نہایت قبیح ہے، اسی لئے تو انہوں نے رسولؐ خدا کی زبانی یہ پچھتاوہ بھی رقم کرا دیا کہ کاش میں اس میں شریک نہ ہوا ہوتا۔ پس ان وجوہات کی بنا پر جنگ فجار میں بنی ہاشم خاص کر جناب ابو طالبؑ اور رسولؐ خدا کی شرکت ہمارے نزدیک نامعقول اور من گھڑت ہے۔

حلف الفضول:

جنگ فجار کے اختتام کے کچھ عرصہ بعد ذیقعدہ کے مہینے میں حلف الفضول کا واقعہ رونما ہوا، حلف کا مطلب قسم اور عہد ہے اور فضول، فاضل کی جمع ہے جس کا مطلب بزرگ اور با فضیلت آدمی ہے، پس حلف الفضول کا مطلب بزرگ اور با فضیلت افراد کا معاہدہ ہے البتہ بعض کے بقول اس معاہدے میں فضل بن فضالہ، فضل بن وداعہ اور فضل بن حارث جیسے افراد کے بنیادی کردار کی وجہ سے اسے حلف الفضول کہتے ہیں۔

ابن اسحاق وغیرہ کے مطابق آنحضرتؐ بھی اس عظیم معاہدے میں شریک تھے اور آپؐ اس معاہدے پر راضی اور خوش بھی تھے، حتی کہ آپؐ کے یہ اقوال بھی ذکر کئے جاتے ہیں کہ میں عبداللہ بن جدعان کے گھر میں ایک ایسے معاہدے میں شریک تھا کہ سرخ اونٹوں (۱) کے بدلے میں بھی مجھے اس سے دستبردار ہونا گوارا نہیں ہے اور اگر اسلام کے دوران میں بھی مجھے اس جیسے معاہدے کی دعوت دی جائے تو میں اسے ضرور قبول کروں گا ان لوگوں نے یہ معاہدہ کیا تھا کہ ہر حق دار کو اس کا حق دلائیں گے (۲)۔

۱۔ بعض روایتوں میں سرخ سونے یعنی خالص سونے کا لفظ آیا ہے

۲۔ ملاحظہ ہو: تاریخ وسیرت خصوصاً کی متعدد کتب تاریخ تحقیقی اسلام ج ۱ ص ۲۶۲ تا ۲۶۵، خاتم پیامبران ج ۱ ص ۲۶۸ تا ۲۷۱، الصحیح من سیرۃ النبیؐ الاعظم ج ۱ ص ۱۴۱ و تاریخ صدر اسلام (عصر نبوت) و دیگر کتب۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

چند اہم نکات:

ا۔ مؤرخین کے مطابق حلف الفضول کا واقعہ بعد میں بھی کئی مرتبہ دہرایا گیا، ان میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ قبیلہ بنی خثعم کا ایک تاجر حج یا عمرہ کے قصد سے اپنی بہت ہی خوبصورت بیٹی قتول کے ساتھ مکہ آیا، وہاں قبیلہ بنی سہم کا بنیہ بن حجاج نامی فرد اس کی بیٹی اغوا کر کے اپنے گھر لے گیا، اس خثعمی شخص نے بھرے مجمع میں بلند آواز سے دہائی دیتے ہوئے کہا: "کوئی ہے جو اس ظالم شخص کے مقابلے میں میری مدد کرے؟"۔ لوگوں نے اس سے کہا: "تم حلف الفضول والوں سے رجوع کرو"۔ جس پر وہ کعبہ کے نزدیک کھڑے ہو کر بلند آواز سے پکارا: "اے حلف الفضول والو!"۔ یہ فریاد سن کر حلف الفضول کے حلیفوں نے تلواریں سونتی اور تلواریں لہراتے ہوئے باہر نکلے اور اس سے کہا: "تمہارے مددگار پہنچ گئے ہیں، بتاؤ کیا مشکل ہے؟"۔ اس نے ان کے جواب میں کہا: بنیہ نے میری بیٹی اغوا کر کے مجھ پر ظلم کیا ہے، اس پر سب لوگ اس کے ساتھ روانہ ہوئے اور بنیہ کے گھر کے دروازے پر آ کر کھڑے ہوئے بنیہ بھی اپنے گھر سے برآمد ہوا اور مذاکرات ہوئے اور جب تک وہ لڑکی اپنے باپ کے پاس نہیں پہنچی یہ وفد بھی اس کے گھر کے سامنے دھرنا دیے بیٹھا رہا، جس سے حقدار کو اس کا حق مل گیا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حلف الفضول ایک وقتی اور عارضی عہد نہیں تھا بلکہ ایک دائمی معاہدہ تھا۔

اس کی ایک دلیل وہ واقعہ بھی ہے جس میں آیا ہے کہ حضرت امام حسینؑ اور معاویہ (۱) کے درمیان ذی المروہ کے علاقے میں کسی زمین کے معاملے میں تنازع چل رہا تھا جس میں تو امام حسینؑ کا حق تھی لیکن وہ ان کا حق دینے سے انکاری تھا، حضرت امام حسینؑ نے ابن زبیر (۲) سے کہا: اس کے سامنے تین پیشکشیں

ا۔ اسی طرح کی اور روایات بھی ذکر ہوئی ہیں جن میں معاویہ کی جگہ اس کے بھتیجے ولید بن عتبہ بن ابوسفیان کا نام مذکور ہے۔ یہ شخص معاویہ کی طرف سے مدینہ کا گورنر تھا۔

۲۔ ولید والی روایتوں میں آیا ہے کہ یہ جملے امام حسینؑ نے اسی سے کہے تھے۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

رکھو ورنہ چوتھی صورت میں تلوار کے ساتھ فیصلہ ہوگا، پہلی پیشکش یہ ہے کہ میرے اور اپنے درمیان تجھے یا ابن عمر کو جج اور قاضی قرار دے، جس کا فیصلہ دونوں کو ماننا پڑے گا، دوسری پیشکش یہ ہے کہ وہ مذکورہ زمین مجھ سے خرید لے، تیسری پیشکش یہ ہے کہ وہ میرے حق کا اقرار کر کے مجھ سے اپنے حق کو بخش دینے کی درخواست کرے، پس اگر اسے ان میں سے کوئی بات بھی قبول نہیں ہے تو پھر اس خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! میں اپنی تلوار سونت لوں گا اور مسجد نبوی میں جا کر لوگوں کو حلف الفضول کے معاہدے کی بنا پر اکٹھا کر لوں گا۔

ولید والی روایت میں آیا ہے کہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے یہ بات کی تو ابن زبیر بھی وہاں بیٹھا تھا، ولید نے تو یہ بات سن کی دم سادھ لیا لیکن ابن زبیر نے کہا کہ خدا کی قسم! اگر یہ مجھے حلف الفضول کی بنا پر پکارے گا تو میں اس کی پکار پر لبیک کہوں گا اور اس کا حق دلانے کے لئے اس کا ساتھ دوں گا، پھر مار دوں گا یا مارا جاؤں گا، یہ خبر جس جس نے بھی سنی، اس نے امام حسین علیہ السلام کا ساتھ دینے کا اعلان کیا بطور مثال مسور بن مخرمہ بن نوفل زہری اور عبدالرحمن بن عثمان تیمی نے بھی یہ بات سن کر ان کی حمایت کا اعلان کیا تھا، جب یہ تفصیلات ولید کو موصول ہوئیں تو وہ ڈر گیا اور اس نے حضرت امام حسین علیہ السلام کا حق دے کر انہیں راضی کیا (۱)۔

یہ روایت اس بات کی دلیل بھی ہے کہ اسلام زمانہ جاہلیت کے منصفانہ اور معقول معاہدوں کو قبول کرتا ہے اس کے علاوہ یہ اشارہ بھی دیتا ہے کہ وہ زمانہ، اسلام سے پھر جاہلیت کی طرف پلٹ گیا تھا، یعنی لوگوں کی حالت یہ ہو گئی تھی کہ وہ اسلام کے نام پر مشکل سے ہی اکٹھے ہوتے تھے اس لئے امام عالی مقامؑ کو زمانہ جاہلیت کے معاہدے حلف الفضول کا سہارا لینا پڑا۔

۱۔ ملاحظہ ہو: تاریخ تحقیقی اسلام ج ۱ ص ۲۶۵، انساب الاشراف، البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۹۳، الکامل ابن اثیر ج ۱ ص ۲۴۲، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۱۵ ص ۲۲۶۔۲۲۷، سیرۂ حلبیہ ج ۱ ص ۲۱۵، سیرۂ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۴۲ و دیگر کتب

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۲۔ اس معاہدے میں شریک قبائل میں اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بزرگواروں کے اس معاہدے کے محرک قبیلہ بنی ہاشم کے چشم و چراغ جناب ابوطالبؑ کے بھائی جناب زبیر بن عبدالمطلب تھے اور اس میں شرکت کرنے والے قبیلہ بنی ہاشم، بنی عبدالمطلب، بنی زہرہ، بنی تیم اور حارث بن فہر تھے اور معتبر کتابوں میں قبیلہ بنی امیہ یا قبیلہ بنی عبدالشمس کا ذکر کہیں بھی نہیں ملتا۔ لیکن "مدعی سست گواہ چست کے مصداق بعض مؤرخین نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر انہیں بھی اس حلف میں زبردستی گھسیڑنے کی کوشش کی ہے، اور ابوہریرہ کی روایت پیش کرنے کے ساتھ ساتھ یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس معاہدے کی دعوت دینے والے ابوسفیان اور عباس ابن عبدالمطلب تھے (۱) لیکن جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے معتبر مؤرخین نے اس بات کو ذکر نہ کرکے ان کی اس بات کو ٹھکرا دیا ہے۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل دلائل کی روشنی میں بھی ان کی بات ناقابل قبول ہے:۔

الف: حلف الفضول بنی امیہ کے حق میں کبھی نہیں جاتا بلکہ ان کے خلاف جاتا تھا، کیونکہ حلف الفضول عمرو بن عاص کے باپ عاص بن وائل سہمی کے کرتوت کی بنا پر منعقد ہوا تھا، دوسرے لفظوں میں قبیلہ بنی سہم کے خلاف اور مظلوموں کے حقوق کے لئے حلف الفضول کا واقعہ پیش آیا تھا اور قبیلہ بنی امیہ اور بنی سہم ایک دوسرے کے حلیف تھے اور اس زمانے میں حلیف کے خلاف جنگ خود اس قبیلے کے خلاف جنگ شمار ہوتی تھی، پس اپنے حلیف کے خلاف معاہدے میں ابوسفیان یا بنی امیہ کے کسی فرد کی شرکت معقول نہیں ہے۔

ب: تاریخ اور سیرت کی بعض کتب میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ محمد بن جبیر بن مطعم عدوی (جو قریش کے متعلق سب سے زیادہ باخبر شخص تھا) عبدالملک بن مروان کے پاس گیا، باتوں باتوں میں عبدالملک بن مروان نے اس سے پوچھا: "اے ابوسعید! کیا ہم اور تم (یعنی قبیلہ بنی عبدالشمس اور قبیلہ بنی نوفل بن عبد

۱۔ ملاحظہ ہو: سیرۂ حلبیہ ج ۱ ص ۱۳۲، الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم ج ۱ ص ۱۴۲، منقول از متعدد منابع۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

المناف) حلف الفضول میں شریک نہیں تھے؟"۔اس نے کہا: "تم مجھ سے بہتر جانتے ہو"۔عبد الملک نے کہا: "ابوسعید! مجھے حقیقت بتاؤ!"۔اس نے کہا: "نہیں، بخدا! ہم اور تم لوگ اس میں نہیں تھے"۔عبد الملک نے کہا: "سچ کہتے ہو!"(۱)۔اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ بنوامیہ اس حلف میں شریک نہیں تھے۔پس بعض تاریخی دستاویزات میں ابوسفیان کا ذکر تکلف اور جعلسازی سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔

☆☆☆

jabir.abbas@yahoo.com

۱۔ملاحظہ ہو: الصحیح من سیرۃ النبی ج ۲ ص ۱۴۳، تاریخ تحقیقی اسلام ج ۱ ص ۱۲۶۵، شرح نہج البلاغہ ج ۱ ص ۲۲۶ ، سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۴۳ اور دیگر متعدد منابع

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

شام کا دوسرا تجارتی سفر:

مؤرخین کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پچیس برس کی عمر میں شام کا دوسرا تجارتی سفر کیا البتہ بعض مؤرخین یہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ سفر تہامہ(۱) میں بازار حباشہ کی طرف تھا، اس سفر میں آپؐ نے جناب خدیجہؑ کے مال سے تجارت کی اور اس میں آپ کو بہت نفع بھی ہوا۔

ایک روایت کے مطابق جناب ابو طالبؑ نے آنحضرتؐ سے یہ کہا: ''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں تمہاری شادی کرانا چاہتا ہوں لیکن میرے پاس اتنا مال نہیں ہے کہ میں تمہاری مدد کرسکوں البتہ خدیجہ (س) بھی ہمارے خاندان ہی کی خاتون ہیں جو ہر سال کسی قریشی شخص کو اپنے مال اور غلاموں کے ساتھ تجارت پر روانہ کرتی ہے اور وہ شخص واپسی پر اپنے حصے کا نفع لے لیتا ہے کیا آپؐ بھی یہ کام کرنا چاہتے ہیں؟''۔ آپؐ نے ہامی بھری تو جناب ابو طالبؑ، جناب خدیجہؑ کے پاس گئے اور یہ معاملہ ان کے سامنے رکھا، جس پر جناب خدیجہؑ نے نہایت خوش ہو کر اپنے غلام میسرہ سے کہا: ''تم اور یہ سب مال محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اختیار میں ہو'' اس سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت زیادہ نفع ہوا اور واپسی پر میسرہ نے آپؐ سے کہا: اگر جلدی سے مکہ جا کر بہت زیادہ منافع کی خبر خدیجہؑ کو سناؤ تو یہ تمہارے لئے بہت بہتر ہوگا، اس پر آپؐ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر جلدی سے روانہ ہو گئے۔

اس دن جناب خدیجہ (س) کچھ عورتوں کے ہمراہ اپنے گھر میں بیٹھی ہوئی تھیں کہ آنحضرتؐ دور سے دکھائی دیے، اس نے اس گھوڑے سوار کے سر پر بادل کو حرکت کرتے ہوئے دیکھ کر کہا: ''یہ سوار بہت اونچی شان کا مالک ہے، اے کاش وہ میرے گھر آتا'' حالانکہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے اور ان کے گھر ہی آ رہے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے گھر کے سامنے ننگے پاؤں گھوڑے سے اترے! (اور خوش خبری سنائی)

---

(۱) بحار الانوار ج ۱۶ ص ۹، الصحیح من سیرۃ النبیؐ الاعظم ج ۱ ص ۱۲۸۔ مکہ کے بالائی اور حجاز کے جنوبی حصوں کو تہامہ کہتے ہیں۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جب میسرہ آیا تو اس نے جناب خدیجہ(س) سے آکر کہا: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس درخت اور پتھر سے بھی گزرتے وہ آپ کو السلام علیک یا رسول اللہ کہہ کر سلام کرتا اور جب راہب بحیرا نے آپؐ کے سر پر چلتے بادل کا سایہ دیکھا تو اس نے ہماری دعوت اور خاطر مدارت کی"۔ جس پر جناب خدیجہ(س) نے آنحضرتؐ سے کہا: "محمدؐ! ابھی ابھی جا کر اپنے چچا ابو طالب کو یہیں لے کر آؤ"۔ پھر اپنے چچا زاد ورقہ بن نوفل کے پاس بھی ایک ایلچی بھیج کر اس سے بھی کہلوا بھیجا کہ "جب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے پاس آئے تو میری اس کے ساتھ شادی کرا دینا" جب جناب ابوطالبؑ اس کے پاس آئے تو جناب خدیجہ(س) نے ان سے کہا: "میرے چچا زاد کے پاس چلے جائیں تا کہ وہ میری شادی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کرانے کا انتظام کریں، میں نے اس بارے میں اس سے بات کر لی ہے"۔ پھر وہ سب جناب خدیجہ(س) کے چچا زاد ورقہ بن نوفل کے پاس گئے اور جناب ابو طالبؑ نے اس سے آنحضرتؐ کے لئے جناب خدیجہ(س) کا ہاتھ مانگا(۱)۔

چند نکات:

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دوسرا تجارتی سفر گرچہ جناب خدیجہ(س) سے آشنائی اور پھر شادی کا باعث بنا لیکن یہ روایت کچھ ڈرامائی انداز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رشتہ ازدواج میں منسلک کرتی ہے کیونکہ جناب ابو طالبؑ کے پاس تجارتی پونجی ختم ہو جاتی ہے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شادی کی غرض سے جناب خدیجہ(س) کے مال سے تجارت کرنے کا مشورہ دیتے ہیں اور آپؐ اسی انتظار میں بیٹھے تھے، آپ نے فوراً ہامی بھری اور آپؐ کے ہامی بھرتے ہی وہ جناب خدیجہ(س) سے بات کرنے چلے جاتے ہیں ادھر قریشیوں کا تجارتی قافلہ روانگی کے لئے تیار کھڑا ہوتا ہے، جناب خدیجہ(س) یہ پیشکش اور

۱۔ تاریخ تحقیقی اسلام ج۱ ص ۷۰ تا ۲۷۱ بنقل از کافی ج۵ ص ۳۷۴۔۳۷۵، سیرۂ حلبی ج۱ ص ۲۲۶۔۲۲۹، بحار الانوار ج۱۶ ص ۳۹، و الخرائج والجرائح ج۱ ص ۱۴۰

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

درخواست سنتے ہی راضی ہو جاتی ہیں اور غلام میسرہ سمیت اپنا سارا مال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد کر دیتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تجارت کے لئے روانہ ہو جاتے ہیں، وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سفر میں بہت منافع ہوتا ہے، جس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میسرہ کہتا ہے کہ آپؐ اپنے منافع کی خبر پہلے جا کر جناب خدیجہ(س) کو بتائیں تو آپؐ کے لئے بہتر ہوگا اور آپؐ ننگے پاؤں فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر جناب خدیجہؑ کو یہ خوشخبری دینے نکل پڑتے ہیں، ادھر جناب خدیجہ(س) اپنے گھر میں بیٹھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آتا دیکھ رہی ہوتی ہے اور آپؐ کے سر پر بادل کا سایہ دیکھ کر کہتی ہے کہ اس سوار کی اونچی شان ہے اور کہتی ہے کہ اے کاش! یہ میرے پاس آتا، ان کا یہ کہنا تھا کہ آپ بھی ننگے پاؤں ان کے در پر پہنچ جاتے ہیں اور انھوں نے جب آپؐ اور اپنے غلام میسرہ کی زبانی بہت زیادہ منافع کے علاوہ درختوں اور پتھروں کے سلام کرنے کی بات سنی تو کوئی لمحہ ضائع کئے بغیر آپؐ سے کہا کہ اپنے چچا کو لے آؤ تاکہ میں تم سے شادی کر سکوں اور ادھر انہوں نے اپنے چچازاد ورقہ بن نوفل کو بھی بلایا، دونوں نے آ کر آنحضرتؐ اور جناب خدیجہ(س) کی شادی ہنسی خوشی کر دی۔

اس بات سے تو لگتا ہے کہ جناب ابو طالبؑ کو معلوم تھا کہ آنحضرت کی شادی جناب خدیجہ(س) سے ہونی ہے، جناب خدیجہ(س) کو بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی شادی آپؐ سے ہونی ہے، غرض سب کو معلوم ہوتا ہے کہ جناب خدیجہ کی شادی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی سفر کے نتیجے میں ہی ہونی ہے۔

حالانکہ تاریخی لحاظ سے ایسا نہیں ہے اور نہ ہی جناب خدیجہ(س) نے آپؐ سے بہت زیادہ منافع کی وجہ سے متاثر ہو کر شادی کی ہے، عرب کی وہ شریف زادی، جس نے اخلاقی معیاروں پر پورا نہ اترنے پر بڑے مالداروں کے رشتے ٹھکرا دیے تھے، وہ ایک کامیاب تجارتی سفر پر ہیجان زدہ ننگے پاؤں والے شخص سے کیسے فوراً شادی کر سکتی ہے؟ کیا اس روایت میں بناوٹ کی بو محسوس نہیں ہوتی؟۔

۲۔ تاریخی دستاویزات میں آیا ہے کہ آپؐ نے یہ سفر جناب خدیجہ(س) کے تجارتی شریک کی حیثیت سے کیا، یعنی آپؐ نے شرعی مضاربہ کے طور پر یہ کاروبار کیا اور کسی مزدور کی حیثیت سے یہ کام نہیں کیا بلکہ جیسا کہ پہلے تجارتی سفر اور آپؐ کے ذریعہ معاش کی گفتگو میں بھی کہا گیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بھی کسی کے مزدور نہیں بنے یعنی اجرت لے کر کام نہیں کیا۔

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس تجارتی سفر میں نمایاں کامیابی اس بات کی غماز ہے کہ گرچہ چھوٹے پیمانے پر ہی سہی آپؐ اس سے پہلے بھی تجارت کیا کرتے تھے۔ اور اگر اس بات کو کسی معجزے یا کرامت پر محمول کیا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوہ حسنہ ہمارے لئے (نعوذ باللہ) قابل تقلید نہیں رہے گا، اس کے علاوہ جناب خدیجہ (س) جیسی با تجربہ خاتون کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تجارت کے لئے بھیجنے سے بھی مذکورہ بات کا نتیجہ اخذ ہوتا ہے کیونکہ جناب خدیجہ (س) کسی اناڑی فرد کو تجارت کے لئے بھیج کر اپنا نقصان نہیں کرانا چاہیں گی چاہے وہ شخص کتنا ہی امانت دار ہو جب تک وہ تجارت کے طور طریقوں سے واقف نہیں ہوگا تب تک وہ تجارت نہیں کر سکتا نیز آپ کا اتنے بڑے تجارتی سفر کے لئے رضامند ہونے کا مطلب بھی یہی ہے کہ آپؐ اس کام کے طور طریقوں سے واقف تھے ورنہ عدم واقفیت کی بنا پر آپ کا راضی ہونا آپؐ کے اخلاق، کردار اور سیرت کے بالکل منافی ہے۔

۴۔ دیگر تاریخی دستاویزات میں آنحضرتؐ کے دوسرے تجارتی سفر کا حال کچھ اس طرح آیا ہے کہ آپؐ امانت داری اور اخلاق کے لحاظ سے زبان زد عام وخاص ہو گئے تھے، یہ اس دور کی بات ہے کہ جب آپؐ اپنے محدود مالی وسائل کی بنا پر مکہ میں چھوٹے پیمانے پر کاروبار میں معروف تھے جبکہ جناب خدیجہ (س) اتنی زیادہ مالدار تھیں کہ ان کا تجارتی سامان دوسرے تمام قریشیوں کے تجارتی سامان کی برابری کرتا تھا لیکن خود جناب خدیجہ (س) تجارت نہیں کیا کرتی تھیں بلکہ ان کی طرف سے کچھ لوگ یہ کام کیا کرتے تھے اور روز افزوں ترقی کی وجہ سے ہر سال نئے آدمیوں کی تلاش رہتی تھی، وہ دو طرح سے لوگوں کو اپنے تجارتی سفر کے لئے روانہ کیا کرتی تھی، ایک طریقہ تو یہ تھا کہ وہ کچھ لوگوں کو تنخواہ اور مزدوری دے کر اپنے قافلے کے ہمراہ بھیجتی تھی اور دوسرا طریقہ یہ تھا کہ فیصدی حساب سے اس کے ساتھ شرکت کا معاملہ کرتی تھیں جسے شرعاً مضاربہ کہتے ہیں یعنی کچھ افراد کو اپنے مال کے ساتھ تجارت کے لئے بھیجتی تھیں اور اس کے ساتھ یہ طے ہوتا تھا کہ منافع کا اتنا فیصد حصہ تمہارا ہے، بہر حال انہیں امانت دار لوگوں کی ضرورت تو رہتی ہی

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تھی لیکن دوسری صورت میں خاص کر باتجربہ افراد کے ساتھ معاملہ ہوتا تھا کیونکہ یہ لوگ ان کے نمائندے کے حیثیت سے تجارت کیا کرتے تھے۔ جناب رسولؐ خدا کی محدود پیمانے پر تجارت میں معروفیت اور امانت داری، حسن اخلاق اور صداقت میں شہرت نے جناب خدیجہ(س) کو اس بات پر اکسایا کہ وہ آپ کو اپنے تجارتی قافلے کے ساتھ اپنے نمائندے کے طور پر بھیجنے کے لئے راضی کریں۔

اسی دوران جناب ابوطالبؑ کے معاشی حالات ابتر ہوتے گئے اور وہ بھی اسی فکر میں رہنے لگے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جناب خدیجہ(س) کے تجارتی قافلے میں شریک کریں تاکہ ان کی سفید پوشی کا بھرم باقی رہے، اس لئے انہوں نے ایک دن آنحضرتؐ سے کہا: بھتیجے! میں ایک غریب آدمی ہوں اور اب تو ہمارے حالات بھی خراب ہو گئے ہیں اور تنگدستی کی وجہ سے بہت پریشان ہیں، نہ تجارت ہے اور نہ آمدنی کا کوئی اور ذریعہ، اب تمہارے خاندان اور قبیلہ کا تجارتی قافلہ شام کی طرف روانہ ہونے کو ہے اور خدیجہ(س) بھی اپنے قبیلہ کے کچھ افراد کو اس قافلے کے ساتھ بھیجتی ہے تاکہ اس کے مال سے تجارت کر کے کچھ نفع کمائیں، اگر تم اس کے پاس جاؤ تو تمہاری پاکیزگی اور شرافت کی شہرت کی وجہ سے وہ تمہیں دوسروں پر ترجیح دے گی، گرچہ مجھے تمہارا شام جانا اچھا نہیں لگتا اور یہودیوں کے شر سے ڈرتا ہوں لیکن اس کے علاوہ بھی کوئی چارہ نہیں ہے، آپؐ نے جواب میں فرمایا: "اس مقصد کے لئے شاید وہ ہمارے پیچھے آئے"۔ اس پر جناب ابوطالبؑ نے کہا: "اس صورت میں مجھے ڈر ہے کہ تمہارے علاوہ کسی اور کو اس کام پر نہ بھیج دے"

بہرحال دونوں کی گفتگو جناب ابوطالبؑ یا کسی اور ذریعہ سے جناب خدیجہ(س) تک پہنچی، وہ جو پہلے نہیں جانتی تھی کہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ پیشکش قبول کرتے ہیں یا نہیں، اب جان گئی کہ آپؐ اس کام پر راضی ہیں اس لئے کسی کو بھیج کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلوا کر عرض کیا: "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امانت داری، صداقت اور حسن اخلاق نے مجھے اس بات پر اکسایا ہے کہ آپ کو اپنے پاس بلوا کر آپؐ سے اپنے تجارتی قافلے کے ساتھ روانہ ہونے کی درخواست کروں، میں دوسروں کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوگنا معاوضہ دوں گی"۔ جناب خدیجہ(س) کی اس پیشکش کے بعد آپؐ اپنے پیارے چچا کے پاس اس ملاقات کی روداد

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سنانے چلے گئے اور جناب ابوطالبؑ یہ خبر سن کر نہایت خوش ہوئے اور کہا: "یہ ایسا رزق ہے، جسے خدا نے تمہاری طرف بھیجا ہے"۔

بہر حال یہ تجارتی قافلہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں روانہ ہوا اور اس سفر میں جناب خدیجہ(س) کا غلام "میسرہ" بھی آپؐ کے ساتھ تھا، بعض مؤرخین کے مطابق یہ قافلہ پندرہ ذی الحجہ کے لگ بھگ مکہ سے روانہ ہوا یا پھر شام پہنچا اور اس وقت آپ کی عمر پچیس برس تھی(۱)۔

کہا جاتا ہے کہ اس سفر کے دوران بصریٰ کے مقام پر آپ کی ملاقات "نسطورا" نامی راہب سے ہوئی، نیز میسرہ نے بھی آپؐ سے معجزات اور کرامات کا مشاہدہ کیا جو کتب تاریخ میں منقول ہیں، خواہشمند افراد مطالعہ فرما سکتے ہیں، شام میں آپؐ نے جناب خدیجہ کا سارا مال بیچ دیا اور مؤرخین کے بقول اس تجارت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت زیادہ منافع ہوا حتیٰ کہ اصل مال جتنا منافع ہوا۔ واپسی پر میسرہ نے آنحضرتؐ کے تمام حالات اور کمالات کو جناب خدیجہ(س) کے گوش گزار کیا(۲)۔

☆☆☆

jabir.abbas@yahoo.com

۱۔ المرز اصب الدنیہ ج ۱ص ۱۹۸ نقل از خاتم پیامبران ج ۱ص ۱۸۰

۲۔ ملاحظہ ہو۔ خاتم پیامبران ج ۱ص ۱۸۲ قدرے اختصار کے ساتھ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

چوتھی فصل

شادی بے بعض شک

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شادی خانہ آبادی

شام کے اس دوسرے سفر کے بعد مؤرخین کے متفقہ نقطہ نظر کے مطابق آپؐ نے اپنا گھر بسایا، یہاں پر موقع کی مناسبت سے شادی کے واقعہ سے پہلے آنحضرتؐ اور جناب خدیجہ (س) کے شمائل وصفات کا مختصر تذکرہ کرتے چلیں تو نہایت ہی مناسب ہوگا۔

الف: آنحضرتؐ کے صفات وشمائل:

دوران گفتگو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کئی صفات کا تذکرہ ہوگیا ہے لیکن یہاں ان کا خاص تذکرہ ضروری ہے البتہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظاہری اور معنوی اوصاف کو علیحدہ علیحدہ ذکر کیا جائے۔

ا۔ آپؐ کے ظاہری اوصاف:

آپؐ کے حسن و جمال کے متعلق بہت سے لوگوں نے قلم فرسائی کی ہے لیکن اکثر وصافوں اور مؤرخین کے منابع اور مآخذ دو شخصیات کی روایات ہیں، ان میں سے ایک ہند بن ابی ہالہ ہے اور دوسری ام معبد ہیں۔

ام معبد وہ خاتون ہے جس سے ہجرت مدینہ کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات ہوئی تھی اور آپ کی برکت سے اس گھر میں خوشیاں لوٹ آئی تھیں، اس کے علاوہ حضرات آئمہ معصومین علیہم السلام کی روایات بھی آپؐ کی شان میں کثیر تعداد میں ملتی ہیں، ان سب کو علامہ محمد حسین طباطبائی نے اپنی کتاب "سنن النبیؐ" میں یکجا کیا ہے جس کا مختصر ترین خلاصہ درج ذیل ہے:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت عظیم الشان اور بلند مرتبے کے حامل تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جاذب نظر ملیح چہرہ چودھویں کے چاند کی مانند چمکتا تھا، آنکھیں موٹی موٹی اور آنکھوں کی پتلیاں بالکل سیاہ اور سفیدی بھی بالکل سفید تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی چوڑی، ابرو سیاہ ملے ہوئے اور ابھرے ہوئے تھے۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دونوں بھوؤں کے درمیان ایک رگ تھی جو آپؐ کے غصے یا جوش کے وقت پھڑکتی تھی، ناک ستواں، ہونٹ اور منہ متناسب، دانت سفید براق موتی کی طرح چمکنے والے، خوبصورت اور ایک دوسرے سے جدا لیکن ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے، قد سیدھا اور درمیانہ، نہ اتنا اونچا کہ لوگ متنفر ہونے لگیں نہ اتنا چھوٹا کہ لوگ مذاق اڑانے لگیں، جسم سڈول، خوبصورت اور طاقت ور، سینہ چوڑا اور دونوں بازوؤں کے درمیان متناسب فاصلہ، جوڑ موٹے اور بھاری، رنگت سفیدی مائل گندمی، چہرہ نورانی، ریش مبارک بھری بھری بالکل صاف، ناف سے سینے تک بالوں کی ایک لکیر تھی لیکن سینہ اور شکم مبارک بالوں سے بالکل صاف تھا البتہ سینے کے بالائی حصوں پر تھوڑے بہت بال موجود تھے (۱)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زلفیں اگر لمبی ہوتیں تو آپؐ انہیں کھلا چھوڑ دیتے ورنہ آپ کی زلفیں کانوں سے نیچے نہیں جاتی تھیں البتہ اکثر آپؐ کی زلفیں چھوٹی ہوتی تھیں، گردن صراحی نما، کلائیاں کھنچی ہوئی، ہتھیلیاں اور تلوے چوڑے اور سیدھے، انگلیاں لمبی اور سیدھی، تلوں کی گہرائی نہایت متناسب تھی، زمین سے اٹھتے وقت ایسے اٹھتے تھے جیسے زمین سے کوئی چیز اکھاڑ لی جائے، کوئی چیز اٹھانی ہوتی تو اسے اچھے اور صحیح طریقے سے اٹھاتے تھے، چال میں اطمینان تھا اور چلتے وقت ہاتھوں کو بھی ساتھ ہلاتے تھے اور ایسے چلتے تھے جیسے کوئی ڈھلوان کی طرف چلتا ہو۔ کسی جانب متوجہ ہوتے تھے تو پوری طرح متوجہ ہوتے تھے، آپ کی آنکھیں ہمیشہ جھکی ہوئی اور نیم وا ہوتی تھیں (۲)۔ خلاصہ یہ ہے کہ آپ کی تعریف قلم کے بس سے باہر ہے۔ حسن یوسف کیا ہے؟ آپؐ کے حسن کی ایک جھلک ہے۔ آپ کا حسن اور خوبصورتی تو اوہام اور خیال سے بھی بالاتر ہے۔

۱۔ ہماری نظر میں یہ بات نہایت مشکوک ہے، کیونکہ آنحضرت کی شرم وحیا کے سلسلے میں منقول ہے کہ آپ کا جسم مبارک کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ تو پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اس نے ناف سے سینے تک کا حصہ دیکھ لیا ہو؟ اسی طرح انس کی یہ بات بھی رد ہو چکی ہے کہ میں نے آپؐ کے سینے پر ناخنوں کے نشان دیکھے تھے۔

۲۔ اس کے لئے ملاحظہ ہو کتب حدیث وسیرت، نیز اس بارے میں جامع ترین کتاب سنن النبیؐ تالیف علامہ محمد حسین طباطبائی ملحقات محمد ہادی فقہی، موسسہ النشر الاسلامی قم۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۲۔ آنحضرتؐ کے باطنی اوصاف :

آپ کی اچھی اور نیک خصلتیں دوران گفتگو بھی بیان ہونگی یہاں صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ آپؐ وہ واحد پیغمبر ہیں جن کے لئے خدا نے یہ فرمایا کہ ﴿ وما ارسلناك الّا رحمة للعالمين ﴾ ۔ ہم نے تمہیں بھیجا ہی کائنات کے لئے رحمت بنا کر ہے نیز خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک " بعثت لاتمم مكارم الاخلاق " (میں نیک خصلتوں کو کمال تک پہنچانے کے لئے مبعوث ہوا ہوں) بھی اس بات کی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تمام اچھی اور نیک خصلتیں، عادتیں اور صفتیں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں کیونکہ کسی صفت کو کمال تک پہنچانے کے لئے ضروری ہے کہ اس میں وہ حقیقت بدرجہ اتم موجود ہونی چاہیے وگرنہ جس میں کوئی نیک خصلت ہو ہی نہیں تو وہ نیک خصلتوں کو عروج تک کیسے پہنچا سکتا ہے، اس کے علاوہ علماء اور بزرگان نے آپؐ کے جو ننانوے اسماء ذکر کئے ہیں وہ تقریباً سب کے سب سوائے " محمدؐ " اور " احمدؐ " کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات حسنہ ہیں بہر حال جو نیک صفت، خصلت اور عادت بھی متصور ہو سکتی ہے، آپؐ میں بدرجہ اتم موجود تھی اور جو بھی بری صفت خیال کے پنجرے سے گزر سکتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوسوں دور تھی اسی لئے خدا نے ﴿ و لكم في رسول الله اسوة حسنه ﴾ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اخلاق حسنہ کا عملی نمونہ قرار دیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے چون و چرا اطاعت کا حکم دیا ہے۔

بہر حال آپ کے حسن اخلاق کی گفتگو کے حسن اختتام کے لئے مندرجہ ذیل مشہور اشعار مناسب رہیں گے:

بلغ العلیٰ بکماله　　کشف الدجی بجماله
حسنت جمیع خصاله　　صلّوا علیه و آله

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حضرت خدیجہؑ کا تعارف اور خصوصیات:

گذشتہ بیانات کی روشنی میں یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ آپؐ کی زوجہ محترمہ کا اسم گرامی ام المؤمنین حضرت خدیجہؑ ہے، حضرت خدیجہؑ کا تعلق قریش کے معروف قبیلہ بنی اسد سے تھا اور جناب خدیجہ کا شمار عزت اور شرافت کے لحاظ سے قریش کی بہترین خواتین میں ہوتا تھا، وہ قریش کی سب سے زیادہ مالدار اور خوبصورت خاتون تھیں، ان کی شرافت اور نجابت نیز حسن خلق کا یہ عالم تھا کہ لوگ زمانہ جاہلیت میں انہیں ''طاہرہ'' اور ''سیدۂ قریش'' کے القاب سے یاد کرتے تھے۔

حضرت خدیجہؑ تن تنہا اپنا اتنا بڑا کاروبار سنبھالے ہوئے تھیں اور اس زمانے میں بلکہ اب بھی وسیع کاروبار کو نہایت احسن طریقے سے سنبھالنا حسن تدبیر، عقلمندی اور ذہنی پختگی کی علامت ہے، حضرت خدیجہؑ کے بارے میں عموماً یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ کیا آنحضرتؐ سے شادی سے قبل حضرت خدیجہؑ نے شادی کی تھی یا نہیں؟

یہاں یہ سوال اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ اکثر مؤرخین اس بات کے قائل ہیں کہ آپؐ سے شادی کے وقت حضرت خدیجہ (س) بیوہ تھیں اور اس سے پہلے انہوں نے دو شادیاں کی تھیں اور ان سے جناب خدیجہؑ کے بچے بھی تھے لیکن اس کے مقابلے میں بعض کا نظریہ یہ ہے کہ نہ صرف ان کے بچے نہیں تھے بلکہ انہوں نے سرے سے شادی ہی نہیں کی تھی اور آنحضرتؐ سے شادی کے وقت وہ کنواری تھیں۔

ابن ہشام کے مطابق حضرت خدیجہؑ نے سب سے پہلے عتیق بن عائذ بن عبداللہ مخزومی سے شادی کی، جس سے عبداللہ اور ایک بیٹی پیدا ہوئی، عتیق کی وفات کے بعد وہ ابو ہالہ بن مالک کی زوجہ بنیں جس سے ہند بن ابی ہالہ اور زینب پیدا ہوئے (۱)۔

۱۔ تاریخ تحقیقی اسلام ج۱ ص۲۸۲، سیرۂ ابن ہشام ج۴ ص۲۹۳ اس میں عتیق بن عابد بن عبداللہ مخزومی ہے و مناقب آل ابی طالب ج۱ ص۲۰۶ اس میں عتیق بن عائذ المخزومی لکھا ہے و دیگر کتب۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

طبری کہتے ہیں کہ جناب خدیجہؑ پہلے پہل عتیق بن عائذ مخزومی کی زوجہ تھیں، جس سے صرف ایک بیٹی پیدا ہوئی، پھر اس کی وفات کے بعد وہ ابو ہالہ بن زرارہ بن نباش کی زوجہ بنیں، پھر اس کی وفات کے بعد آنحضرتؐ کی زوجہ بنیں (۱)۔ لیکن اس کے مقابلے میں بعض مؤرخین حضرت خدیجہؑ کی گزشتہ شادی کا انکار کرتے ہوئے کہتے کہ آنحضرتؐ سے شادی کے وقت جناب خدیجہ کنواری تھیں مذکورہ علماء میں احمد بلاذری، ابو القاسم کوفی، سید مرتضیٰ و ابو جعفر و دیگر مورخین کا نام لیا جا سکتا ہے۔ (۲)۔

خلاصہ کلام یہ کہ ہم بھی اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ جناب خدیجہؑ آنحضرتؐ سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوتے وقت طاہرہ اور غیر شادی شدہ تھیں، جناب رقیہ، جناب زینب اور جناب ام کلثوم ان کی بیٹیاں نہیں تھیں بلکہ اول الذکر دو لڑکیاں ان کی بہن ہالہ کی تھیں اور سب آنحضرتؐ کی لے پالک ہونے کی وجہ سے بیٹیاں کہلاتی تھیں اور آنحضرتؐ نے بھی ان سے اپنی سگی بیٹیوں جیسا سلوک کیا اور انہیں بے پدری کا احساس نہیں ہونے دیا بلکہ حقیقی باپ بن کر دکھایا۔

شادی کے وقت جناب خدیجہ (س) اور رسولؐ خدا کی عمر مبارک :

گرچہ مشہور یہ ہے کہ شادی کے وقت جناب خدیجہؑ کی عمر مبارک چالیس برس تھی لیکن اس کے باوجود مؤرخین کے درمیان ان کی عمر کے بارے میں ۲۵ سے لے کر ۴۲ برس کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ (۳) بعض ۲۵ برس کہتے ہیں، بعض ۲۸ برس، بعض تیس سال بیان کرتے ہیں، کچھ ۳۵ سال کہتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک کے سلسلے میں گرچہ تھوڑا بہت اختلاف نظر پایا جاتا ہے بطور مثال

۱۔ تاریخ تحقیقی اسلام ج ۱ ص ۱۸۲ تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۶۱ و اعلام الوری ج ۱ ص ۲۷۴ اس میں عتیق بن عائذ لکھا ہے و دیگر کتب

۲۔ ملاحظہ ہو: الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم ج ۱ ص ۱۲۲ و تاریخ تحقیقی اسلام ج ۱ ص ۱۸۳۔

۳۔ الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم ج ۲ ص ۱۱۵، ۱۱۶ تاریخ تحقیقی اسلام ج ۱ ص ۱۸۰ تا ۱۸۲ و خاتم پیامبران ج ۱ ص ۱۸۸ تا ۱۸۹ اور ان میں مذکورہ کثیر منابع۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۲۱ برس بھی کہا گیا ہے، مشہور قول ۲۵ برس کا ہے، ۲۹ سال کا قول بھی ہے، حتی کہ ۳۷ سال بھی کہا گیا ہے(۱)، لیکن یہ اختلاف اتنا اہم نہیں ہے اور آپ کی ولادت باسعادت کے متعلق اگر اختلاف کو مدنظر رکھا جائے تو یہ اختلاف بہت حد تک ختم بھی ہو سکتا ہے اس لئے ہم یہاں مشہور والے قول کو صحیح مانتے ہیں۔

شادی کی شروعات اور رسومات:

حضرت خدیجہ(س) نے پہلے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چرچا سن رکھا تھا، اسی وجہ سے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خود تجارت کی پیشکش بھی کی تھی، اور آنحضرتؐ نے ان کی پیشکش قبول بھی کر لی تھی۔ یہاں یہ بات بھی عرض کرتے چلیں کہ جیسا کہ آنحضرت کا چرچا تھا، اسی طرح نجابت، شرافت، حسن، اور مالداری نیز دیگر تجارتی وجوہات کی بنا پر حضرت خدیجہ(س) بھی معروف تھیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تجارتی قافلے کے ساتھ شام سے لوٹے تو جناب خدیجہ(س) نے آپؐ کے حالات معلوم کرنے کے لئے اور صورتحال کا پتہ کرنے کے لئے آپؐ کے پاس ہالہ یا نفیسہ کو بھیجا، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا: "یا محمدؐ! آپؐ شادی کیوں نہیں کرتے؟"۔ فرمایا: "میرے پاس ایسا کچھ نہیں ہے، جس کی بدولت میں شادی کی تیاری کر سکوں"۔

میں نے کہا: "اگر آپ کی یہ مشکل حل ہو جائے مال، جمال، عزت، شرافت اور ثروت آپؐ کو یکجا مل جائے تب؟ کیا پھر بھی تمہارا جواب منفی ہوگا؟"۔ آپؐ نے فرمایا: "وہ شخصیت ہے کون؟ کہا: "خدیجہ ہے"۔ فرمایا میری اس سے شادی کیسے ہو سکتی ہے؟ جس سے میں نے سمجھ لیا کہ آپؐ دلی طور پر اس سے شادی اور وصلت کے لئے خوش ہیں، جس کے بعد میں نے خدیجہؑ کے پاس جا کر آنحضرتؐ کی رضایت کی بات بتا دی، اس نے بھی میری باتیں سن کر آنحضرتؐ سے کہلوا بھیجا کہ فلاں وقت مجھ سے ملو، آنحضرتؐ بھی جناب خدیجہؑ کے پاس گئے اور بذات خود اس معاملے پر بات کی جناب خدیجہؑ نے آپ کو شادی کی پیشکش کی تو

۱۔ ملاحظہ ہو: خاتم پیامبران ج ۱ ص ۱۸۸ و دیگر کتب۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

آنحضرتؐ نے قبول کرلیا، جب آپؐ نے مثبت جواب دیا تو جناب خدیجہؑ نے کہا کہ پھر آپؐ اپنے چچا کو لے آئیں کہ وہ ہمارے اس بندھن کی سرپرستی کریں، جب آپؐ کے چچا آئے تو جناب خدیجہؑ نے ان سے کہا: جناب ابوطالبؑ! میرے چچا(۱) کے پاس جائیں اور اپنے بھتیجے کے لئے میرا ہاتھ مانگیں، جناب ابوطالبؑ نے اس بات کو قبول کرتے ہوئے کہا: "یہ تو خدا کی مرضی سے ہو رہا ہے"(۱)۔

جناب کلینیؒ اپنی کتاب فروع کافی میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب آنحضرتؐ کی جناب خدیجہ(س) کے ساتھ شادی کا وقت آیا تو جناب ابوطالبؑ اپنے خاندان اور چند قریشیوں کے ہمراہ ورقہ بن نوفل کے پاس گئے اور جب محفل سج گئی تو جناب ابوطالبؑ نے یوں خطبہ پڑھنا شروع کیا:

"الحمد لرب هذا البيت الذى جعلنا من زرع ابراهيم و ذرية اسماعيل و انزلنا حرماً آمنا و جعلنا الحكام على الناس وبارك لنا فى بلدنا الذى نحن فيه ثم ان ابن اخى هذا (يعنى رسول الله) ممن لا يوزن برجل من قريش الا رجح به و لا يقاس به رجل الا عظم عنه ولا عدل له فى الخلق وان كان مقلا فى المال فان المال رفد جار و ظل زائل و له فى خديجة رغبة ولها فيه رغبة و قد جئناك لنخطبها اليك برضها و امرها والمهر على فى مالى الذى سئلتموه عاجله وآجله و له و رب هذا البيت حظ عظيم و دين شائع و راى كامل".

ترجمہ: "تمام حمد اور تعریف اس گھر (بیت اللہ) کے پروردگار کے لئے ہے، جس نے ہمیں

۱۔ بعض روایات میں چچا کا لفظ آیا ہے، جبکہ ورقہ بن نوفل چچا زاد جناب خدیجہ(س) تھے چچا نہیں، البتہ ہو سکتا کہ دونوں ہوں اور راویوں نے علیحدہ علیحدہ ذکر کیا ہو۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ابراہیمؑ کی نسل سے اور اسماعیلؑ کی اولاد میں سے قرار دیا اور اپنے پر امن حرم میں ٹھہرایا، ہمیں لوگوں پر حکومت عطا کی اور ہمارے شہر (مکہ) کو ہمارے لئے بابرکت قرار دیا، میرا یہ بھتیجا (یعنی رسولؐ خدا) سب سے اونچی شان والا ہے کسی بھی شخص کا اس سے تقابل نہیں کیا جاسکتا اور جس سے بھی تقابل کیا جائے گا یہ اس سے بڑھ جائے گا اور عظمت میں آگے ہوگا اور پوری کائنات میں اس کا ہم پلہ کوئی نہیں ہے گرچہ یہ نادار ہے لیکن مال تو آنی جانی چیز اور راور ختم ہونے والا سایہ ہے، یہ دونوں ایک دوسرے سے شادی کرنا چاہتے ہیں، اس لئے ہم خدیجہؑ ہی کی مرضی اور خواہش سے آپ لوگوں کے پاس اس کا رشتہ لینے کے لئے آئے ہیں اور اس کا حق مہر چاہے جتنا بھی ہو میرے ذمہ ہے چاہے ابھی لے لیں یا بعد میں لیں، اس گھر بیت اللہ کے پروردگار کی قسم! اس بھتیجے (حضرت محمدؐ) کا اقبال بلند، دین شائع (ہر جگہ پھیلنے والا) اور عقل کامل اور بے انتہا ہے"۔

جناب ابوطالبؑ تو ان الفاظ کے ساتھ اپنا خطبہ ختم کر کے چپ ہو گئے لیکن اس کے بعد ورقہ بن نوفل نے جوابی خطبہ پڑھنے کا ارادہ کیا تو اس کی زبان میں لکنت پیدا ہوگئی اور وہ کچھ بول نہ سکا (۲) اس پر جناب خدیجہؑ نے جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ورقہ بن نوفل سے کہا: "گرچہ تم میری عدم موجودگی میں میری نمائندگی کر سکتے ہو لیکن میری موجودگی میں تم کسی کام کے نہیں ہو"۔ پھر آنحضرتؐ سے مخاطب ہو کر کہا

۱۔ ملاحظہ ہو: خاتم پیامبران جلد ا صفحہ ۲۸۳ تا ۲۸۵ و دیگر کثیر منابع۔

۲۔ البتہ بحار الانوار ج ۱۶ ص ۱۹ پر مذکور ہے کہ جناب ابوطالبؑ کے خطبے کے بعد ورقہ بن نوفل نے بھی ان الفاظ کے ساتھ خطبہ پڑھا: "تمام حمد اور تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں کہ جس نے ہمیں اسی طرح قرار دیا جس طرح تم نے کہا ہے اور ان اوصاف کے ساتھ فضیلت اور برتری دی ہے جن کا تم نے ذکر کیا ہے۔ ہم بھی عرب کے پیشوا ہیں اور تم بھی، کوئی بھی تم لوگوں کی فضیلت اور شرافت کا منکر نہیں ہو سکتا۔ ہم بھی آپ لوگوں کے ساتھ رشتہ داری کے خواہشمند ہیں۔ پس اے قریشیو! گواہ رہو کہ میں نے خویلد کی بیٹی خدیجہ (س) کو چار سو دینار حق مہر کے ساتھ عبداللہ کے بیٹے محمدؐ کے ہاتھ میں دے رہا ہوں"۔ اس کے بعد ورقہ چپ ہو گیا لیکن جناب ابوطالبؑ نے کہا: "ہم چاہتے تھے کہ خدیجہ (س) کا چچا بھی کوئی بات کرتا" اس پر اس کے چچا نے کہا: "قریشیو! گواہ رہو کہ میں نے خدیجہ (س) بنت خویلد کا عقد محمدؐ بن عبداللہ سے کر دیا ہے، قریش کے سب بزرگان اس بات پر گواہ رہیں" اکثر مورخین کے نزدیک بعض وجوہات کی بنیاد پر یہ روایت ناقابل قبول ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یا محمدؐ! میں شادی کرنے پر راضی ہوں اور مہر بھی اپنے ہی مال سے دوں گی، آپؐ اپنے چچا سے کہئے کہ وہ ایک اونٹ نحر کر کے ولیمہ کا بندوبست کریں اور پھر آپؐ شادی کر لیں"۔ اس کے بعد جناب ابو طالبؑ نے کہا: "گواہ رہو کہ خدیجہ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبول کر لیا ہے اور حق مہر بھی اپنے مال سے ادا کرے گی کچھ قریشیوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ عجیب بات ہے کہ مردوں کا مہر عورتیں ادا کرنے لگی ہیں (پہلے تو عورتوں کو حق مہر دیا جاتا تھا)؟! یہ سن کر جناب ابو طالبؑ نے کھڑے ہو کر کہا: اگر تم لوگ میرے بھتیجے کی طرح ہوتے عورتیں بہت زیادہ مہر ادا کرنے کے ساتھ تمہاری طلبگار ہوتیں لیکن اگر کوئی تم جیسا ہوگا تو عورتیں بہت زیادہ حق مہر پیش کرنے کے باوجود بھی تم سے شادی کرنے پر تیار نہیں ہوں گی"۔ پھر جناب ابو طالبؑ نے اونٹ نحر کیا اور رسولؐ خدا رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے۔

شادی خانہ آبادی بخیر وخوشی ہوگئی اور ساری زندگی جناب خدیجہؑ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دوسرے کا ساتھ دیا۔ جن میں سے بعض واقعات دوران مطالعہ قارئین کی نظر سے بھی گزریں گیا اور جناب خدیجہ (س) کے وجود سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر لحاظ سے فائدہ پہنچا، جناب خدیجہ (س) تو اپنا سارا مال اور اپنی ساری پونجی آنحضرتؐ اور دین اسلام کے لئے وقف کر چکی تھیں، اس کے علاوہ جناب خدیجہؑ کے بطن اطہر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد بھی ہوئی جن کی تعداد بعض مؤرخین نے بارہ تک بھی بیان کی ہے(۱) لیکن ہماری نظر میں یہ بات صحیح نہیں ہے بلکہ آنحضرت کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھیں قاسم اور عبداللہ تھے اور عبداللہ کو طیب اور طاہر بھی کہتے ہیں اس لئے بعض مؤرخین کو یہ غلط فہمی ہوگئی کہ یہ دو نام علیحدہ علیحدہ بیٹوں کے نام ہیں، آنحضرت کی اکلوتی دختر کا اسم مبارک حضرت فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا تھا جبکہ زینب، کلثوم اور رقیہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لے پالک بیٹیاں تھیں، جنہیں مؤرخین نے غلط فہمی یا سیاسی مقاصد کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیاں بتایا ہے۔

۱۔ ملاحظہ ہو: الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم ج ۲ ص ۱۲۰۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

چند نکات:

ا۔تمام مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنی تمام ازواج کا حق مہر ساڑھے بارہ اوقیہ سونا(۱) ادا کیا تھا(۲)۔ جناب خدیجہ(س) کے بارے میں بھی اسی طرح ملتا ہے لیکن سیرت کی بعض کتابوں میں آیا ہے کہ رسولؐ خدا نے جناب خدیجہؑ کا حق مہر بیس اونٹ قرار دیا تھا اور اختلاف کو دور کرنے کے لئے دو طریقے بھی ذکر ہوئے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس روایت میں مذکورہ مقدار وہی ہے کہ جسے آنحضرتؐ نے اپنی طرف سے حق مہر پر اضافہ کر دیا تھا یعنی ساڑھے بارہ اوقیہ سونا اور بیس اونٹ حق مہر ادا کیا تھا، جبکہ دوسرا حل یہ بتایا گیا ہے کہ یہ بیس اونٹ اس ساڑھے بارہ اوقیہ سونا حق مہر کے بدلے میں ہیں(۳)۔ لیکن ہماری نظر میں پہلی بات زیادہ مناسب لگتی ہے کیونکہ تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں یہ متفقہ طور پر نظریہ ذکر ہوا ہے کہ جناب خدیجہ نے اپنا حق مہر اپنی طرف سے دیا تھا، اس لئے رسولؐ خدا کی مروت سے یہ بات بعید ہے کہ آپؐ خالی ہاتھ اپنی زوجہ کے پاس جاتے البتہ یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ جناب ابو طالبؑ نے یہ کہہ دیا تھا کہ جناب خدیجہؑ کا حق مہر میرے ذمہ ہے تو پھر جناب خدیجہؑ نے اسے اپنے ذمہ کیوں لیا؟ اور یہ وہی سوال ہے جو وہاں حاضرین نے البتہ دوسرے الفاظ میں کیا تھا، انہوں نے کہا تھا کہ عجیب ہے مردوں کو حق مہر عورتیں دینے لگیں؟ اور اس کا جواب بھی وہی ہے جو وہاں ذکر کیا گیا ہے البتہ جناب ابو طالبؑ بلکہ جناب خدیجہؑ اور رسولؐ خدا بھی تمام لوگوں کو یہ سمجھانے کے لئے مردوں سے حق مہر لینے

ا۔مشہور قول کے مطابق ہر اوقیہ سونا چالیس درہم چاندی کے برابر ہے جبکہ اس کا وزن ساڑھے سات مثقال ۲۹۰۷۵ گرام ہے۔یوں ساڑھے بارہ اوقیہ سونا بدلے کے لحاظ سے پانچ سو درہم اور وزن کے لحاظ سے تقریباً ۲۷ ۔۳ گرام سونا بنتا ہے۔

۲۔ملاحظہ ہو: تاریخ تحقیقی اسلام ج ۱ص ۲۸۰ از الذریۃ الطاہرۃ ص ۵۲، کشف الغمہ ج ۲ص ۱۳۹، بحار الانوار ج ۲۲ص ۲۰۵، ۲۰۶ و ۱۹۸، معانی الاخبار ص ۲۱۴ و ص ۶۵، اعلام الوریٰ ج ۱ص ۲۷۵ و مناقب ابن شہر آشوب ج ۱ص ۲۰۹ و دیگر کتب۔

۳۔ملاحظہ ہو: خاتم پیامبران ج ۱ص ۲۸۷۔

Presented by: Rana Jabir Abbas

پر اصرار نہیں کیا کہ وہ شاید یہ سمجھانا چاہ رہے تھے کہ اگر کہیں کوئی صفات حسنہ کا مالک اور دیندار شخص ملے تو چاہے اس کا حق مہر خود بھی ادا کرنا پڑے تو بھی کوئی عیب نہیں ہے، اس شخص کو کھونا نہیں چاہیے اور اس کے مالی حالات کو زیادہ اہمیت نہیں دینا چاہیے اور آپ کی ساری زندگی تو ہے ہی ہمارے لئے نمونہ عمل، بعض روایتوں میں ملتا ہے کہ حضرت علیؑ نے حق مہر ادا کرنے کی ضمانت دی تھی، لیکن یہ ایک غلط بات ہے کیونکہ آپؑ اس وقت تک پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔

۲۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ جناب ابوطالبؑ کی جگہ جناب حمزہؓ آپ کا نکاح پڑھانے گئے تھے(۱)۔ بعض نے یہ توجیہ پیش کی ہے کہ جناب حمزہؓ، جناب ابوطالبؑ کے ساتھ اس نیک کام کے لئے گئے تھے اور روایات میں غلطی سے جناب ابوطالبؑ کی جگہ جناب حمزہؓ کا نام آگیا ہے لیکن یہ توجیہ نا قابل قبول ہے اس لئے کہ جناب ابوطالبؑ کے ہمراہ اور لوگ بھی موجود تھے ان کا نام کیوں نہیں لیا گیا؟(۲)۔

۳۔ جناب خدیجہؑ کے ساتھ آنحضرتؐ کی شادی کے سلسلے میں بعض جھوٹی روایات بھی ملتی ہیں جو کسی طرح سے بھی جناب خدیجہؑ کی شان اور آپ کی قداست سے مطابقت نہیں رکھتی کیونکہ بعض روایتوں میں ملتا ہے کہ شادی سے پہلے حضرت رسول کریمؐ ایک مرتبہ جناب خدیجہؑ کے پاس گئے تو انہوں نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر (نعوذ باللہ) اپنے سینے پر رکھا، نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ چونکہ جناب خدیجہؑ کا چچا اس وصلت پر راضی نہیں تھا، اس لئے جناب خدیجہؑ نے ایک مرتبہ موقع پا کر ایک چال چلی اور اسے شراب پلا دی اور اس نے مستی کی حالت میں یہ شادی کر دی اور جب ہوش آیا تو دیکھا کہ اب پانی سر سے گزر چکا ہے اس لئے مجبوراً اسے قبول کرنا پڑا(۳)۔

۱۔ ملاحظہ ہو: تاریخ تحقیقی اسلام ج۱ ص ۲۷۳۔ ۲۷۴، الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم ج۲ ص ۱۰۹

۲۔ ایضاً

۳۔ ملاحظہ ہو: الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم ج۲ ص ۱۱۸۔۱۱۹، و تاریخ تحقیقی اسلام ج۱ ص ۲۷۸ از سیرۂ حلبیہ ج۱ ص ۱۳۸ تا ۱۴۰۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

بہر حال یہ بات نہ صرف عقل سے دور ہے بلکہ شان رسالت کے بھی منافی ہے اور غالباً چالاک دشمنوں، جاہل دوستوں یا پھر بے درد منافقوں کی طرف سے اس قسم کی روایات گھڑی گئی ہیں تا کہ دوسرے انبیاء کی طرح نعوذ باللہ اسلام کے بانی، سردار انبیاء حضرت محمدؐ کی شان بھی داغدار ہو جائے۔

۴۔ جناب ابو طالبؑ کے خطبہ میں ایک لفظ "دین شائع" (پھیلنے والا دین) ملتا ہے، جس کا مطلب ہے کہ جناب ابو طالبؑ کو بھی آپؐ کے دین کے بارے میں علم تھا کہ وہ پھیلنے والا ہے جبکہ قرآن مجید میں خود آنحضرتؐ کے بارے میں ملتا ہے کہ آنحضرتؐ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ آپؐ پر کوئی وحی بھی نازل ہوگی یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان چیزوں کا کچھ پتا ہی نہیں تھا(۱)۔ تو اس کا جواب صاحب الصحیح من سیرۃ النبیؐ الاعظم نے یوں دیا کہ ممکن ہے کہ آیتوں میں آنحضرتؐ کی ابتدائی زندگی کی طرف اشارہ ہے کہ پہلے یہ بات نہیں جانتے تھے بعد میں ان سے آگاہ ہوئے لیکن کب آگاہ ہوئے؟ اس بارے میں آیات خاموش ہیں۔

ثانیاً: علامہ طباطبائیؒ فرماتے ہیں کہ ان آیات کا مطمح نظر تفصیلی علم کی نفی کرنا ہے جبکہ آپ کو اپنے دین کے بارے میں اجمالی طور پر علم تھا، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ علم تو تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گذشتہ ادیان کی منسوخی کے ساتھ نئے دین کی بنیاد رکھیں گے لیکن کب اور کس طرح یہ نا معلوم تھا کیونکہ جناب عبداللہؑ، جناب عبدالمطلبؑ اور دوسرے افراد اجمالی طور پر خدا اور اس کی دیگر کتابوں پر یقین اور اعتقاد رکھتے تھے اور ظاہر ہے آنحضرتؐ کو بھی کم از کم ایسا ہی ہونا چاہئے تھا، اعتقاد کے علاوہ دین کے اور بھی معنی ہیں، جن میں سیرت، تدبیر، پارسائی، عادت اور شان وغیرہ ہیں اور یہ ہوسکتا ہے کہ مذکورہ عبارت میں دین سے مراد ان معنوں میں سے کوئی ایک معنی ہو(۲)۔

۵۔ جناب ابو طالبؑ کا مذکورہ خطبہ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ وہ لوگ خاص کر جناب ابو طالبؑ

۱۔ ملاحظہ ہو: سورۂ شوریٰ آیت ۵۲ و سورۂ قصص آیت ۸۶۔

۲۔ ملاحظہ ہو: الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم ج ۲ ص ۱۱۱۔۱۱۲۔

Presented by: Rana Jabir Abbas
jabir.abbas@yahoo.com
Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کا خاص احترام کیا کرتے تھے، انہیں اپنی شان کا بھی بخوبی علم تھا اور جناب رسولؐ خدا کے متعلق وہ بہت پر امید تھے اس بارے میں صاحب الصحیح من سیرۃ النبیؐ الاعظم فرماتے ہیں: کہ حضرت ابو طالبؑ کا مذکورہ خطبہ لوگوں کے دلوں میں رسولؐ خدا کی عزت و احترام کی غمازی کرتا ہے اور اس بات کو واضح کرتا ہے کہ لوگ آپؐ میں نبوت کی نشانیاں دیکھتے تھے، حضرت ابو طالبؑ کے کلمات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بنی ہاشم عظمت اور احترام کے مالک تھے، علاوہ ازایں خطبے کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب ابو طالبؑ انسان کو شرافت اور نجابت کی نظر سے دیکھتے تھے (۱)۔ اور ان کی نظر میں مال کی کوئی وقعت نہیں تھی لیکن اخلاقیات کی بہت قدر و قیمت ہے، اس خطبے میں گہرے غور و فکر کی مزید ضرورت ہے تاکہ بہت سے پوشیدہ نکات سامنے لائے جاسکیں البتہ یہاں اس کی مزید گنجائش نہیں ہے۔

ایک اعتراض اور جواب:

مادّہ پرست مستشرقین اور بعض سادہ لوح مؤرخین کا یہ کہنا ہے کہ آنحضرتؐ نے جناب خدیجہؑ سے شادی ان کی دولت کی وجہ سے کی تھی، مستشرقین کہتے ہیں کہ چونکہ جناب خدیجہؑ بہت مالدار تاجر خاتون تھیں، اس لئے انہیں کسی ایسے دیانتدار شخص کی ضرورت تھی جو ان کے تجارتی امور کی اچھے طریقے سے دیکھ بھال کرے اور اسی لئے انہوں نے صادق اور امین محمدؐ سے شادی کی اور آنحضرتؐ بھی چونکہ جناب خدیجہؑ کی خاندانی شرافت کے ساتھ ساتھ ان کی بہتر مالی حالت سے بھی بخوبی واقف تھے اس لئے عمر میں بہت زیادہ فرق کے باوجود آپؐ نے ان سے شادی کر لی (۲)۔

یہ بات نادرست اور سوائے الزام کے اور کچھ نہیں ہے۔ مادّہ پرست (Materialist) لوگ چونکہ کہ ہر چیز کو مادّی نقطہ نگاہ سے دیکھتے ہیں اس لئے انہوں نے یہ بے بنیاد بات کی ہے ورنہ حقیقت اس

۱۔ ملاحظہ ہو: الصحیح من سیرۃ النبیؐ الاعظم ج ۲ ص ۱۱۱۔۱۱۲۔

۲۔ ملاحظہ ہو: تاریخ تحقیقی اسلام ج ۱ ص ۱۷۹ و الصحیح من سیرۃ النبیؐ الاعظم ج ۲ ص ۱۲۰۔۱۱۹

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کے بالکل برعکس ہے کیونکہ اس شادی میں جناب خدیجہؑ کے مدنظر معنوی اوصاف تھے، مادّی نہیں اور اس کے دلائل یہ ہیں:

الف: جناب خدیجہؑ نے بڑے بڑے مالداروں کی شادی کی پیشکش کو ٹھکرا دیا تھا جن میں بعض ایسے بھی تھے جنہیں خدیجہؑ کے ساتھ کوئی خیانت کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

ب: جناب خدیجہؑ اپنے تجارتی قافلے کے لئے لوگوں سے معاہدے کر چکی تھیں اور کر بھی رہی تھیں، یہ معاہدے یا اجرت کے ہوتے تھے یا پھر مضاربہ کے اور ان معاہدوں کے لئے ہمیشہ انہیں امانت دار اور دیانت دار آدمی کی ضرورت رہتی تھی اور بعض لوگ تو مالی لحاظ سے آنحضرتؐ سے بھی بہتر تھے، جناب خدیجہؑ نے ان سے بھی شادی نہیں کی، اس کے علاوہ وہ ہر قافلے کے ساتھ اپنے غلاموں کو بھی بھیجتی تھی جو ان کی نگرانی کیا کرتے تھے اور خود ان لوگوں کو بھی رزق اور روزی کے لئے دیانت اور امانت داری سے کام لینا پڑتا اور گرچہ آپؐ "امین" کے لقب سے مشہور ہو چکے تھے لیکن دوسرے عرب بھی بالکل خائن نہیں تھے کیونکہ تاجر پیشہ اگر دین کے لحاظ سے امین نہ بھی ہو تو پیشہ کے لحاظ سے اس کا خیال رکھتا ہے اور مکّہ کے عربوں کا زیادہ تر پیشہ ہی تجارت تھا۔

ج: جناب خدیجہؑ کا غلام میسرہ بھی اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا جب آپؐ جناب خدیجہؑ کے مال سے تجارت کرنے نکلے تھے، واپسی پر اس نے سفر کی روداد کے ساتھ ساتھ راہب والے واقعہ کو بھی جناب خدیجہؑ کے گوش گزار کیا تھا جسے انہوں نے اپنے نصرانی چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کو سنایا تھا، جسے سن کر اس نے کہا تھا کہ اگر تمہاری باتیں صحیح ہیں تو حضرت محمدؐ اس امت کے نبی ہوں گے اور مجھے معلوم ہے کہ اس امت کو ایک پیغمبر کا انتظار ہے اور اب اس کے ظہور کا زمانہ نزدیک ہے اس لئے جناب خدیجہؑ کو آپؐ میں نبوت کی نشانیوں کا علم ہو گیا تھا۔

د: جناب خدیجہؑ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت اور امانت کا علم تو تھا ہی، نبوت کا بھی علم ہو گیا تھا اس کے علاوہ آپؐ کی ملاحت کے ساتھ ساتھ دوسری اخلاقی خوبیوں مثلاً ایفائے عہد، خندہ پیشانی، متانت

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور نرمی کا بھی ادراک ہوا تو آپؐ سے شادی کی خواہش کا اظہار خود ہی کیا۔

ہ: تاریخی واقعات کا اگر نہایت سرسری سا بھی مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ آپؐ سے شادی کے بعد جناب خدیجہؑ نے اپنی دولت کی فکر ہی چھوڑ دی اور وہ سارا مال آپؐ کے قدموں میں ڈال دیا اور آپؐ نے بھی وہ مال انسانیت کی بھلائی اور دین کی حفاظت کے لئے خرچ کر دیا تھی کہ شعب ابی طالب میں وہ مال دار شریف زادی فقر و فاقہ سے درختوں کے پتے تک کھانے پر مجبور ہوگئی پس اگر جناب خدیجہؑ کو اپنے مال کی حفاظت کے لئے کسی امانت دار شخص کی ضرورت ہوتی تو اس شادی کے بعد ان کے مال میں کم از کم کوئی ظاہری کمی واقع نہ ہوتی، اب چاہے ترقی ہوتی یا نہ ہوتی یہ ایک الگ بات ہے۔

نیز وہ آپؐ پر ایمان لانے والی سب سے پہلی خاتون ہیں اور ہر موقع پر انہوں نے آپ کا ساتھ دیا، پس اگر مستشرقین کی بات صحیح ہوتی تو انہیں ان مشکل لمحات میں آپ کا ساتھ چھوڑ دینا چاہیے تھا کیونکہ اس صورت میں آنحضرت کا سب قریش آہستہ آہستہ بائیکاٹ کر رہے تھے اور آپؐ سب سے الگ تھلگ ہو رہے تھے جس کی وجہ سے لازمی سی بات ہے کہ جناب خدیجہؑ کو بھی تجارت میں نقصان ہونا تھا اور اگر انہوں نے مادّی وجوہات کی بنا پر ان سے شادی کی ہوتی تو ان کے یہ مقاصد اور خواب پورے نہیں ہو رہے تھے بلکہ معاملہ برعکس ہو رہا تھا جس کی وجہ سے انہیں آپؐ سے الگ ہو جانا چاہیے تھا۔

اور اس طرح نہ صرف وہ اپنا تجارتی فائدہ حاصل کر سکتی تھیں بلکہ قریش میں اپنی عزت بھی بحال کرا لیتی بلکہ ان کی عزت دوگنی ہو سکتی تھی جبکہ انہوں نے سب کو ناراض کرنا گوارا کر لیا لیکن آنحضرت کا ساتھ نہیں چھوڑا۔

بعض روایتوں کی رو سے تو وہ آپؐ کی حوصلہ افزائی بھی کرتی رہیں پس ان تمام دلائل اور قرائن کی رو سے یہ کہنا پڑے گا کہ جناب خدیجہ (س) نے آنحضرتؐ سے شادی خالص معنوی اوصاف کے پیش نظر کی تھی اور ہماری مالدار خواتین کے لئے ایک بے مثال اور لازوال نمونہ عمل بن گئیں، اس لئے ہماری خواتین کو بھی چاہیے کہ وہ بھی جناب خدیجہ (س) اور اہلبیت علیہم السلام کو اپنا نمونہ عمل بنائیں۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اب رہا یہ سوال کہ آنحضرتؐ نے جناب خدیجہؑ سے کس لئے شادی کی تھی؟ تو اس کا جواب گزشتہ تمام باتوں سے نہایت واضح ہے کیونکہ اگر شادی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفتار و کردار میں کوئی خاص فرق آیا ہوتا خاص کر اقتصادی لحاظ سے یہ تبدیلی آئی ہوتی تب یہ کہا جا سکتا تھا کہ آپؐ نے دولت کی خاطر شادی کی ہے۔

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب خدیجہؑ کی وفات کے بعد ان کی یاد کو زندہ رکھا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر موقع پر جناب خدیجہؑ کی سہیلیوں کو بھی یاد فرمایا کرتے تھے اور ان کے لئے تحائف بھیجا کرتے تھے اور جناب خدیجہؑ کو بہت یاد کیا کرتے تھے حتیٰ کہ آپؐ کے اس کام کی وجہ سے آپ کی بعض بیویاں حسد کے مارے ایسے جملے کہنے پر مجبور ہوئیں جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت زیادہ غصہ آ گیا تھا(۱) اور یہ چیز حضرت خدیجہؑ سے آنحضرتؐ کی گہری محبت اور احترام پر دلالت کرتی ہے۔

حضرت علیؑ ابن ابی طالب کی ولادت باسعادت:

عام الفیل اور آنحضرت کی ولادت باسعادت کے تیس سال بعد ۱۳ رجب المرجب کو جمعہ المبارک کے دن حضرت علیؑ کی ولادت باسعادت خانہ کعبہ کے اندر ہوئی، مختلف راویتوں کے مجموعے سے اخذ ہونے والی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ مختلف شخصیتوں کی پیشین گوئیوں سے جناب ابوطالبؑ اور ان کی زوجہ کو معلوم ہو چکا تھا کہ جناب فاطمہؑ بنت اسد کے شکم اطہر میں پرورش پانے والا یہ بچہ خاص اور باصلاحیت بچہ ہے، پھر جب اس مولود کی ولادت باسعادت کا وقت قریب آیا تو جناب ابوطالبؑ پریشانی کی حالت میں مسجد الحرام کے باہر بیٹھے ہوئے تھے کہ آنحضرتؐ وہاں تشریف لے آئے اور ان سے پوچھا: ''چچا جان! کیا بات ہے پریشان نظر آ رہے ہیں؟'' انہوں نے جواب دیا: ''فاطمہ پر ولادت کے آثار نظر آ رہے ہیں''۔ آنحضرتؐ، جناب ابو طالبؑ کا ہاتھ پکڑ کر انہیں جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کے پاس لے

۱۔ ملاحظہ ہو: تاریخ تحقیقی اسلام ج ۱ ص ۱۴۸ از مواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۱۹۶۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

گئے اور آنحضرتؐ نے جناب فاطمہ کو خانہ کعبہ کے ساتھ لے آ کر فرمایا: بسم اللہ کر کے یہاں تشریف رکھیں اس مولود کا یہاں پیدا ہونا نہایت مناسب ہے اس وقت کعبہ کے ساتھ عباس بن عبدالمطلب اور زید بن قعنب، قبیلہ بنی ہاشم اور عبدالعزیٰ کے ہمراہ وہاں نزدیک ہی بیٹھے ہوئے تھے، جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کعبہ کے طواف سے فارغ ہو کر اس کی دیوار کے پاس آئیں اور اپنا سر آسمان کی طرف بلند کرتے ہوئے ان الفاظ میں دعا مانگی: ''اے خدا! میرا تم پر، تمہارے بھیجے ہوئے تمام انبیاء پر اور تیری نازل کردہ تمام کتابوں پر پختہ ایمان ہے اور میں اپنے دادا حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی تمام باتوں کی تصدیق کرتی ہوں، انہوں نے ہی تیرے اس بیت العتیق کی بنیاد رکھی تھی، خدایا تجھے اس گھر کو بنانے والے اور میرے شکم میں موجود اس مولود کے حق کا واسطہ اس مولود کی ولادت کو میرے لئے آسان فرما'' اس دعا کے بعد کعبہ کے پچھلے حصے کی دیوار شق ہوئی اور جناب فاطمہ اس میں داخل ہو کر نگاہوں سے اوجھل ہو گئیں جس کے بعد دیوار پھر سے جڑ گئی تین دن کے بعد جہاں سے پہلے دیوار شق ہوئی تھی وہیں سے پھر شق ہوئی اور جناب فاطمہ بنت اسد حضرت علیؑ کو گود میں لئے باہر تشریف لائیں، حضرت علیؑ تمام آلودگیوں سے پاک و پاکیزہ، مختون اور ناف بریدہ اس دنیا میں تشریف لائے، حضرت ابو طالبؑ نے نومولود کا نام علی رکھا اور آنحضرتؐ اسے گھر لے آئے۔ ایک روایت میں ملتا ہے کہ جس شب حضرت علی علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی جناب ابو طالبؑ یہ کہتے ہوئے گھر سے نکلے کہ اے لوگو! اللہ کا ولی کعبے کے اندر پیدا ہو گیا ہے(۱)۔

۱۔ ملاحظہ ہو: تاریخ تحقیقی اسلام ج۱ ص۲۵۹ تا ۲۶۱ و الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم ج۱ ص۱۵۹ تا ۱۶۰ از کثیر منابع۔

نوٹ: حضرت علیؑ کی کعبہ میں ولادت فریقین کے نزدیک مسلمہ بات ہے، مسعودی، حاکم، ابن صباغ، ابن مغازلی اور حلبی وغیرہ جیسے مؤرخین اور ان کے علاوہ دیگر مصنفوں اور شاعروں نے اپنی مشہور کتابوں میں اس بات کو درج کیا ہے بطور مثال ملاحظہ ہو: الغدیر ج۶ ص۲۲ تا ۳۸، الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم و تاریخ تحقیقی اسلام جو دیگر کتب جنہوں نے دسیوں معتبر شیعہ سنی کتابوں سے یہ واقعہ نقل کیا ہے اور ان کا حوالہ دیا ہے۔ اور حضرت علیؑ کے کعبہ میں ولادت کو نقل کرنے والی حدیث بھی فریقین کے نزدیک کم از کم مستفیض ضرور ہے، بلکہ حاکم جیسے دوسرے مصنفین اور مؤرخین نے اس حدیث کو متواتر جانا ہے۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تقریباً سبھی مورخین نے یہ کہا ہے کہ صرف حضرت علیؑ ہی کعبہ میں پیدا ہونے والے سب سے پہلی اور سب سے آخری شخصیت ہیں اس کی تفصیل بھی متعلقہ کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے لیکن یہاں اس بات کے ذکر کا مقصد یہ ہے کہ بعض لوگوں نے یہاں بھی حضرت علیؑ کی فضیلت میں کسی کو شریک کرنے کی ناکام کوشش کی ہے، جس طرح دیگر فضائل میں انہوں نے یہ نقب لگانے کی کوشش کی ہے بطور مثال دامادی رسولؐ کی فضیلت، ہجرت مدینہ کی فضیلت، جنگوں میں دلیرانہ کردار کی فضیلت، شب ہجرت بستر رسولؐ پر سونے کی فضیلت اور اسکے علاوہ کئی دیگر فضائل جنہیں یا تو جھٹلانے کوشش کی گئی، یا کمتر دکھانے کی کوشش کی گئی اور جہاں یہ دونوں کام نہ ہوسکے تو انہوں نے حضرت علیؑ کی بے مثال فضیلتوں کی مثال ڈھونڈنے کی کوشش ہے، یہاں بھی کعبہ میں حضرت علیؑ کی ولادت باسعادت کی بے مثال اور نا قابل انکار فضیلت کو کم تر دکھانے کی کوشش کی گئی بلکہ ساتھ ہی اس کا ہم مثل بھی ڈھونڈھنے کی کوشش کی گئی ہے تا کہ اگر یہ فضیلت جھٹلائی نہیں جاسکتی تو کم از کم مشکوک ضرور کی جائے تا کہ بعد میں آنے والے سادہ لوح یا مغرض مصنفین اس بات کو دلیل بناتے ہوئے سرے سے حضرت علیؑ کی خانہ کعبہ میں ولادت کا انکار کرتے جائیں اور رفتہ رفتہ یہ بات اذہان سے محو ہو جائے۔

چنانچہ سیرہ حلبیہ میں نقل ہوا ہے "حکیم ابن حزام کعبے کے اندر پیدا ہوا لیکن اس کے علاوہ کسی اور کے بارے میں ہم نہیں جانتے اور حضرت علیؑ کے کعبہ میں پیدا ہونے کے بارے میں ذکر ہونے والی روایتیں علماء کے نزدیک ضعیف ہیں اس کے بعد حلبی اور دیار بکری نے ان دونوں نظریات کو آپس میں اکٹھا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے دونوں کے کعبہ کے اندر پیدا ہونے کا احتمال دے کر اپنی سادہ لوحی کا بھرپور ثبوت فراہم کیا ہے (۱)۔ لیکن وہ یہ بھول گئے کہ اس ناقل کی بات کا آخری حصہ سفید جھوٹ پر مبنی ہے کیونکہ جن احادیث اور روایات کو اس نے ضعیف سمجھا ہے بقیہ مؤرخین اور مصنفین نے صرف ان کو صحیح سمجھا ہے بلکہ

ا۔ الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم ج ا ص ۱۶۱، سیرۃ حلبی ج ا ص ۱۳۹، تاریخ خمیس ج ا ص ۲۸۹ و دیگر کتب۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مستفیض کہا ہے بلکہ حاکم جیسے مصنف نے ان احادیث کو متواتر جانا ہے حکیم بن حزام کو اس فضیلت میں شریک کرنے کی بنیادی وجہ قبیلہ بنی اسد کی اہمیت کو اجاگر کرنا ہے، چنانچہ زبیریوں نے خاص کر مصعب بن عبداللہ اور زبیر بن بکار جیسے افراد نے یہ جعلی اور من گھڑت فضیلت ثابت کر کے اسلام میں اپنے لئے خاص امتیاز کا حامل ہونے کی کوشش کی ہے۔

کیونکہ حکیم بن حزام زبیر کا چچازاد بھائی ہے اور بقول صاحب "الصحیح" چچازاد ہونا اولاد ہونے کے برابر ہے(۱)۔ اس لئے کہ اس کا سلسلہ نسب حکیم بن حزام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ ہے اور زبیریوں کا سلسلہ نسب بھی عبدالعزیٰ پر ختم ہوتا ہے، بہرحال ہمارے نزدیک بلکہ امت مسلمہ کی اکثریت کے نزدیک خانہ کعبہ میں صرف حامی اسلام حضرت علیؑ کی ولادت ہوئی اور ان کے علاوہ خلقت کائنات سے اختتام کائنات تک نہ کسی کی خانہ کعبہ میں ولادت ہوئی ہے اور نہ ہوگی اس سلسلے میں کسی بھی قسم کی کوئی روایت عقل و منطق کی کسوٹی پر پورا نہ اترنے کی وجہ سے نا قابل قبول ہے۔

خانہ کعبہ کی تعمیر :

عام الفیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کے تقریباً پینتیس (۳۵) سال بعد دوسرے لفظوں میں بعثت سے پانچ برس پہلے اور حضرت علی علیہ السلام کی ولادت کے پانچ سال بعد خانہ کعبہ کی دوبارہ تعمیر کا واقعہ رونما ہوا، اس واقعہ سے نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر دلعزیزی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مؤرخین کہتے ہیں کہ اس سال ایک عورت خانہ کعبہ کو عود کی دھونی دینا چاہتی تھی لیکن اس کی غلطی سے ایک چنگاری اڑ کر خانہ کعبہ کے غلاف پر جا پڑی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے آگ پکڑ لی اور اس آگ کی

۱۔ الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم ج ۲ ص ۱۶۲، نیز اس کے حاشیہ میں مذکورہ منابع۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

وجہ سے خانہ کعبہ کی دیواروں کو بھی کافی نقصان پہنچا اور اس واقعہ کے بعد مکّہ میں ایک سخت سیلاب بھی آیا جسکی وجہ سے خانہ کعبہ کی دیواروں کو مزید نقصان پہنچا اور دیواریں اتنی خراب ہوگئیں کہ کسی بھی وقت ان کے گرنے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔

جس کی وجہ سے متفقہ طور پر سب قریشیوں نے اس کی مرمت کا فیصلہ کیا اور یہ طے پایا کہ خستہ حال عمارت کو گرا کر اسے نئے سرے سے تعمیر کیا جائے، مؤرخین کے بقول جب انہوں نے خانہ کعبہ کی تعمیر کا ارادہ کیا تو قبیلہ بنی مخزوم کے کسی بزرگ نے لوگوں سے کہا: "اے قریشیوں! اس گھر کی تعمیر میں صرف اپنا حلال مال خرچ کرو پس کسی بدکار عورت کا پیسہ، سود کا مال اور کسی کا زبردستی چھنا ہوا کوئی مال اس گھر کی تعمیر میں خرچ نہ کیا جائے"۔ پس قریش نے خالص نیت کے ساتھ خانہ کعبہ کی تعمیر کا عزم کیا۔

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ قریشی جب خانہ کعبہ کی مرمت کے لئے اس کے قریب گئے تو وہاں ایک بہت بڑے سانپ کو دیکھا جس نے خانہ کعبہ کا محاصرہ کیا ہوا تھا اور اپنی دم پر کنڈلی مارے ہوئے بیٹھا تھا، اس خطرناک سانپ کو دیکھ کر قریشی سہم گئے اور یہ گمان کیا کہ یہ سانپ خانہ کعبہ کی حفاظت کے لئے آیا ہے اور انہوں نے خانہ کعبہ کی عمارت گرانے کا ارادہ کر کے اپنی تباہی کو دعوت دی ہے، اس وجہ سے کوئی بھی آگے بڑھنے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا، اس صورتحال میں انہوں نے یہ سوچا کہ ضرور خود ان کے اندر کوئی نقص پایا جاتا ہے جس کو دور کرنے کی ضرورت ہے، اس موقع پر مغیرہ مخزومی کھڑا ہوا اور انہیں یہ نصیحت کی کہ ایک دوسرے سے حسد نہ کریں، مت جھگڑیں اور کام کو ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر نمٹائیں اور نئے سرے سے خانہ کعبہ کی تعمیر کا عزم کریں، جب انہوں نے تعمیر کا دوبارہ عزم کیا تو سانپ چلا گیا اور ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا، جس سے انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ سانپ انہیں سبق سکھانے اور عبرت دینے کے لئے خدا کی طرف سے بھیجا گیا تھا۔

تعمیر کے لئے قریش نے خانہ کعبہ کو چار حصوں میں تقسیم کیا، خانہ کعبہ کے دروازے والا حصہ بنی عبد مناف اور بنی زہرہ کے حصے میں آیا، رکن یمانی اور حجر اسود والا حصہ بنی مخزوم کے پاس آیا البتہ ان کے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ساتھ قریش کے چند چھوٹے قبیلے بھی کام میں لگ گئے تھے، کعبہ کے دروازے کے مقابل والا حصہ بنی جمح اور بنی سہم کے حصے میں آیا اور حجر اسماعیل والا حصہ بنی عبدالدار بن قصی، بنی اسد بن عبدالعزیٰ اور بنی عدی بن کعب کے حصے میں آیا اس تقسیم بندی کے بعد خستہ حال دیواروں کے گرانے کا مرحلہ آیا لیکن کعبہ کی قداست اور ہیبت یہاں بھی ان کے مانع ہوئی، بعض مؤرخین کے بقول وہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ کیا یہ اس گھر کے مالک کی اجازت اور حکم سے ہو رہا ہے یا ان کی اپنی مرضی اور خواہش سے ہو رہا ہے۔

یہاں بھی ولید مخزومی نے ہمت سے کام لیتے ہوئے ایک کدال اٹھائی اور یہ کہتے ہوئے اس عمارت کو گرانے میں مصروف ہوگیا کہ پروردگارا! ہمارا ارادہ صرف نیک ہے اور کوئی ارادہ نہیں ہے اور لوگوں کی طرف رخ کرتے ہوئے کہا کہ میں نے تم سب سے پہلے اس نیک کام میں ہاتھ ڈالا ہے، پھر قبیلہ بنی مخزوم کے حصہ یعنی حجر الاسود اور رکن یمانی کے درمیانی حصہ کا کچھ حصہ گرایا گیا لیکن اس کے باوجود دیگر حصوں کے لوگ اس کام سے پھر بھی ہراساں اور ہچکچارہے تھے، دوسرے دن ولید نے اپنا کام شروع کیا تو دوسرے لوگ بھی اس کام میں اس کے ساتھ شریک ہوگئے اور اپنے اپنے حصوں کو گرانے میں مصروف ہو گئے، وہ یہ کام کرتے رہے حتیٰ کہ بنائے ابراہیمی کی بنیادوں تک پہنچ گئے اور انہوں نے وہ بنیادیں دیکھ لیں۔

جب خانہ کعبہ کی خستہ حال عمارت گرانے کا خطیر مرحلہ اختتام کو پہنچا تو اس سے بھی بڑا مرحلہ اس کی تعمیر کا درپیش تھا، بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ اس کی تعمیر سے پہلے انہوں نے نقشہ تیار کیا اور اس کا نقشہ "باقوم" نامی ایک قبطی شخص نے تیار کیا، یہ شخص بنی امیہ کا ایک غلام تھا، بہرحال جب اس کا نقشہ تیار ہوگیا تو چاروں گروہ اپنے اپنے حصے کی تعمیر میں مصروف ہو گئے، اس تمام کام میں نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنے چچا عباس بن عبدالمطلبؓ کے ساتھ شریک رہے۔

روایات میں آیا ہے کہ خانہ کعبہ کی تعمیر کے سلسلے میں نبی کریمؐ اور عباس پتھر اٹھانے میں مصروف رہے اور آخر کار قریش نے خانہ کعبہ کی تعمیر کا عظیم کام مکمل کر لیا۔ اس کے ساتھ انہوں نے اس میں کچھ تبدیلیاں بھی کیں، ایک تو حجر اسماعیل کو انہوں نے خانہ کعبہ سے تھوڑا باہر نصب کیا۔ اس کے بارے میں

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مؤرخین کہتے ہیں کہ ان کے پاس حلال درآمد بہت کم تھی۔دوسرے خانہ کعبہ کے مشرق کی جانب کھلنے والے اکلوتے دروازے کو انہوں نے اپنی جگہ سے اونچا بنایا تا کہ اس میں کوئی داخل نہ ہو سکے بلکہ جسے وہ اندر داخل ہونے کی اجازت دیں صرف وہی اندر داخل ہو سکے۔

خانہ کعبہ کی تعمیر کا مرحلہ بخیر وخوشی اپنے اختتام کو پہنچا اور اس مرحلے پر کسی بھی قبیلے کا دوسرے کے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں ہوا کیونکہ ہر قبیلے کا اپنا ایک مخصوص حصہ تھا جسے اس نے کسی حیل و حجت کے بغیر تعمیر کر دیا تھا لیکن ایک اہم کام رہ گیا تھا اور وہ تھا حجر اسود کی اپنی جگہ پر تنصیب کا کام، یہیں پر آ کر قریش کے مختلف قبیلوں کا آپس میں اس بات پر سخت اختلاف پیدا ہو گیا تھا کہ اسے اپنی جگہ پر نصب کون کرے گا؟ بنی عبد الدار کا دعویٰ یہ تھا کہ قصی نے اس سے پہلے خانہ کعبہ کی تولیت ان کے سپرد کی تھی، اس لئے وہ اس بات کے زیادہ حق دار ہیں، انہوں نے چار شب و روز اسی حالت میں گزارے، پانچویں دن انہوں نے مسجد الحرام میں اکٹھے ہو کر صلح وصفائی کی بات کی، یہاں قریش کے ایک بزرگ نے کھڑے ہو کر انہیں صلح کی سفارش کرتے ہوئے کہا: اے قریشیو! اس اختلافی مسئلے کا حل یہ نکل سکتا ہے کہ مسجد الحرام کے دروازے سے داخل ہونے والے سب سے پہلے شخص کو قاضی اور جج بنالو تا کہ تمہارے درمیان کوئی مناسب فیصلہ کرے اور وہ جو بھی فیصلہ کرے اس کی تعمیل کرو۔ حاضرین نے بھی اس مذکورہ پیشکش کو قبول کر لیا اور اسے خدائی لطف قرار دیا ،تمام آنکھیں مسجد الحرام کے دروازے پر لگ گئیں اور تمام نظریں اس طرف مرکوز ہو گئیں، اچانک دروازہ کھلا اور آنے والے کے نور نے تمام افراد کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا کیونکہ آنے والی شخصیت کوئی اور نہیں، بلکہ عقل کل، رحمت للعالمین، سرور کائنات، خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والا صفات تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر مجمع کے ایک بزرگ نے پکار کر کہا: یہ شخص امین ہے اور ہم اس کے فیصلے پر راضی وخشنود ہیں۔

بہر حال آنحضرتؐ اس مجمع کے قریب گئے اور پورا ماجرا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا گیا تو آپؐ نے بھی اس مسئلے کی قضاوت کو قبول کر لیا اور فرمایا: ایک بڑا کپڑا لایا جائے پھر آپؐ نے خود اپنے ہاتھوں سے حجر

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اسود کو اٹھایا اور اس کپڑے پر رکھا اور فرمایا: ''ہر قبیلے کا (بزرگ یا نمائندہ) اس کپڑے کا ایک کونہ پکڑے اور پھر سب اکٹھے اسے اٹھائیں''۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور حجر الاسود کو اس کی جگہ پر لے آئے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے حجر الاسود کو اپنی جگہ پر نصب کیا جس سے یہ مشکل اپنے اختتام کو پہنچی اور بیت اللہ کی تعمیر بھی بخیر وخوشی اپنے اختتام پذیر ہوئی (۱)۔

چند نکات:

۱۔ جیسا کہ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا کہ آنحضرتؐ اپنے کردار اور سیرت کی وجہ سے لوگوں میں معروف اور ہردل عزیز تھے، بعض رواتیوں میں ملتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں قریش اپنے جھگڑوں کا فیصلہ بھی آپؐ ہی سے کرانے آتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپؐ فیصلہ کرتے وقت کسی کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی سے کبھی جھگڑتے ہیں (۲)، بہرحال حجر اسود کی تنصیب کا مذکورہ واقعہ آپ کی ہردلعزیزی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

۲۔ مؤرخین کا اس بات میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ یہ واقعہ کب رونما ہوا؟ بعض کا کہنا ہے کہ آپؐ کی ولادت باسعادت کے پچیس برس بعد یہ واقعہ پیش آیا، جبکہ مشہور یہی ہے کہ یہ واقعہ پینتیس برس بعد پیش آیا (۳) اور یہاں مشہور قول کہ مخالفت کا کوئی جواز نہیں ہے، خاص کر اس صورت میں کہ اس کی تائید میں کچھ شواہد اور قرائن بھی ہمیں ملتے ہیں بطور مثال مؤرخین کہتے ہیں کہ خانہ کعبہ کی تعمیر کے ایک سال بعد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے چار سال قبل قریش شدید قحطی میں مبتلا ہوئے (۴) اور معلوم ہے

۱۔ ملاحظہ ہو: خاتم پیامبران ج۲ ص۲۹۵ تا ۳۰۰ والصحیح من سیرۃ النبی الاعظم ج۲ ص۱۱۶ تا ۱۶۸۔ دتاریخ وسیرت کی دیگر کتب۔
۲۔ الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم ج۲ ص۱۶۵ از سیرۂ حلبیہ ج۱ ص۱۴۵۔
۳۔ ملاحظہ ہو: الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم ج۲ ص۱۶۴ اور اس کے حاشیہ میں مذکور منابع وماخذ۔
۴۔ ملاحظہ ہو: تاریخ تحقیقی اسلام ج۱ ص۲۹۳ ودیگر کتب۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کہ بعثت کے وقت آنحضرتؐ چالیس برس کے تھے اور بعثت سے چار سال پہلے مکہ میں قحط پڑا یعنی مکہ میں قحط سالی کے موقع پر آپؐ کی عمر مبارک چھتیس برس تھی اور مورخین کہتے ہیں کہ یہ قحط سالی تعمیر کعبہ کے ایک سال بعد مکہ میں آئی، اس بنا پر تعمیر کعبہ کے وقت آپؐ کی عمر پینتیس برس ہوگی، بہرحال مشہور قول بھی یہی ہے۔

۳۔ بعض مورخین اس واقعہ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کو نشانہ بناتے ہوئے لکھتے ہیں کہ خانہ کعبہ کی تعمیر کے موقع پر دوسروں کے ساتھ ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی خانہ کعبہ کی تعمیر میں ہاتھ بٹانے کے لئے پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے کہ اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرم گاہ ظاہر ہوگئی تو ایک ہاتف غیبی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا لباس صحیح کرنے کا کہا جس کے بعد کبھی بھی آپ کا جسم اطہر نہیں دیکھا گیا(۱)۔

یہ نامعقول بات کسی بھی صورت میں قابل قبول نہیں ہے کیونکہ اس حدیث میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے بطور مثال ایک روایت میں آپؐ کے چچا عباس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کپڑا ٹھیک کر لینے کو کہا جبکہ بعض روایات میں خود آپؐ نے یہ کام کیا، اسی طرح بعض روایتوں میں آیا ہے کہ آپؐ نے خود اپنا کپڑا ٹھیک کیا، بعض دیگر روایتوں میں آیا ہے کہ آپؐ کے چچا عباس نے یہ کام کیا۔ دیگر روایات میں آیا ہے کہ ہاتف نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کپڑا سیدھا کرنے کو کہا اور ایک غیبی ہاتھ آپ پر پڑا بہرحال اس کے علاوہ اور بھی اختلاف اور تضاد پایا جاتا ہے، جو ذہین قاری سے کسی بھی طور پر پوشیدہ نہیں رہ سکتا، اس بارے میں کچھ اختلاف الصحیح نے بھی اپنی کتاب کی دوسری جلد میں بیان کیا ہے، اس کے علاوہ مزید مطالعہ سے قارئین خود بھی ڈھونڈ سکتے ہیں اس کے علاوہ کسی شادی شدہ پینتیس سالہ باحیا اور غیرت مند شخصیت سے بھی عقلی لحاظ سے بہت بعید ہے کہ وہ مجمع عام میں چاہے کسی کام کی خاطر ہی سہی اپنی شرم گاہ کو ظاہر کرے، چہ جائیکہ آپؐ

۱۔ الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم ج ۲ ص ۱۶۶۔ ۱۶۸ از بخاری و مسلم و دیگر کتب و تاریخ و حدیث

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جیسے شریف اور باحیا آدمی سے یہ فعل سرزد ہو، نیز آپ کی یہ حدیث بھی ملتی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ "خدا کی مجھ پر ہونے والی عنایات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی نے بھی میرے جسم کو نہیں دیکھا"(۱)۔

حضرت علیؑ کی کفالت :

مؤرخین کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی علیہ وآلہ وسلم بعثت سے چار سال قبل یعنی خانہ کعبہ کی تعمیر کے ایک سال بعد حضرت علی علیہ السلام کو اپنے پاس کفالت کے لئے لے آئے ،اس وقت حضرت علیؑ کی عمر مبارک چھ برس تھی اور تب سے حضرت علی علیہ السلام آپؐ کے ساتھ ساتھ رہے اور آنحضرتؐ کی پیروی میں ان کے دن رات گزرے،اس بارے میں خود حضرت علیؑ نہج البلاغہ کے خطبہ قاصعہ میں یوں فرماتے ہیں:

و قدعلمتم موضعی من الرسول اللّٰہ صلی علیہ وآلہ وسلم بالقرابة القریبه و المنزلة الخصیصة وضعنی فی حجره و انا ولد یضمنی الی صدره و یکفنی فی فراشه و یمسّنی حسده و یشمنی عرفه و کان یمضغ الشیئ ثم یلقمینه وما وجد لی کذبة فی قول و لا خلطة فی فعل۔

تم تو جانتے ہی ہو کہ رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم سے قریب کی عزیز داری اور مخصوص قدر و منزلت کی وجہ سے آپؐ کے نزدیک میرا کیا مقام تھا، میں بچہ ہی تھا کہ رسولؐ نے مجھے گود لے لیا تھا،آپؐ اپنے سینے سے مجھے چمٹائے رکھتے، بستر میں اپنے پہلو میں جگہ دیتے، اپنے جسم مبارک کو مجھ سے مس کرتے اور اپنی خوشبو مجھے سنگھاتے تھے،آپؐ پہلے کسی چیز کو چباتے پھر اسے لقمے بنا کر میرے منہ میں دیتے تھے،انہوں نے تو نہ میری کسی بات پر جھوٹ کا شائبہ پایا اور نہ میرے کسی کام میں لغزش اور کمزوری دیکھی (۲)۔

بہر حال یہ بات تو قطعی اور یقینی ہے کہ حضرت علیؑ نے بچپن سے ہی آپؐ کے دامن میں پرورش پائی اور خود کفیل ہونے تک آپ صلی علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی لیکن حضرت علی علیہ السلام کو اپنے پاس لے آنے کی کیا

۱۔ الصحیح من سیرۃ النبیؐ الاعظم ج ۲ ص ۱۷۰ از سیرۂ حلبیہ ج ۱ ص ۵۳۔۵۴۔۱۲۴

۲۔ نہج البلاغہ صبحی صالح خطبہ ۱۹۲ اور علیؑ بزبان علیؑ ص ۴۵۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

وجوہات تھیں؟ اس بارے میں مؤرخین کا تھوڑا بہت اختلاف پایا جاتا ہے ذیل میں اس سلسلہ میں ذکر ہونے والے اقوال نقل کرتے ہیں:

اول: مشہور ہے کہ خانہ کعبہ کی تعمیر کے اگلے سال مکہ میں قحط پڑا اور قریش سخت مالی مشکلات کا شکار ہو گئے، اس زمانے میں جناب ابو طالبؑ کثیر العیال اور قلیل المال شخص تھے، جناب ابو طالبؑ کی یہ صورتحال دیکھتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا عباس سے فرمایا کہ تمہارے بھائی ابو طالبؑ کثیر العیال آدمی ہیں اور تم جانتے ہو کہ سب لوگ مالی لحاظ سے پریشانیوں کا شکار ہیں کیوں نہ جا کر ابو طالب کا بار ہلکا کریں اور ہم میں سے ہر ایک اس کے ایک بیٹے کی کفالت اپنے ذمہ لے لیں؟

جناب عباس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مثبت جواب دیا اور دونوں جناب ابو طالبؑ کے پاس چلے گئے اور جناب ابو طالب کے سامنے اپنی پیشکش رکھی، جس کے جواب میں جناب ابو طالبؑ نے فرمایا کہ عقیل کو میرے پاس رہنے دو باقی جس کو چاہو لے جاؤ۔ (کیونکہ عقیل جناب ابو طالبؑ کو بہت پیارے تھے) بہر حال اس کے نتیجہ میں مؤرخین کہتے ہیں کہ جناب حمزہ نے جعفر، جناب عباس نے طالب اور آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کی کفالت اپنے ذمہ لے لی اور انہیں اپنے اپنے گھر لے آئے یوں جناب ابو طالبؑ کا بوجھ کچھ ہلکا ہوا (۱)۔

لیکن اس روایت میں چند ایک نا قابل ہضم نکات ہیں:

الف: روایتوں میں ملتا ہے کہ جناب ابو طالبؑ کے بیٹوں کی پیدائش میں دس دس سال کا فرق تھا (۲)۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علیؑ

۱۔ ملاحظہ ہو: سیرۃ ابن اسحاق ج۱ ص ۲۶۲، انساب الاشراف ج ۲ ص ۳۱، از احمد بن یحییٰ بن جابر بلاذری، تحقیق سہیل زکار، ایڈیشن اول، دار الفکر بیروت ۱۹۹۶ م۔ مقاتل الطالبین ابو الفرج اصفہانی ص ۱۵ اور تاریخ و سیرت کی دیگر کتب۔ تاریخ تحقیقی اسلام ج ۱ ص ۲۹۲ تا ۲۹۴ و خاتم پیامبران ج ۱ ص ۵۷۲۔

۲۔ ملاحظہ ہو تاریخ تحقیقی اسلام ج ۱ ص ۲۹۵۔ و انساب الاشراف ج ۲ ص ۱۹۵، اس کتاب میں ایک اور روایت بھی ہے کہ جعفر اور علیؑ کے درمیان نو سال جبکہ جعفر اور عقیل کے درمیان چار سال کا فرق تھا۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کے چھ برس ہونے کی صورت میں ان کے بڑے بھائی سولہ برس، ان سے بڑے چھبیس برس اور ان سے بڑے چھتیس برس کے ہوں گے کیونکہ حضرت علیؑ اپنے تمام بھائیوں سے چھوٹے تھے، جس کا مطلب یہ ہے حضرت علیؑ کے علاوہ حضرت ابوطالبؑ کے دیگر تمام بیٹے کم از کم اتنے بڑے ہو چکے تھے کہ کاروبار زندگی میں اپنے والد کا ہاتھ بٹا سکتے تھے۔

ب: اس زمانے میں چار بیٹوں والوں کو کثیر العیال نہیں کہا جاتا تھا بلکہ جس طرح جناب عبد المطلبؑ کے حفر زمزم کے واقعہ میں آیا ہے، لوگ تو کم اولادی خاص کر بیٹوں کی تعداد کم ہونے پر دوسروں کو طعنہ دیا کرتے تھے اور کثرت اولادِ نرینہ انسان کی سعادت کی علامت سمجھی جاتی تھی بلکہ ہمارے بعض علاقوں میں تو آج بھی یہی صورت حال ہے خود جناب عبدالمطلب کے دس سے بھی زیادہ بیٹے مؤرخین نے ذکر کئے ہیں حتی کہ مؤرخین کے درمیان نذر والا واقعہ مشہور ہوا بھی اسی وجہ سے تھا۔

یہی وجہ ہے کہ تاریخی کتب میں ان کے متعلق کثیر العیال ہونے کا لفظ نہیں پایا جاتا، بہر حال چار بیٹے اور وہ بھی کمانے والے اور ہاتھ بٹانے والے بھی اتنا بڑا بوجھ نہیں ہوتے کہ انسان غربت کی وجہ سے انہیں دوسروں کو پالنے کے لئے دے دے۔

دوم ایک نظریہ یہ ہے کہ جب آنحضرتؐ کی جناب خدیجہؑ کے ساتھ شادی خانہ آبادی ہوئی تو آپؐ نے جناب ابوطالبؑ سے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ آپؑ اپنے کسی ایک بیٹے کو میرے سپرد کریں تا کہ وہ میرا ہاتھ بٹا سکے اور میرا ہمدم و مونس ہو اور اس خدمت پر ہم آپؑ کے شکر گزار ہوں گے، جناب ابوطالب نے آپؐ سے کہا: جس کسی کو دل چاہے لے جا سکتے ہو اور آنحضرتؐ حضرت علیؑ کو اپنے ساتھ لے گئے(۱)۔ لیکن اس نظریہ میں سب سے بڑی قباحت یہ ہے کہ جب آنحضرتؐ حضرت خدیجہؑ سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے تھے اس وقت مشہور قول اور ہمارے نظریہ کے مطابق حضرت علیؑ کی ولادت ہی نہیں ہوئی تھی کیونکہ

۱۔ تاریخ تحقیقی اسلام ج۱ ص ۲۹۳۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

آنحضرت پچیس عام الفیل کو رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے تھے جبکہ حضرت علیؑ کی ولادت باسعادت تیس عام الفیل کو ہوئی یعنی حضرت علیؑ آنحضرت کی شادی خانہ آبادی کے پانچ برس بعد پیدا ہوئے، اور ظاہر ہے نشوونما کے لئے بھی تو کچھ عرصہ درکار ہوتا ہے، اس لئے کم از کم چھ سات برس کا وقفہ ماننا پڑے گا اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ شادی سے پانچ برس بعد پیدا ہونے والا بچہ شادی کے پانچ سال بعد پہلے بھی موجود ہو اور اتنا بڑا ہو کہ خدمت گزاری بھی سلیقے سے کر سکے مگر یہ کہ آنحضرت کی شادی اور حضرت علیؑ کی ولادت باسعادت کے متعلق مشہور اور معتبر اقوال سے ہٹ کر کوئی اور نظریہ اپنایا جائے۔

سوم: تیسرا نظریہ یہ ہے کہ قریش کے بزرگوں کی یہ عادت تھی کہ جب ان کی اولاد کچھ بڑی ہو جاتی تھی تو وہ اپنے خاندان کے کسی شریف بزرگ کے سپرد کر دیتے تھے تاکہ وہ پدری شفقت کا ملاحظہ کئے بغیر اس بچے کی صحیح طریقے سے تربیت کر سکے اس بنا پر جب عقیل کچھ بڑے ہوئے تو اسے جناب ابوطالبؑ نے اپنے بھائی عباس کے سپرد کیا، جعفر کو اپنے بھائی حمزہ کے اور پھر حضرت علیؑ کو رسول اکرمؐ کے سپرد کیا(۱)۔

یہ نظریہ اگرچہ بظاہر نہایت عمدہ نظر آتا ہے خاص طور پر اس وجہ سے کہ اس کی تائید میں کچھ قرائن اور واقعات بھی ملتے ہیں۔ بطور مثال رسولؐ خدا کا بادیہ میں پلنا اور اس کے لئے یہ سبب بیان کرنا کہ اس طرح بچے کی نشوونما بہتر ماحول میں ہوتی ہے، اس کے علاوہ جناب عقیل اور جناب عباس، حضرت جعفر اور حضرت حمزہ اور حضرت علیؑ اور آنحضرتؐ کی روحیات، کردار اور موقف کا موازنہ کیا جائے تو ان میں بہت حد تک شباہت ملے گی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان شخصیات کی چھاپ ان افراد پر پڑی تھی اور یہ چھاپ اس وقت لگتی ہے جب یہ افراد ان شخصیات کے زیر سایہ کچھ عرصہ رہے ہوں اور جناب ابوطالب کے بیٹوں میں دس سالہ فرق کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بات زیادہ مناسب لگتی ہے۔

لیکن اس میں بھی چند ایک مشکلات ہیں ذیل میں بعض کی جانب اشارہ کرتے ہیں:

۱۔ ملاحظہ ہو: تاریخ تحقیقی اسلام ج ۱ص ۲۹۵۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

الف: ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ یہ نظریہ نادر ہے یعنی اکثر مؤرخین کے نزدیک نا آشنا ہے۔

ب: دوسرا یہ ہے کہ یہ دعویٰ کیا تو گیا ہے لیکن ہمیں رسول کریمؐ اور حضرت علیؑ اور باقی چند ایک کے علاوہ اور کہیں کسی کا ذکر نہیں ملتا اور عموماً منابع میں یہی ملتا ہے کہ بچہ کو بادیہ یا دوسرے لفظوں میں دیہات میں بھیجا جاتا تھا اور آنحضرتؐ کو بھی شیر خوارگی کے زمانے میں قبیلہ بنی سعد میں بھیجا گیا لیکن حضرت علیؑ کے بارے میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ لڑکے کو اپنی قوم کسی بزرگ کے سپرد کیا جاتا تھا اور حضرت علیؑ کو چھ برس کی عمر میں آنحضرتؐ کے سپرد کیا گیا

ج: ایک اور مشکل جو دونوں نظریات میں پائی جاتی ہے وہ مؤرخین کا جناب حمزہ اور عباس کو آنحضرتؐ کے ہم سن بلکہ آپؐ سے بھی عمر کے لحاظ سے چھوٹا بتاتا ہے اور اگر جناب ابو طالبؑ کے بیٹوں میں دس دس برس کے فرق کو مد نظر رکھا جائے تو جناب ابو طالبؑ کے کم از کم دو بیٹے اپنی کفالت کرنے والوں کے ہم سن ہوں گے یا پھر ان سے صرف کچھ برس چھوٹے ہوں گے اور یہ بات ناممکن یا کم از کم بہت نادر اور عجیب و غریب ہوتی ہے کہ ایک ہم سن اور وہ بھی چھوٹی عمر میں اپنے ہم سن کی کفالت کرے اور اس بات میں دقت کی اشد ضرورت ہے۔

بعثت سے قبل آپؐ کا دین :

علماء اور مؤرخین کا حضرت محمدؐ کی بعثت سے قبل دین کے متعلق گہرا اختلاف پایا جاتا ہے اور قدیم الایام سے یہ بحث معرکۃ الآراء رہی ہے، کلی طور پر اس بارے میں تین قسم کے نظریات پائے جاتے ہیں :

ا۔ ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ آنحضرتؐ بعثت سے قبل کسی آسمانی شریعت کے پابند نہیں تھے۔

اس نظریہ والے کہتے ہیں چونکہ حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رتبے کے لحاظ سے سب سے افضل ہیں اور دوسرے انبیاء کے متعلق ملتا ہے کہ انہیں بچپن میں ہی نبوت عطاء ہو گئی تھی، اور ایسی روایات بھی ملتی ہیں کہ جن میں آپؐ کی عبادتوں کا ذکر ملتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ بعثت سے پہلے ایک دین

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

داراور عبادت گزار شخصیت تھے لیکن پھر اس گروہ کا آپس میں اس بات پر اختلاف پایا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ بعثت سے پہلے کسی دین پر عمل کیا کرتے تھے؟ بعض کہتے ہیں کہ آپؐ حضرت نوحؑ کی شریعت پر عمل کیا کرتے تھے، بعض کہتے ہیں کہ آپؐ حضرت ابراہیمؑ کی شریعت کے پابند تھے، بعض کا کہنا ہے آنحضرتؐ حضرت موسیٰؑ کے دین پر عمل پیرا تھے جبکہ بعض لوگوں کا نظریہ یہ ہے کہ آپؐ حضرت عیسیٰؑ کی شریعت کی پیروی کیا کرتے تھے بعض علماء کا نظریہ یہ بھی ہے کہ آپؐ اپنی ہی شریعت یعنی دین اسلام پر عمل کیا کرتے تھے۔

۲۔ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی بھی شریعت کے پابند نہیں تھے۔

اس نظریہ کے مالک وہ لوگ ہیں جنھوں نے (نعوذ باللہ) اپنی کتابوں میں بعثت سے پہلے آپؐ کے مردار کھانے اور بتوں کو متبرک سمجھ کر چھونے کا ذکر کیا ہے(۱) کیونکہ یہ افعال خاص کر بت پرستی یا ان سے تبرک کسی دین دار آدمی سے سرزد نہیں ہوتے اس لئے ان افعال سے معلوم ہوتا ہے کہ بعثت سے پہلے آنحضرتؐ کسی آسمانی اور الٰہی شریعت کے پابند نہیں تھے۔

اس سلسلہ میں بہت سی روایات بھی نقل کی گئی کہ ہیں آنحضرتؐ نہ صرف دین کے پابند نہیں تھے بلکہ ''نعوذ باللہ'' بت پرست یا مائل بہ بت پرستی تھے لیکن بعض دوسرے لوگ ایسے نہیں تھے چنانچہ ان افسانوی روایات میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ زید بن عمرو بن نفیل عدوی (جس کا شمار حنفاء میں ہوتا ہے) کا گزر آپؐ کے قریب سے ہوتا ہے جبکہ اس وقت آنحضرتؐ سفیان بن حرث کے ساتھ کھانا کھانے میں مصروف تھے۔ اور کھانا اس گوشت سے تیار کیا گیا تھا جس کو غیر خدا یعنی بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا تھا، آپؐ نے اسے

۱۔ ملاحظہ ہو: صحیح بخاری بشرح کرمانی ج ۲۰ ص ۹۵ حدیث ۵۱۵۱، باب ''ما ذبح علی النصب والاصنام''، کتاب الصید والذبائح، سیرۃ حلبیہ ج ۱ ص ۲۰۲ تا ۱۲۷۰، فتح الباری ج ۹ ص ۷۸۵ تا ۷۸۲ حدیث ۵۴۹۹ کتاب الصید والذبائح، باب ''ما ذبح علی النصب والاصنام'' والروض الانف ج ۱ ص ۲۵۲ منقول از الصحیح من سیرت النبیؐ الاعظم ج ۲ ص ۲۰۱ تا ۲۰۲۔ نیز الشفاء فی احوال مصطفیٰ وسیرۃ دحلان ج ۱ ص ۱۵ منقول از تاریخ تحقیقی اسلام ج ۱ ص ۳۰۹

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کھانے کی دعوت دی تو اس نے انکار کرتے ہوئے کہا: جس جانور کو تم بتوں کے نام پر ذبح کرتے ہو میں اس کا گوشت نہیں کھاتا، اس واقعہ کے بعد آپ کو پھر کبھی ایسے دسترخوان پر نہیں دیکھا گیا جس میں بتوں کے نام پر ذبح کیے جانے والے جانور کے گوشت کا پکا ہوا کھانا موجود ہو(۱)۔

اس روایت میں نہ صرف زید بن عمرو کو آپؐ سے زیادہ عقلمند اور سمجھدار دکھایا گیا ہے بلکہ اس سے یہ نتیجہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ آپ کی تعلیمات لوگوں سے سیکھی ہوئی ہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے رفتار و کردار سے سبق سیکھ کر اور متاثر ہو کر اپنے رفتار اور کردار کو سنوارتے رہے اور انہیں اپنی تعلیمات کی بنیاد بنایا اور یہی چیز مستشرقین اور بے دین لوگوں کی اسلام اور پیغمبر اسلام پر تنقید کا باعث بنی ہے حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ حقیقت یہ نہیں ہے اسی بنا پر بھی لکھتے ہیں: نہیں معلوم کیسے خدا نے زید کو اس بات کی توفیق دے دی تھی کہ بتوں کے نام پر ذبح ہونے والے جانور کا گوشت کھانے سے پرہیز کرے حالانکہ رسول خدا اس فضیلت کے زیادہ لائق تھے کیونکہ ثابت ہو چکا ہے کہ خدا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گناہوں کے ارتکاب سے بچائے رکھتا تھا اس کے باوجود بعض لوگ اس روایت کی توجیہ اور تاویل کرتے ہیں کہ روایت میں یہ تو نہیں آیا کہ آنحضرتؐ نے اس کھانے سے کچھ کھایا ہو اور اگر بالفرض کھایا بھی ہو تو دین ابراہیمی میں صرف مردار کھانا حرام تھا غیر اللہ کے نام پر ذبح ہونے والا جانور نہیں؟!

شاید زید اپنے طور پر غیر اللہ کے نام پر ذبح ہونے والے جانور کا گوشت کھانے سے پرہیز کرتا ہوگا! گذشتہ شریعتوں پر عمل کرنے کی وجہ سے نہیں! لیکن عذر گناہ بدتر از گناہ کے مصداق یہ بھونڈی تاویلات ان نامعقول روایتوں کی ہرگز توجیہ کر کے انہیں معقول صورت میں پیش نہیں کر سکتیں بلکہ اس سے نبی کریم کی

۱۔ ملاحظہ ہو: صحیح بخاری شرح الکرمانی ج ۲۰ ص ۹۵، ح ۵۱۵۱، باب ما ذبح علی النصب والاصنام، کتاب الصید، فتح الباری شرح صحیح بخاری ج ۹ ص ۸۵ ۷ و ۸۷۶، سیرۂ حلبیہ ج ۱ ص ۲۰۲، الروض الانف ج ۱ ص ۲۵۶، تاریخ تحقیقی اسلام ج ۱ ص ۳۶۰، الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم ج ۲ ص ۲۰۱۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

شان میں کمی کا شائبہ ہوتا ہے، اس لئے کہ اگر زید اپنی سوجھ بوجھ سے وہ حرام گوشت کھانے سے پرہیز کر سکتا تھا تو کیا فرشتوں کے ذریعہ تربیت پانے والے نبی کریم میں (نعوذ باللہ) اتنی سوجھ بوجھ بھی نہیں تھی کہ وہ ان کاموں سے پرہیز کریں؟! کیا فرشتوں کی تربیت اور عبادت خدا کا کوئی فائدہ نہیں ہوا؟ کہ آپ غیر اللہ کے نام پر ذبح ہونے والے جانور کا گوشت کھائیں، بت پرستی کریں یا بتوں کے عاشق ہوں (۱) لیکن زید اور ان جیسے افراد ان چیزوں سے پرہیز کریں؟! پھر تو یہ لوگ (نعوذ باللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ افضل اور نبوت کے لائق تھے۔

بہر حال اس قسم کی نامعقول باتیں بہت زیادہ ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب کیا گیا ہے اور لگتا یہی ہے کہ کچھ افراد کے رشتہ داروں کے حق میں یہ باتیں گھڑی گئی ہیں تا کہ انہیں مقام اور مرتبے کے لحاظ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ دکھایا جائے (۲) لیکن ہمیں یہ جعلی اور من گھڑت روایات ہرگز قبول نہیں ہیں چاہے کسی صحیح کتاب میں ہی موجود ہوں۔

۳۔ایک گروہ نے اس بارے میں کسی بھی قسم کے نظریہ کے اظہار سے دریغ کرتے ہوئے اس معاملے میں توقف اختیار کیا ہے۔

اس نظریہ کے مالک لوگوں کا کہنا ہے کہ طرفین کا استدلال پایہ ثبوت تک نہیں پہنچ سکتا اس لئے کہ پیغمبر اسلام کے متعلق خود خدا کہتا ہے کہ ﴿و کذلک اوحینا الیک روحا من امرنا ما کنت تدری ما الکتاب و لا الایمان﴾ (۳) اور اسی طرح ہم نے اپنے امر سے ایک روح کو تمہاری طرف

۱۔اس بارے میں ملاحظہ ہو؟ سیرۃ حلبیہ ج ۱ ص ۲۰۲۔۲۰۵ و سیرۃ نبویہ دحلان ج ۱ ص ۵۰، ۵۱ و دیگر کتب۔ البتہ حلبی نے اس روایت کو جعلی قرار دیا ہے۔ وسیرۃ النبویۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۸۶۔

۲۔زید بن عمرو بن نفیل قبیلہ بنی عدی کا شخص تھا اس کا باپ عمرو بن نفیل، خطاب بن نفیل کا بھائی تھا جو حضرت عمر کا باپ تھا یوں عمرو بن نفیل، عمر کا چچا اور زید بن عمرو بن نفیل چچازاد بنے گا۔

۳۔سورۃ شوریٰ آیت ۵۲

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

وحی کے ساتھ بھیجا حالانکہ اس سے پہلے تم یہ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا اور ایمان کیا ہے۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرتؐ دوسرے ادیان سے بھی بلکہ خود اپنے دین سے بھی ناواقف تھے چہ جائیکہ ان پر عمل پیرا ہوں اور کسی دین پر آپؐ کے عمل پیرا ہونے کے متعلق کوئی قطعی دلیل ہونی چاہیے صرف گمان اور احتمال سے کام نہیں چلتا اور دوسری طرف بے دینی اور بت پرستی وغیرہ نہ ہی آپؐ کے شایان شان ہے اور نہ ہی کوئی ایسا معتبر واقعہ نقل ہوا ہے جس سے یہ یقین پیدا ہو کہ آپؐ نعوذ باللہ بے دین یا بت پرست تھے اس لئے اس مسئلے پر کسی رائے کے اظہار سے چپ رہنا ہی بہتر ہے۔

ان سب افراد کے اپنے اپنے دلائل ہیں جن کا ذکر تفصیل کا باعث ہوگا البتہ اپنے موقف کا ذکر کر کے اس پر مختصر دلائل دیں گے، انشاء اللہ۔

یہ اہم نہیں ہے کہ کون کس نظریے کا قائل ہے اہم بات یہ ہے کہ ان نظریات کے دلائل کیا ہیں؟ یہ آپؐ کے لئے کسی توہین کا باعث تو نہیں ہے؟ اس لئے دوسرا نظریہ نا قابل قبول ہے کیونکہ اس نظریہ سے نہ صرف آپ کی کسر شان ہوتی ہے بلکہ قرائن وشواہد بھی اس کے خلاف ملتے ہیں یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپؐ کے سب سے قریبی جانثار حضرت علیؑ تو یہ دعویٰ کریں کہ میں نے کبھی خدا کے علاوہ اور کسی کی پوجا نہیں کی لیکن بانی اسلام کے متعلق یہ کہا جائے کہ وہ بتوں کو متبرک جان کر چومتے تھے؟ اس کے علاوہ آپؐ کے آباؤ اجداد کی بحث میں ہم نے یہ کہا تھا کہ وہ موحد اور دین دار تھے پھر کیا مضحکہ خیز نہیں ہوگا کہ نبی کے آباؤ اجداد تو مؤمن و موحد اور دین دار ہوں لیکن خود نبی بعثت سے پہلے (نعوذ باللہ) بتوں کے پجاری یا عاشق ہوں، یہیں سے یہ بات بھی واضح کرتے چلیں کہ تیسرا نظریہ بھی گرچہ دوسرے نظریہ سے بہتر ہے لیکن قابل قبول نہیں ہے اس لئے کہ اتنے زیادہ دلائل، شواہد اور قرائن کی موجودگی میں خاموشی اختیار کرنا کسی بھی ذی شعور کے نزدیک صحیح نہیں ہے اسی بنا پر ہم پہلے نظریہ کی روشنی میں اس بات کے قائل ہیں کہ آنحضرتؐ اپنے ہی دین یعنی دین اسلام کے مطابق عمل کیا کرتے تھے، اس کے دلائل وشواہد مندرجہ ذیل ہیں جو یقیناً اکثریت کے لئے قابل قبول ہیں:

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۱۔حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دودھ بڑھائی سے خدا نے آپؐ کے ساتھ ایک نہایت عظیم فرشتہ مامور فرمایا جو فرشتہ آپ کو دنیا جہان کے اچھے اچھے اخلاق سکھاتا تھا(۱)۔

۲۔آنحضرتؐ افضل الانبیاء ہیں اور علماء اس بات پر متفق ہیں کہ گذشتہ تمام انبیاء کی خصوصیات آپؐ میں بدرجہ اتم موجود تھیں اس لئے کہ روایت میں ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو کوئی فضیلت کرامت اور معجزہ عطا نہیں کیا مگر یہ کہ اسے ہمارے پیغمبر کو بھی بخشا(۲) چنانچہ حضرت یحییٰ کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیت ملتی ہے کہ ﴿و آتیناہ الحکم صبیا﴾ ہم نے حکم (نبوت) اسے بچپن میں ہی عطا کر دیا تھا(۳)۔ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ملتا ہے کہ انہوں نے گہوارے میں ہی یہ دعویٰ کیا تھا کہ ﴿انی عبد اللہ آتانی الکتاب و جعلنی نبیا﴾(۴) میں خدا کا بندہ ہوں اسی نے مجھے کتاب عطا کی اور نبی بنایا ہے۔

۳۔فریقین کے نزدیک ایسی معتبر روایت بھی ملتی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپؐ کو نبی بنا کر ہی بھیجا گیا تھا چنانچہ حدیث میں ہے کہ آپؐ تب سے نبی تھے جب ابھی حضرت آدمؑ کی تخلیق نہیں ہوئی تھی یعنی آدم روح اور جسد کے درمیان تھے(۵)۔

۴۔محدثین اور مورخین یہ بات اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی ولادت سے پہلے آپؐ کے نور کی تخلیق ہوئی تھی اور آپ کا نور تمام مخلوقات کی خلقت سے پہلے عرش الٰہی کے سایے میں تسبیح و تقدیس الٰہی میں مصروف تھا۔

۵۔یہ بات بھی مسلم ہے کہ شرعی احکام تدریجاً فرض ہوئے تھے، بطور مثال روزے ہجرت کے

۱۔نہج البلاغہ صبحی صالح خطبہ قاصعہ ص ۳۰۶

۲۔ملاحظہ ہو: بحار الانوار ج ۱۸ ص ۲۷۸ و ۲۷۹۔

۳۔مریم/۱۲

۴۔مریم/۳۰

۵۔ملاحظہ ہو: الغدیر ج ۹ ص ۲۸۷، ایڈیشن ۲ مطبعہ حیدری الصحیح من سیرۃ النبیؐ الاعظم ج ۲ ص ۱۹۷۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بعد فرض ہوئے، اسی طرح نماز کے متعلق بھی ملتا ہے کہ پہلے دو دو رکعتیں فرض تھیں اور بعد میں ان میں اضافہ ہوا، اگر اعلام الوریٰ میں موجود علی بن ابراہیم قمی کی روایت کو مدنظر رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ آپؐ بعثت سے قبل نماز بھی البتہ اس کی ابتدائی شکل میں پڑھتے تھے۔

۶۔ علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں: معتبر اور مستفیض روایات کی روشنی میں میرے لئے واضح ہو گیا کہ آنحضرتؐ بعثت سے پہلے ہی نبی تھے اور روح القدس کے تائید یافتہ تھے، اس مدت میں خدا کا ایک فرشتہ آپؐ سے ہمکلام ہوتا تھا، آپؐ اس کی آواز کو سنا کرتے تھے اور خواب میں اسے دیکھا کرتے تھے اور آپؐ مختلف طریقوں سے خدا کی عبادت کیا کرتے تھے، جو یا تو بعد از رسالت آپ کی عبادت کے مطابق تھے یا پھر عبادت کا کوئی اور طریقہ تھا جو حضرت ابراہیمؑ یا کسی اور نبی کی شریعت کے مطابق تھا البتہ نہ اس صورت میں کہ آپ اُن کی شریعت کے پابند ہوں بلکہ آپؐ پر الہام ہونے والا طریقہ گذشتہ بعض شریعتوں کے مطابق تھا یا پھر کوئی اور طریقہ تھا(۱)۔

۷۔ علمائے علم کلام عبادت کے فلسفے کے متعلق کہتے ہیں چونکہ ''شکر منعم واجب ہے'' اس لئے عقل منعم اور پروردگار کا شکر ادا کرنے کو ضروری سمجھتی ہے اور ظاہر ہے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنی بات کو سمجھتے تھے اس لیے یقیناً پرودگار کی عبادت کرتے ہوں گے۔

۸۔ تاریخ میں ملتا ہے کہ مکہ میں اس وقت ایک خدا پرست گروہ بھی رہتا تھا، جسے حنفاء کہا جاتا تھا یہ لوگ اپنی سوچ اور نظریے کے مطابق خدا کی پرستش کیا کرتے تھے، گناہوں سے دوری اختیار کرتے تھے۔ شراب نہیں پیتے تھے، بتوں کی پوجا نہیں کرتے تھے، اور دیگر نیک کام بھی کرتے تھے پس اگر وہ لوگ اپنی عقل اور سوچ کے مطابق ایسے تھے تو رسولؐ خدا کو بھی ایسے بلکہ ان سے آگے ہونا چاہیے تھا ورنہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بجائے انہیں خدا کا رسول منتخب ہونا چاہیے تھا۔

۱۔ تاریخ تحقیقی اسلام ج ۱ ص ۳۰۵ و ص ۳۰۶، بحار الانوار ج ۱۸ ص ۲۷۷ تا ۲۸۱۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

خلاصہ یہ کہ ہماری نظر میں حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعثت سے پہلے بھی نبی تھے اور اپنی ہی شریعت پر عمل پیرا تھے(۱)

۱۔ مزید تفصیلات ملاحظہ ہوں؟ الصحیح من سیرۃ النبیؐ الاعظم ج۲ ص۱۹۵ تا ۲۰۴ و تاریخ تحقیقی اسلام ج۱ ص۲۹۷ تا ۳۱۴ نیز ان کے حاشیوں میں مذکور منابع و ماخذ۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پانچویں فصل

خلاصہ باب اور اسوہ حسنہ

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

خلاصہ باب اور اسوۂ حسنہ

سردار بطحاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے بعثت تک کے تفصیلی اور نسبتاً تحقیقی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کتب تاریخ و سیرت میں آنحضرت کی شخصیت کو دو مختلف روپ میں دکھایا گیا ہے، ایک روپ تو نہایت واضح شفاف، معقول اور مناسب خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شایان شان ہے، جبکہ ایک اور روپ بھی ہے جسے بعض نادان قسم کے مورخین اور محدثین نے اپنی کتابوں کے صفحات میں جگہ دی ہے، یہ دوسرا روپ پہلے روپ کے بالکل یا تقریباً برعکس ہے اور مسلمانوں پر غیر مسلموں کے طعن و تشنیع کا باعث بھی ہے گرچہ محققین ان باتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبرا اور منزہ ثابت کرتے آئے ہیں لیکن پھر بھی مزید دقت اور توجہ کی ضرورت ہے تاکہ ان غلط باتوں کو اپنی کتابوں سے ہی نکال لیں اور غیر مسلموں کو مزید کسی قسم کی طعن و تشنیع کا موقع نہ دیں ذیل میں بعثت تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کے دونوں زاویوں کو خلاصے کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

۱) ہماری نظر میں آنحضرت کی شخصیت:

اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق سے پہلے آپؐ کے نور انور کو خلق کر کے اپنے عرش کے ساتھ آپؐ کے نور کو جگہ دی جب عالم ذر میں خدا نے مخلوقات سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا تو حضرت محمد مصطفیٰؐ نے سب سے پہلے خدا کی وحدانیت کا اقرار کیا، عالم محسوسات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کا اہتمام اس طرح کیا گیا کہ ہر زمانے میں خدائی معیار پر پورا اترنے والے بہترین قبیلے کو دوسرے تمام قبیلوں سے جدا اور ممتاز کیا گیا، ان قبائل میں اوصاف کے لحاظ سے اور برتر خاندان کو دوسروں سے علیحدہ کیا گیا، اس خاندان میں بھی گفتار کردار، صورت اور سیرت کے لحاظ سے سب سے بہتر اور مثالی والدین کا انتخاب کیا گیا اور آپؐ کے آباء واجداد میں یا تو نبی گزرے ہیں یا پھر نیک خصلت بزرگ پھر جب آپؐ نے ۱۷ ربیع الاول کو جناب

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

عبداللہ علیہ السلام کی زوجہ حضرت آمنہ (س) کے شکم اطہر سے اس فانی دنیا میں قدم رکھا تو چونکہ آپ کی نشانیوں کے متعلق لوگوں نے پڑھ اور سن رکھا تھا اس لئے آپ لوگوں خاص کر اپنے گھر والوں کے نزدیک بہت زیادہ محبوب اور ہر دلعزیز تھے۔

آپؐ کے گھر والوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے والد کی کمی محسوس نہیں ہونے دی اور والدہ کا دودھ پینے کے بعد آپؐ کے لئے جب دایہ کے انتخاب کا مرحلہ آیا تو بہت سی خواتین نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلانے کی سعادت حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن آپؐ کے مومن اور موحد گھر والوں نے دایہ کے انتخاب میں وقت سے کام لیا اور قدرت نے آپؐ کے دودھ پلانے کے لئے جناب حلیمہ سعدیہ کا انتخاب کیا اور جناب عبدالمطلبؑ نے بھی جناب حلیمہ کو اس کام کے صلے میں مالا مال کیا آپؐ دو تین سال وہاں رہے اور پھر اپنی والدہ کے پاس پلٹ آئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دودھ بڑھائی کے موقع سے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اعلیٰ تربیت کا انتظام قدرت نے کر دیا، والدہ اور گھر والے آپ کی تربیت میں مصروف تھے ہی اس کے ساتھ خدا نے بھی ایک عظیم فرشتے کے ذریعہ آپ کی اعلیٰ تربیت کا انتظام فراہم کیا، وہ فرشتہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا جہان کے اچھے اچھے اخلاق کی تعلیم دیتا تھا یہی وجہ تھی کہ بچپن سے ہی کسی نے آپ کا جسم مبارک دیکھا تھا نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انسانی ضروریات پوری کرتے ہوئے دیکھا گیا، اسی تعلیم و تربیت اور نوری خلقت کا اثر تھا کہ کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لہو ولعب میں مصروف دیکھا نہ آپؐ کے دل میں ان پست چیزوں کی خواہش پیدا ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فارغ بیٹھنا بھی پسند نہ تھا اور چونکہ اس دور میں مصروفیات اتنی نہیں ہوتی تھیں اس لئے آپؐ نے بچپن میں اپنے چچا یا گھر والوں کی بھیڑ بکریاں چرانے کی ذمہ داری اپنے سر لے لی، آپ بھیڑ بکریاں پہاڑیوں پر لے جا کر انہیں چرنے کے لئے چھوڑ دیتے اور خود خدائی رنگ دیکھنے میں مصروف ہو جاتے اور ان میں غور و فکر کر کے ان کی گہرائیوں میں کھو جاتے تھے، آپؐ چھ برس کے ہوئے تو خدائی مصلحت کے پیش نظر مدینہ سے واپسی پر ابواء کے مقام پر آپ کی والدہ انتقال کر گئیں اور آٹھ سال

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کے ہوئے تو آپؐ کے دادا بھی اس دار فانی کو وداع کر گئے لیکن وفات سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بطور خاص اپنے چچا ابو طالبؑ کے سپرد کر گئے۔

کچھ عرصے تک تو آپؐ ویسے بھیڑ بکریاں چرانے میں مصروف رہے لیکن پھر اپنا بوجھ خود اٹھانے اور اپنے چچا کا ہاتھ بٹانے کے لئے اشراف مکّہ کے پیشے یعنی تجارت میں مصروف ہو گئے، پہلے پہل تو آپؐ چونکہ جوان اور نا تجربہ کار تھے اس لئے آپؐ کے چچا ابو طالبؑ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ساتھ شام لے گئے تا کہ تجارت کے رموز سے آشنا ہو سکیں، اس کے بعد گرچہ معروف کتابوں میں شام میں تجارت کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی واضح بات نہیں ملتی لیکن قرائن وشواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تجارت زیادہ تر محدود پیمانے پر صرف مکّہ کے اندر ہی تھی، آپ کی اخلاقی تربیت نے یہاں اپنے جوہر دکھانے شروع کئے اور آپؐ لوگوں میں صادق، اور، امین،، کے القاب سے معروف ہو گئے، آپ کا چرچا ہر سو ہونے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان صفات سے ہر کوئی باخبر ہو گیا۔

ان میں حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کی ذات بھی تھی جو خود بھی مکہ بلکہ اس وقت کائنات کی شریف ترین اور نہایت مالدار خاتون تھیں، جناب خدیجہؑ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف پیغام بھیجا کہ آپؐ میرے ساتھ شراکت (مضاربہ) پر کاروبار کریں، مال میرا ہوگا اور تجارت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی، نفع میں دونوں شریک ہوں گے، آپؐ نے اس پیشکش کو قبول کرتے ہوئے ہوئے ان کے ساتھ تجارت کرنے کی ہامی بھر لی اور آپؐ کی تجارت کا دائرہ کار وسیع ہو گیا اور آپؐ دوبارہ شام کی طرف جانے لگے، تاریخ میں یہ تو نہیں ملتا کہ آپؐ نے کتنا عرصہ یہ کام کیا لیکن اتنا اشارہ ضرور ملتا ہے کہ آپؐ کچھ عرصہ شام کی طرف جناب خدیجہؑ کے ساتھ شراکتی تجارت کی غرض سے جاتے رہے جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپؐ کم از کم دو تین سال یہ کام کرتے رہے ہوں گے۔ اس لئے کہ سال میں تجارت کی غرض سے ایک مرتبہ شام کی طرف جانا ہوتا تھا بہر حال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ تجارتی آشنائی شادی کے مقدس بندھن میں تبدیل ہو گئی، جناب خدیجہؑ آپؐ سے اتنی متاثر تھیں کہ شادی کے اخراجات اور حق مہر وغیرہ کی ذمہ داری بھی اپنے سر لے لی تا کہ آپؐ اس شادی کے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

لئے کسی قسم کی پریشانی محسوس نہ کریں۔

اس شادی کا خطبہ نکاح حضرت ابو طالب نے نہایت فصیح و بلیغ الفاظ میں پڑھا، آنحضرتؐ نے شادی کے کچھ عرصہ بعد تجارت کو خیر باد کہہ دیا اور مصروف رہنے کے لئے دوبارہ مکہ میں اپنے چچا اور گھر والوں کی بھیڑ بکریاں چرانا شروع کر دیں اور کائنات کی وسعتوں، گہرائیوں اور رنگینوں کے مشاہدے اور ان میں غور و فکر کرنے کے لئے کسی پرسکون جگہ کی تلاش کے لئے مکہ کی پہاڑیوں کا رخ کرتے تھے بلکہ خدا کی عبادت اور مذکورہ امور میں یکسوئی کے لئے آپؐ سال میں ایک مرتبہ کچھ عرصہ کے لئے غار حرا کی طرف روانہ ہوتے اور وہیں قیام پذیر ہوتے تھے۔ اس مقصد کے لئے آپؐ اپنے قیام و طعام کا بھی بندوبست کر کے جاتے تھے، تاکہ کسی قسم کی کوئی پریشانی نہ ہو۔

شادی کے پانچ برس بعد یعنی تیس عام الفیل کو حضرت علی علیہ السلام کی خانہ کعبہ میں ولادت ہوئی، قدرت کو شاید حضرت علی علیہ السلام کی ولادت کا ہی انتظار تھا، اس لئے کہ اس کے بعد واقعات تقریباً تیزی سے رونما ہونا شروع ہو گئے۔

حضرت علی علیہ السلام کی ولادت کے پانچ برس بعد خانہ کعبہ کی تعمیر نو کا مسئلہ آیا جس میں آنحضرت کا سب سے اہم کردار رہا، پھر اگلے برس مکہ میں شدید قحط سالی کا دور آیا تو اسی بہانے آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کی پرورش اپنے ذمے لینے کے لئے حضرت ابو طالبؑ سے قحط سالی کا ذکر کر کے حضرت علیؑ کی پرورش اپنے ذمہ لینے کی درخواست کی، جناب ابو طالبؑ نے بھی حالات و حقائق کو سمجھتے ہوئے حضرت علیؑ کو حضور سرور کائنات کے سپرد کر دیا۔

یوں مولود کعبہ کی پرورش دامان رسالت میں ہونے لگی، آپؐ نے بھی جو اخلاق و فضائل فرشتے سے سیکھے تھے ان سب کو حضرت علی علیہ السلام میں منتقل کرنا شروع کر دیا، آپؐ جہاں بھی جاتے تھے حضرت علی علیہ السلام کو بھی اپنے ساتھ لے جاتے تھے اور حضرت علی علیہ السلام کی عملی تربیت کرتے تھے حتیٰ کہ آپؐ غار حرا میں بھی ان کو اپنے ساتھ رکھتے تھے، سینتیسویں برس میں ہی آپؐ نے وضو کر کے نماز پڑھنا شروع کر دی تھی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور ظاہر ہے ہر جگہ آپؐ کے ساتھ رہنے والے حضرت علی علیہ السلام بھی اس موقع پر آپؐ کے ساتھ ہوتے تھے کیونکہ وہ فخر سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ میں کسی بھی مسلمان سے سات برس پہلے خدا کی عبادت کیا کرتا تھا اور نماز پڑھا کرتا تھا،

ب) بعض دیگر مؤرخین کی نظر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت:

اس مطلب کے بیان سے پہلے یہاں اس نکتہ کا اعادہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ گرچہ ہوسکتا ہے مندرجہ ذیل باتیں مورخین کی کتب میں یک جانبہ طلبیں یا صراحت کے ساتھ بیان نہ ہوئی ہوں لیکن کتب تاریخ میں ان باتوں کا وجود آنحضرتؐ کی شان میں کمی اور مسلمانوں پر غیر مسلموں کی طعن و تشنیع کا باعث ہے اس لئے کتب تاریخ اور سیرت حتیٰ کہ حدیث میں ان من گھڑت باتوں کا وجود نہایت ہی خطرناک ہے اور خود تاریخ بھی گواہ ہے کہ غیر مسلموں بلکہ مسلمان نماؤوں نے ان باتوں سے سوء استفادہ کرتے ہوئے مسلمانوں پر الزامات اور اعتراضات کی بوچھاڑ کی ہے۔

اس بناء پر ان مندرجہ ذیل جعلی باتوں پر غور و فکر کر کے کم از کم انہیں رد کرنے کی ضرورت ہے اور صرف اس بنا پر کہ یہ باتیں کتب حدیث یا تاریخ میں موجود ہیں انہیں آنکھیں بند کر کے قبول کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے، ان میں سے بعض باتوں کو یکجا کر کے بطور خلاصہ ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (نعوذ باللہ) ایک مشرک گھرانے میں پیدا ہوئے کیونکہ آپؐ کے والدین بلکہ چچا اور دادا یعنی جن لوگوں کے زیر کفالت آپؐ نے پرورش پائی وہ سب "نعوذ باللہ" کافر اور مشرک تھے (۱)۔ وقت پیدائش آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ کا دودھ تو تھا نہیں، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابولہب مشرک کی کافر لونڈی ثویبہ کا دودھ پلایا گیا البتہ بعض نے کہا ہے کہ وہ بعد میں مسلمان ہوگئی تھی لیکن بعد میں مسلمان ہونا کس کام کا؟ دودھ پلاتے وقت تو وہ کافرہ تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۱۔ بتوں کے سامنے جناب عبداللہ کو قربان کرنے کے جناب عبدالمطلب کے نذر والا واقعہ بھی اس کی ایک دلیل ہے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کی والدہ کے متعلق تو دودھ کے مسئلے میں کوئی معجزہ رونما نہیں ہوا لیکن کئی دیگر عورتوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلانا چاہا تو وہاں معجزے پر معجزہ رونما ہوتا رہا حتی کہ کئی کنواری لڑکیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلانا چاہا تو ان کے سینے سے بھی دودھ کے فوارے نکل پڑے لیکن پھر نامعلوم وجوہات کی بنا پر دودھ پلانے والی عورتیں تبدیل ہوتی رہیں حتی کہ مورخین نے یہ تعداد دس سے زیادہ تک بھی بتائی ہے بہرحال آخر میں جناب حلیمہ کی باری آئی تو نحیف اور لاغری حلیمہ جس کا اپنا نونہال بھی دودھ نہ ہونے کی وجہ سے بھوک سے ساری ساری رات بلکتا رہتا تھا وہ ان تمام نقائص کے باوجود ایک اور بچہ گود لینے چلی گئی مکہ پہنچی تو نحیف حلیمہ کو کوئی بچہ دینے کو تیار نہیں تھا اور دوسری دائیاں جناب عبداللہ کے یتیم کو گود لینے کے لئے تیار نہیں تھیں۔

خود جناب حلیمہ نے بھی پہلے پہل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گود لینے سے انکار کر دیا تھا لیکن جب جناب حلیمہ کو دودھ پلانے کے لئے کوئی بچہ نہ ملا تو تھک ہار کر اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گود لے لیا۔ لیکن پھر گود لیتے ہی معجزے پر معجزہ رونما ہوتا گیا جناب حلیمہ کا سینہ دودھ سے بھر گیا ہر طرف ہریالی اور خوشحالی کا دور دورہ ہو گیا اور بچپن میں دوسروں کے لئے تو معجزے رونما ہوتے رہے لیکن خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل (نعوذ باللہ) شیطان کی آماجگاہ رہا۔

یہاں تک کہ فرشتوں نے آ کر کئی مرتبہ (نعوذ باللہ) دل کا آپریشن کیا اور شیطان کے گھر سیاہ لوتھڑے کو باہر نکال پھینکا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچپن میں اپنے رضاعی بہن بھائیوں کے ساتھ گانے بجاتے اور رقص کرتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالآخر پانچ برس تک جناب حلیمہ کے پاس رہے پانچویں سال اپنی والدہ کے پاس گئے اور پھر صرف ایک سال اپنی والدہ کے پاس رہے، پھر مدینہ سے واپسی کے ایک سفر میں ابواء کے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ وفات پا گئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گزر بسر کرنے کے لئے نہایت ہی کم اجرت پر دوسروں کی بھیڑ بکریاں چرانا پڑیں، بکریاں چراتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کچھ عرصہ ہو گیا تو چونکہ (نعوذ باللہ) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح تربیت کرنے والا کوئی نہیں تھا اس لئے آپ کو دنیاوی لہو و لعب کو

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

دیکھنے سننے کا بہت شوق تھا۔

اس وجہ سے آپؐ نے ایک دو مرتبہ ایسی محفلوں میں شرکت کا ارادہ کیا لیکن ہر بار قدرت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس گناہ میں آلودہ ہونے سے جبری طور پر بچا لیا، بہر حال ایک مرتبہ آپؐ کے چچا ابو طالبؑ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ساتھ شام لے گئے وہاں راستے میں بحیرا سے ملاقات ہوئی، راستے میں ہر جگہ معجزات رونما ہوتے رہے لیکن ان کا صحیح ادراک صرف یہودی عیسائی راہب کو ہی ہو سکا، اس نے آپؐ کے چچا کو جلدی سے گھر پہنچانے کا کہا جناب ابو طالبؑ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابو بکر اور بلال کی سرپرستی میں واپس مکہ پہنچانے کا بندوبست کیا اور آپؐ سے دو سال سے زیادہ چھوٹے ابو بکر اور اس سے بھی چھوٹے حضرت بلال نے آپ کی حفاظت اور نگرانی کی اور ابھی آپؐ نے اعلان نبوت کیا ہی نہیں تھا بلکہ بعض لوگوں کے مطابق تو آپؐ ابھی درجہ نبوت پر فائز ہوئے ہی نہیں لیکن جناب ابو بکر آپؐ پر اسی وقت ایمان لے آئے جبکہ اس سفر میں آپؐ کے دیگر ہم سفروں پر جوں تک نہیں رینگتی۔

پھر زندگی تقریباً اسی ڈگر پر چلتی رہتی ہے لیکن اس دوران آپؐ چونکہ ابھی نبی نہیں ہوئے تھے اس لئے مشرکوں اور بت پرستوں والے کام بھی کر لیا کرتے تھے۔

بطور مثال نعوذ باللہ مردار بھی کھا لیا کرتے تھے، بتوں کے سامنے حاضری بھی دے لیا کرتے تھے اور اس طرح کے دیگر کام کر لیا کرتے تھے، ان تمام کاموں کے باوجود آپؐ صادق اور امین بھی مشہور ہو جاتے ہیں اور جناب خدیجہؑ تک آپ کی شہرت پہنچتی ہے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے تجارتی قافلے کے ساتھ شام جانے کے لئے کہتی ہیں، آپ بھی شاید اسی انتظار میں بیٹھے ہوتے ہیں فوراً ہی ہامی بھر لیتے ہیں اور تجارتی قافلہ شام کو روانہ ہو جاتا ہے، راستے میں پھر معجزات کی بھرمار ہو جاتی ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے اس پہلے تجارتی سفر میں دوسرے تمام تاجروں سے زیادہ نفع ہو جاتا ہے اور جناب خدیجہؑ کا غلام یہ سب کچھ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شام کے واپسی کے سفر پر اپنی کامیابی کی خبر بہت جلدی سے جا کر جناب خدیجہؑ کو سنانے کا کہتا ہے ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ جلدی سے اپنی کامیابی کی خبر سنانے کا فائدہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

وسلم کو ہی ہوگا۔

شاید اسے آپؐ دونوں کے اندرونی حالات کا علم تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس کے اس مشورے کے انتظار میں تھے فوراً ہی جوتا پہنے بغیر گھوڑے پر سوار ہو کر ایڑھ لگا دیتے ہیں اور جناب خدیجہؓ کے حضور پہنچ جاتے ہیں، جناب خدیجہؓ اپنے محل میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ بیٹھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حالت میں دور سے آتا ہوا دیکھ رہی ہوتی ہے کہ آپؐ جہاں بھی جاتے ہیں سفید بادل کا ایک ٹکڑا آپؐ کے سر پر سایہ کیے ہوئے ساتھ ساتھ چلتا رہتا ہے (۱) یہ منظر دیکھ کر جناب خدیجہؓ کے دل میں یہ امنگ اور خواہش پیدا ہوتی ہے کہ کاش یہ سوار میرے گھر آ کر اترے اور ہوتا بھی ایسے ہی ہے، آپؐ شام کے سفر سے سیدھا جناب خدیجہؓ کے پاس ننگے پاؤں پہنچ جاتے ہیں اور اپنی کامیاب تجارت کے متعلق بتاتے ہیں جناب خدیجہؓ کا غلام جب آپ کی تصدیق کرتے ہوئے سفر کی روداد سناتا ہے تو جناب خدیجہؓ فوراً اپنے غلام کو اپنے چچا زاد ورقہ بن نوفل کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجتی ہے کہ آؤ اور میرا نکاح محمدؐ سے پڑھا دو (ایک جعلی روایت کی رو سے وہ آپ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے پر رکھتی ہے) اور آپؐ سے کہتی ہے کہ جاؤ اپنے چچا کو یہاں لے آؤ تا کہ وہ میری اور تمہاری شادی کرائیں (ایک اور روایت کی رو سے اس وقت جناب خدیجہ (س) کا والد زندہ ہوتا ہے اور وہ اس وصلت پر راضی نہیں ہوتا جس پر جناب خدیجہ دھوکے سے اسے شراب پلاتی ہے اور وہ مستی کی حالت میں دونوں کی شادی کرا دیتا ہے جب وہ ہوش میں آتا ہے اور شعور اس کا جاگتا ہے تو پانی سر سے گزر چکا ہوتا ہے جس پر وہ خاموش ہو رہتا ہے اور پھر مخالفت نہیں کرتا) بہر حال جھٹ پسند پٹ بیاہ کے مصداق شادی فوراً ہی ہو جاتی ہے، شادی کے بعد آپؐ سرگردان رہتے ہیں لیکن اس کے باوجود خانہ کعبہ کی تعمیر کے موقع پر آپؐ نہایت اہم اور فیصلہ کن کردار ادا کرتے ہیں۔

۱۔ نہ معلوم بادل کا یہ ٹکڑا اعلان نبوت کے بعد کہاں چلا جاتا ہے کہ آپ کو گرمی کی شدت سے درختوں کے سائے میں آرام کرنا پڑتا ہے۔ اس بارے میں ایک کافر کے تلوار سونتنے اور آپؐ کے اطمینان سے اس کے مسلمان ہونے کا واقعہ بھی نہایت معروف ہے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس کے بعد جب حضرت علی علیہ السلام پیدا ہوتے ہیں اور کچھ بڑے ہو جاتے ہیں تو آپؐ اپنے چچا کا بدلہ اتارنے کے لئے حضرت علی علیہ السلام کو گود لینے کی پیشکش کرتے ہیں۔ آپؐ کے چچا اس بات کی ہامی بھرتے ہیں اور یوں حضرت علی علیہ السلام آپؐ کے پاس پہنچ جاتے ہیں۔ البتہ بچپن میں بھی اور خانہ کعبہ کی تعمیر کے دوران بھی چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (نعوذ باللہ) تربیت سکھانے والا کوئی نہیں ہوتا ہے اس لئے پتھر وغیرہ دامن میں اٹھاتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرمگاہ ظاہر ہو جاتی ہے (۱) لیکن غیب سے ایک ہاتھ پڑتا ہے یا دھکا لگتا ہے، جس کی وجہ سے پتھر وغیرہ بھی نیچے گر جاتے ہیں اور آپ بھی بے ہوش ہو جاتے ہیں اور اس کے بعد آپؐ کے جسم اطہر کو کسی نے نہیں دیکھا تھا۔

اب قارئین خود ہی فیصلہ کریں کہ کونسے نبیؐ پیروی کے زیادہ لائق ہیں؟ اور کس نبی کی زندگی کو خدا نے اسوہ حسنہ قرار دیا ہے؟

اسی مناسبت سے ہم آپ کی اور آپؐ کے آباء کی زندگی سے چند تربیتی نکات قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں؛

اسوہ حسنہ:

رسول کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی حیات طیبہ سراسر اسوۂ حسنہ ہے، آپ کی پیروی ہر مسلمان کا فریضہ ہے اور ضروری ہے کہ مسلمان آپؐ کے نقش قدم پر چلیں خود خدا نے بھی ﴿ولکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ﴾ فرما کر اس بات پر مہر تائید ثبت کی ہے، اس سراسر پُر برکت زندگی میں آپؐ کا زمانہ قبل از اعلان نبوت بھی کئی لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے۔

ایک تو اس لحاظ سے کہ آپؐ نے اس دوران بچپن سے جوانی تک عام لوگوں کی طرح زندگی گزاری اور کفر کے ماحول میں رہتے ہوئے اپنے دامن کو آلودگیوں سے بچائے رکھا اور دوسرا اس لحاظ سے

۱۔ یعنی چھتیس ۳۶ برس کی عمر میں بھی آپ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کو اپنا بدن چھپانے کا (نعوذ باللہ) ڈھنگ نہیں آتا تھا۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کہ دیگر مؤرخین نے آپ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی زندگی کے اس پہلو اور اس عرصے کو دانستہ یا نادانستہ طور پر نظر انداز کر دیا لیکن اگر غور کیا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی زندگی کے اس عرصے میں بھی کئی اخلاقی، معاشرتی، تربیتی نکات ملتے ہیں جنہیں ذہین قاری دوران مطالعہ اخذ کر چکے ہوں گے، پھر بھی ان میں سے چند ایک نکات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ پاکیزہ والدین کی نسل ہی کسی روحانی مقام تک پہنچتی ہے اس لئے مناسب ہے کہ نیک اور بلند مرتبہ اولاد کی خواہش رکھنے والے نیک افراد اپنی شریک حیات کا انتخاب سوچ سمجھ کر کریں اور کوشش کریں کہ نیک اور پاک دامن خاتون کا ہی انتخاب کریں، آپؐ کے آباء کا اپنی نسلوں کو یہی حکم ہوتا تھا کہ اس نور کی ودیعت پاک صلب سے طاہر ارحام میں منتقل کریں ہم بھی اگر کوشش کریں تو نیک نسل پیدا کر سکتے ہیں۔

۲۔ اگر ذات میں کوئی لیاقت ہو تو خدا بھی اسباب فراہم کر دیتا ہے اور صحیح تربیت کے راستے فراہم ہو جاتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کو دودھ پلانے کے لئے جناب حلیمہ سعدیہ کا مکہ سے باہر اپنے قبیلہ بنی سعد سے اٹھ کر مکہ میں آ کر آپ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کو گود لینا اور کچھ برس آپ کی تربیت کرنا پھر آپ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کا اپنے چچا ابو طالبؑ کی زیر کفالت رہنا اس کی عمدہ دلیل ہے۔

۳۔ بچوں کی تربیت شیر خوارگی کے دوران سے ہی شروع ہو جاتی ہے بلکہ اسلامی تعلیمات میں تو یہ تربیت بچے کی ولادت سے بھی پہلے شروع ہو جاتی ہے اسی لئے ہم ملاحظہ کرتے ہیں کہ جناب عبدالمطلبؑ نے اپنے پوتے کو دودھ پلانے کے لئے حسب اور نسب والی دائی کا انتخاب کیا اور جس طرح پہلے بھی کہا جا چکا ہے اسلام تو دودھ پلانے والی خاتون کے لئے کئی قسم کی شرائط کا قائل ہے جنہیں متعلقہ کتب میں دیکھا جا سکتا ہے۔

۴۔ اگر بنیادی تربیت صحیح طریقہ سے ہو تو بچے کے انحراف کا خطرہ بہت ہی کم رہ جاتا ہے اگرچہ ماحول اور دوستیاں بھی اثر انداز ہو سکتی ہیں لیکن پھر بھی گھریلو تربیت سے زیادہ اثر نہیں رکھتیں اس لئے اس پر نہایت توجہ کی اشد ضرورت ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۵۔ بچے کو اپنا کام خود کرنے کی تلقین کی جائے جس سے وہ بڑا آدمی ہو کر معاشرے پر بوجھ نہیں بنے گا اگر چہ آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی زندگی میں ہمیں یہ واقعہ نہیں ملتا کہ کسی نے آپ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کو اس بارے میں کچھ کہا ہو اور یہ بات آپ کی خصوصیات میں بھی شمار کی جاتی سکتی ہے لیکن ہمیں آپ کی زندگی میں کئی واقعات ملتے ہیں کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنا کام خود کیا کرتے تھے اس لئے ہمیں بھی آپ کی پیروی میں اپنے بچوں کو اپنا کام خود کرنے کی تلقین کرنی چاہیے بلکہ بچے کے لیے اس کے بزرگ ہی نمونہ عمل ہوتے ہیں اس لئے بہتر یہی ہے کہ بچے کو عملی تلقین کی جائے یعنی بزرگوں کو چاہیے کہ اپنے کام خود کریں بجائے اس کے کہ کسی کو حکم دیں۔

۶۔ انسان فارغ بیٹھنے سے بہتر ہے کہ کوئی نہ کوئی کام کرتا رہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم فارغ بیٹھے رہنے سے اپنے متعلقین کی بھیڑ بکریاں چرانے کو ترجیح دیتے تھے اور بنی ہاشم جیسے خاندان سے ہونے کے باوجود ریوڑ چرانے جیسے کام کو بھی عار نہیں سمجھا۔

۷۔ چاہے کتنی ہی محترم شخصیت کیوں ہوں رزق روزی کے لئے خود بھاگ دوڑ کرنا پڑتی ہے اور اپنے پیشے میں جتنی امانت داری اور ایمان داری دکھائیں گے کاروبار اتنا ہی دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کرے گا، وقتی مصلحت کے لئے کوئی چیز بیچنی ہو تو ہو سکتا ہے وہ اس وقت بک جائے لیکن یہ معاملہ پائیدار نہیں ہوتا، رسول خدا صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے تجارتی سفر اس کی واضح دلیل ہیں البتہ یہ سب کچھ اگر خدا کی رضا کے حصول کے لئے ہو تو اس میں آپ کا اخروی اجر بھی محفوظ ہے، دوسروں پر بوجھ بننے والے لوگوں کی اسلام نے سخت مذمت کی ہے۔

۸۔ ہر حال میں سچ بات کہنے اور امانت کا پاس رکھنے کو اپنا شعار بنانا چاہیے، حضرت رسول اکرمؐ کی قبل از نبوت "صادق اور امین" جیسے القاب سے شہرت اور آپ کا احترام اس بات کی واضح دلیل ہے کہ سچے اور امانت دار شخص کا ہر کوئی احترام کرتا ہے، چاہے دوست ہو یا دشمن، سب کے نزدیک قابل احترام ہوتا ہے اور اس کا فیصلہ ہر کسی کے لئے قابل قبول ہوتا ہے، آپ کا احترام صرف اس وجہ سے نہیں تھا کہ آپؐ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

قریش کی شاخ بنی ہاشم کے چشم و چراغ تھے۔ نہ اس وجہ سے تھا کہ آپ سن میں ان لوگوں سے بڑے تھے کیونکہ عمر میں آپؐ سے بھی بڑے بڑے وہاں موجود تھے اور دیگر قبائل حتیٰ کہ قریش کے ہاشمی افراد خصوصاً جناب ابو طالبؑ وغیرہ بھی موجود تھے جو عمر میں بھی آپؐ سے بڑے تھے اور قبیلے کی ریاست بھی انہی کے ہاتھ میں تھی پس آپ کی مذکورہ القاب سے شہرت اور اس کے نتیجے میں آپ کا احترام اور سب کا آپؐ کے احکام اور فیصلوں کے سامنے سر تسلیم خم کرنا آپؐ کے اعلیٰ کردار خصوصاً صداقت، امانت اور دیانت کے اوصاف سے مزین ہونے کی وجہ سے تھا۔

۹۔ خدا سے قرب کا سب سے بہترین راستہ خلوت میں خدا کی نشانیوں کا نظارہ اور ان میں غور و فکر ہے، ایسا سکوت جس میں صرف آیات الٰہی میں غور و فکر ہو اور بس، البتہ اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ انسان گوشہ نشین ہو جائے اور اپنے روز مرہ کے کام بھی نہ کرے، آنحضرتؐ کی سیرت اس کی بہترین مثال ہے آپؐ نے فارغ وقت میں بھیڑ بکریاں بھی چرائیں، معاشرے میں آپ کی تعلیمات بھی تھیں جس کی وجہ سے آپؐ صادق اور امین کے القاب سے معروف ہوئے تھے، کامیاب تجارت بھی کی اور شادی بھی کی یعنی آپؐ اجتماع سے کٹ کر نہیں رہے تھے اور فارغ البالی میں اپنے خدا کے ساتھ خلوت میں راز و نیاز بھی کرتے تھے اور عبادت وہی پر اثر اور باعث معراج ہوتی ہے جو معرفت کے ساتھ ہو۔ حصول معرفت کا سب سے بہترین ذریعہ گہرے سکوت میں رہ کر کائنات میں بکھری خدائی نشانیوں کا نظارہ اور ان نشانیوں میں غور و فکر ہے، اسی غور و فکر میں ہر قسم کی دلیل پائی جاتی ہے، سادہ سے غور و فکر میں فطری، عقلی، منطقی، فلسفی، دینی، طبعی غرض ہر قسم کی دلیل پائی جاتی ہے کیونکہ چشم بصارت سے چشم بصیرت زیادہ بینا ہوتی ہے بلکہ بسا اوقات چشم بصیرت سے دیکھنے کے لئے چشم بصارت کو بند کر دینا ہی بہتر ہوتا ہے، آزمائش شرط ہے۔

۱۰۔ انسان کو اپنی عائلی زندگی کے لئے جیون ساتھی کا انتخاب معنوی خصوصیات کو دیکھ کر کرنا چاہئے، یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ سرور کائناتؐ جیسے شوہر کی اگر خدیجہ طاہرہؑ جیسی زوجہ ہو تو نتیجہ بھی خواتین جنت کی سردار بیٹی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہؑ طاہرہ میں اوصاف و کمالات کا مشاہدہ کیا تو آپؐ نے ان سے رشتہ ازدواج استوار فرمایا، اس میں عمر کی کوئی قید نہیں ہے چاہے جناب خدیجہؑ چالیس برس کی مان لی جائیں یا اس سے کم تر، اصل بات عمر کی نہیں بلکہ معنوی اوصاف کی ہے ظاہری خوبصورتی انسان کو بر ڈھونڈھ کر دینے کی حد تک تو فائدہ دے سکتی ہے لیکن ایک کامیاب اور خوشگوار عائلی زندگی کی ضمانت نہیں بن سکتی، البتہ معنوی کمالات کے ساتھ ظاہری خوبصورتی سونے پہ سہاگہ ہے لیکن پھر بھی اہمیت معنوی اوصاف کو حاصل ہے، اس لئے کوشش یہ کرنی چاہیے کہ معنوی اوصاف کی بنیاد پر اپنا جیون ساتھی ڈھونڈھ کر اپنا گھر بسانا چاہیے، حضرت خدیجہؑ میں کمالات کی انتہا ہی تو تھی کہ آپؐ نے ان کے ہوتے ہوئے کوئی اور شادی نہیں کی اور ان کی وفات کے بعد بھی اپنی پوری حیات طیبہ میں دیگر ازدواج کے ہوتے ہوئے انہیں یاد کرتے رہے اور ان کی خاطر ان کی سہلیوں سے حسن سلوک اور اچھے انداز سے پیش آتے رہے بلکہ انہیں تحفے تحائف تک بھی دیتے رہے۔

۱۱۔ خواتین کو بھی چاہیے کہ وہ بھی مال و زر کی بنا پر اپنا شریک حیات نہ ڈھونڈیں، مال و دولت تو ایک بے اعتبار چیز ہے، اگر رشتہ کرنے کے لئے مال و دولت اور ظاہری شان و شوکت کو معیار بنایا تو اس بات کی کبھی بھی ضمانت نہیں دی جا سکتی کہ وہ تا دم مرگ آسودہ خاطر رہے گی بلکہ کچھ عرصہ بعد کی ہی کوئی ضمانت نہیں ہے لیکن اگر دین داری اور اخلاقیات جیسے معنوی اوصاف کو مدنظر رکھ کر لڑکی اپنے پیا کے گھر سدھار جاتی ہے تو نہ صرف اس کی زندگی آسودگی میں گزرتی ہے بلکہ اس کی دنیا و آخرت ہی سنور جاتی ہے۔ اس صورت میں اگر لڑکا بظاہر غریب بھی ہے تو اس کو انکار نہیں کر دینا چاہیے بلکہ اگر اس جیسے آدمی کو خود چراغ لے کر ڈھونڈنا پڑے تو ضرور ایسا کرنا چاہیے اور اگر حقیقت میں کوئی ایسا جیون ساتھی مل بھی جاتا ہے تو اپنا تن، من، دھن سب کچھ اس کے لئے وقف کر دینا چاہیے، البتہ اس صورت میں کہ معلوم ہو کہ یہ سب کچھ خدا کے لئے کام آئے گا اور جب تک ایسا ہوتا رہے گا اسے یہ کام کرنے چاہئیں کیونکہ خدا ایسا گھرانہ اور ایسا معاشرہ چاہتا ہے جس کا تن، من اور دھن سب کچھ اسی کے راستے میں کام آئے۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بہر حال لڑکے اور لڑکی کے ہم پلہ ہونے کا معیار ان کا ایمان اور نیک اعمال ہیں اس بنا پر لڑکی کو اس وجہ سے گھر میں بٹھا کر نہیں رکھنا چاہیے کہ اس کے برابر ظاہری اسٹینس والا بر نہیں مل رہا۔

۱۲۔ اگر کسی مالدار آدمی کا کوئی رشتہ دار اور وہ بھی دین دار اور مذہبی رشتہ دار غربت کی زندگی گزار رہا ہو تو اس مالدار آدمی کا اخلاقی فریضہ بنتا ہے کہ وہ اس کی مدد اور حمایت کریں لیکن اس طرح سے کہ اس شریف آدمی کو شرمندگی کا احساس نہ ہو، حضرت ابوطالبؑ نے بچپن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی کفالت کی، اپنے بچوں سے بھی زیادہ آپ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کو اہمیت، پیار اور توجہ دی، حالانکہ وہ مالدار آدمی نہیں تھے لیکن مالی لحاظ سے اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم جناب ابوطالبؑ سے بھی زیادہ غریب آدمی تھے پھر کچھ عرصہ بعد مالی لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی کایا پلٹی اور آپؐ جناب خدیجہؑ سے شادی کے بعد نہایت مالدار ہو گئے جبکہ جناب ابوطالبؑ کی حالت جوں کی توں رہی بلکہ بعض مورخین کے بقول قحطی کے باعث آپ کی مالی حیثیت کچھ نیچے آگئی تو اب آنحضرتؐ نے جناب ابوطالبؑ کی دستگیری کی اور حضرت علیؑ کی کفالت اپنے ذمہ لے لی، یوں آپؐ نے جناب ابوطالبؑ کی محنتوں کا یک گونہ شکریہ ادا کرنے کی کوشش کی ہمیں بھی آپؐ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے خاندان کے غریب مگر شریف اور مذہبی گھرانوں کی دستگیری کرنی چاہیے اور بہانوں بہانوں سے ان کی مدد اور حمایت کرنی چاہیے تاکہ وہ معاشرے میں باعزت زندگی گزار سکیں اور کسی کے سامنے شرمندہ نہ ہوں اور اپنی سفید پوشی کا بھرم قائم رکھ سکیں اس کے اثرات اور فوائد دنیا میں بھی ظاہر ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی، اس سے صلہ رحمی کے ساتھ ساتھ دین کی مدد اور حمایت بھی ہو جاتی ہے اور لوگوں کو دینداری کی طرف رغبت بھی ہو جاتی ہے اور دینداروں کی بھی حوصلہ افزائی ہوتی ہے، عملی قدم اٹھانے سے اس کے ثمرات واضح طور پر مشاہدہ کئے جا سکتے ہیں، خلاصہ یہ کہ اس کام سے برائی آہستہ آہستہ ختم ہوتے ہوتے نیست و نابود ہو سکتی ہے۔ انشاءاللہ۔

۱۳۔ فرزند کی تربیت ایک اہم ذمہ داری ہے، بچے کی اعلیٰ تربیت، دینی اور اخلاقی کمالات کی طرف راہنمائی کے لئے بہت کچھ کرنا پڑتا ہے، مال خرچ کرنا پڑے تو ضرور کرنا چاہیے بلکہ اپنے لخت جگر کو

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کہیں دور دیہاتوں اور اپنے سے دور بھیجنا پڑے تو بھیجنا چاہیے۔

یہاں اتنے نکات ہی تھے جو سردست ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبل از بعثت زندگی سے حاصل ہو سکے تھے البتہ اگر انہی پر بھی عمل کر کے ہم اپنی دنیا و آخرت سنوار سکیں تو بھی ایک عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ پھر بھی خدا سے دعا ہے کہ ہمیں آپ کی حیات طیبہ سے مزید سبق حاصل کرنے اور آپؐ کے گفتار اور کردار یعنی آپ کی صحیح سنت اور سیرت کے نقش قدم پر کما حقہ چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یارب العالمین۔

☆☆☆

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

باب سوم

jabir.abbas@yahoo.com

ازمنش تا ہجرت

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پہلی فصل

بعثت سے دعوت تک

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ضرورت بعثت:

پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بارے میں گفتگو شروع کرنے سے قبل اس بنیادی سوال کا جواب دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آخر انبیاء کو مبعوث کرنے میں کیا حکمت پوشیدہ ہے؟ یا انبیاء کی بعثت کی ضرورت کیا ہے؟

انسانی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو دو پہلو نمایاں نظر آتے ہیں ایک حیوانی یعنی انسانی زندگی کا مقصد عیش ونوش میں منحصر ہے، اس طرز حیات میں نہ انسان پر اخلاقی واجتماعی پابندیاں عائد ہوتی ہیں اور نہ ہی نفسانی خواہشات پر اختیار باقی رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ علماء ودانشور حضرات ایسی زندگی کو انسانی نہیں بلکہ حیوانی زندگی قرار دیتے ہیں۔

انسانی زندگی کے دوسرے اہم پہلو کو عقلی کہا جاتا ہے جس کے مطابق انسان کبھی بھی خود کو مادر پدر آزاد تصور نہیں کرتا بلکہ ہمیشہ قوانین وضوابط کے دائرہ میں رہتا ہے اور درحقیقت یہی وہ بنیادی پہلو ہے جس کی وجہ سے انسانی زندگی انسانیت کے زمرہ میں شمار ہوتی ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں قوانین وضوابط اور انسانی زندگی کے لئے حدود وقیود کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے اور ساتھ ہی یہ سوال سر اٹھاتا ہے کہ اگر انسانی معاشرہ قوانین کا محتاج ہے، اگر بشر حدود وقیود کا ضرورت مند ہے تو وضع قوانین کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟ افراد پر؟ حکومتوں پر؟ یا خداوند پر؟

اگر کسی مخصوص طبقہ کو وضع قوانین کا اختیار دے دیا جائے تو وہ ایسے قوانین وضع کرے گا جو اسی طبقہ کے مفاد میں ہوں گے اور اگر ہر شخص کو یہ اختیار دے دیا جائے کہ اپنی عقل وخرد کی روشنی میں وہ اپنے لیے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

قوانین وضوابط بنالے تو نتیجہ میں ایسے قوانین سامنے آئیں گے جن میں سوائے اپنے ہر شخص بے تکی پابندیوں اور ناروا قوانین کی زنجیروں میں جکڑا ہوا نظر آئے گا اور جس کے بعد نیکی کا کوئی معیار ہوگا نہ بدی کا کوئی پیمانہ۔

یہی وجہ ہے کہ دنیا میں نافذ کئے جانے والے قوانین اگر چہ اخلاقی قدروں کے حامل تصور کئے جاتے ہیں مگر یہ قوانین اور ضابطے آئے دن بنتے بگڑے رہتے ہیں، آج اچھائی کی قدریں کچھ ہیں تو کل کچھ اور ہونگی، آج نیکی اور بدی کا معیار کچھ ہے، کل کچھ اور ہوگا بلکہ ایک ہی وقت میں ایک معاشرہ میں اگر ایک چیز اچھی سمجھی جاتی ہے تو دوسرے معاشرہ میں بری! چنانچہ اختلاف طبائع کو دیکھتے ہوئے ایسا متحدہ لائحہ عمل ترتیب دینا جس پر تمام عقلائے روزگار متفق ہوں ناممکن نظر آتا ہے، جبکہ انسانی زندگی بسر کرنے اور انسانی معاشرہ میں وحدت واجتماعیت پیدا کرنے کے لئے ایک ایسا ضابطہ وقانون ناگزیر ہے جو آفاقی، ہمہ گیر اور حقوق عامہ کے تحفظ کا ضامن ہو اور ایسا قانون صرف وہی پیش کرسکتا ہے جو نوع بشر کے ہر ہر فرد کے مصالح وحکم اور سود وزیاں سے آگاہ ہو اور وہ ہے فقط خداوند متعال کی ذات کہ جسے نہ دیکھا جاسکتا ہے، نہ ہمکلام ہوا جاسکتا ہے اور نہ ہی براہ راست احکام لئے جاسکتے ہیں جیسا کہ خداوند حکیم قرآن مجید میں ارشاد فرما رہا ہے:

﴿وما كان لبشر ان يكلمه الله الا وحياً او من وراء حجاب او يرسل رسولا﴾(۱)

''کسی آدمی کے لئے یہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ اس سے ہمکلام ہو مگر وحی کے ذریعہ سے یا پردہ کے پیچھے سے یا فرشتہ بھیج کر،، لہذا خدا اور اس کے بندوں کے درمیان ایسے قابل اعتماد واسطوں کی ضرورت ہے جو اللہ تعالی سے بذریعہ وحی احکام وصول کریں اور انھیں جوں کا توں اس کے بندوں تک پہنچائیں۔

اسی اخذ وابلاغ کے لئے خداوند عالم نے سلسلہ نبوت کی داغ بیل ڈالی اور زمین کا کوئی خطہ

۱۔ سورۂ شوریٰ آیت ۵۱۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور بنی نوع انسان کا کوئی طبقہ ایسا نہیں جس میں کوئی نہ کوئی نبی ہدایت بشر کے لئے نہ آیا ہو چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے ﴿ولقد بعثنا فی کل امة رسولا ﴾(۱) "ہم نے ہر قوم میں ایک نہ ایک رسول بھیجا ہے،،(۲)

بعثت سے قبل دنیا کی حالت:

بعثت پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بہتر آگاہی حاصل کرنے کے لیے اس دور کی دنیا پر نظر ڈالنا یقیناً مفید ثابت ہوگا کیونکہ اس دور کے آداب ورسوم اور افکار وحالات سے آشنائی کے ذریعہ سے اسلام کے حیات بخش قوانین اور نورانی احکام کی اہمیت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

جزیرۃ العرب:

جزیرۃ العرب کے بارے میں تفصیلی گفتگو باب اول میں گزر چکی ہے لہذا یہاں صرف بحث کی تکمیل کے پیش نظر مختصراً اشارہ کیا جائے گا۔

بعثت پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل جزیرہ نمائے عرب میں متعدد قبائل پائے جاتے تھے جو ایک دوسرے کی نسبت افرادی اور اجتماعی قوت میں متفاوت تھے اور وسائل کی کمی کے باعث ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ حالت جنگ میں رہتے یہی وجہ تھی کہ بعض شمالی وجنوبی علاقوں کے علاوہ جزیرۃ العرب کسی بھی قسم کی مرکزی ووفاقی حکومت سے عاری تھا البتہ مشترکہ مکتب فکر کی عدم موجودگی، ارتباطی راستوں کا فقدان، سکونتی مقامات میں دوری اور متعدد بتوں کا وجود بھی ان بعض عوامل میں سے ہے کہ جس کی وجہ سے اعراب میں ایک حاکمیت وحکومت کا تصور ناپید ہوگیا تھا۔

دینی ومذہبی اعتبار سے عربوں کی پستی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا، تراشیدہ بتوں کی عبادت و پرستش

۱۔ سورہ نحل آیت ۳۶

۲۔ سیرت امیر المومنین ج ۲ ص ۱۲۳

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ایک طرف، وہ تو عام اور معمولی پتھروں کے گرد ایسے چکر لگاتے جیسے کعبہ کے گرد طواف کیا جاتا ہے بتوں کے سامنے جانوروں کی قربانی کے بجائے اپنے جگر پاروں کو خون میں نہلاتے، غیرت کے نام پر دختر کشی کرتے قتل و غارتگری اور خون ریزی کو جرأت و بہادری سے تعبیر کرتے، قصہ مختصر انھوں نے تمام اخلاقی فضائل کو افراط و تفریط کی صورت میں انجام دے کر رذائل کی صف میں لا کھڑا کیا تھا۔

ایران:

اس دور کی سپر پاور کی حالت بھی باقی دنیا سے مختلف نہ تھی، عدم مساوات اور طبقہ بندی کے عفریت نے یہاں بھی ڈیرے ڈالے ہوئے تھے، کوئی شخص اپنے سے بالاتر طبقہ میں شمولیت اختیار نہیں کر سکتا تھا جس کا ایک نمونہ خسرو پرویز کا دربار تھا جس کی حالت یہ تھی کہ بادشاہ اور درباریوں کے درمیان پردہ آویزاں ہوتا اور کم از کم دس ہاتھ کے فاصلہ پر شاہزادے اور سپہ سالار تشریف فرما ہوتے اور ان سے مزید دس ہاتھ کے فاصلہ پر بادشاہ کے ندیم رشتہ دار اور موسیقار جلوہ افروز ہوتے اور مزید دس ہاتھ کے فاصلہ پر فنکار، گلوکار، اور طبلہ نواز بیٹھتے، نچلے طبقوں کا کوئی شخص اس قسم کی محفل میں داخلہ کا حقدار نہیں تھا اگر کسی شخص کو داخلہ کی اجازت ملتی بھی تو پہلے اس کے منہ پر کپڑا باندھا جاتا تاکہ اس کی سانسوں کی وجہ سے دربار کی فضا آلودہ نہ ہو اور اس قسم کی دسیوں انسانیت سوز حرکات کے بعد بادشاہ کے حضور پیش کیا جاتا۔

بشریت کی تذلیل کے یہ نمونے صرف دربار کی فضا میں محدود نہ تھے بلکہ پورا معاشرہ اس کرب سے تڑپ رہا تھا، دینی و مذہبی اعتبار سے ایران کی حالت باقی دنیا سے مختلف نہ تھی، لوگ آگ کی پرستش کرتے اور اسی سے حاجات طلب کیا کرتے تھے۔

برصغیر:

برصغیر شروع ہی سے ذات پات کے بکھیڑوں میں الجھا رہا ہے، اعلٰی ذات کے برہمن کسی بھی جرم کے بعد مواخذہ کی چکی میں نہ آتے اور غصہ میں کسی بھی انسان کو زندہ درگور کرنے کا پورا اختیار رکھتے تھے،

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

الغرض برصغیر کے باسی، ایرانیوں کی طرح طبقاتی نظام میں بری طرح جکڑے ہوئے تھے، عورت جانور سے زیادہ اہمیت کی حامل نہ تھی، تعلیم و تعلم فقط اونچی ذات والوں سے مخصوص تھا، دائمی جنگوں، لڑائیوں اور آسمانی آفات کی وجہ سے لوگ ہمیشہ سراسیمہ رہتے اور اسی خوف سے نجات حاصل کرنے کے لئے دنیا کی ہر چیز، پتھر، درخت، دریا، جانور، سورج وغیرہ کے روبرو سجدہ ریز ہوتے۔

دنیا کی عمومی صورتحال:

روم اور باقی دنیا کی صورت حال جزیرہ نمائے عرب، ایران اور برصغیر سے مختلف نہیں تھی، ہر طرف جہالت کی تاریکی، ظلم و ستم کے سائے، جنگ و غارت گری کے بادل، ضلالت و گمراہی کے طوفان اور وحشت و ویرانی کے ڈیرے تھے، چنانچہ حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام بعثت سے پہلے کی دنیا کے بارے میں فرماتے ہیں: ..ارسله علیٰ حین فترة من الرسل وطول هجعة من الامم واعتزام من الفتن وانتشار من الامور وتلظ من الحروب والدنيا كاسفة النور ظاهرة الغرور علیٰ حين اصفرارٍ من ورقها واياس من ثمرها واغوراز من مائها قد درست منار الهدیٰ وظهرت اعلام الردی . فهي متجهمة لاهلها عابسة في وجه طالبها ثمرها الفتنه وطعامها الجيفه وشعارها الخوف ودثارها السيف»، (۱)

اللہ تعالیٰ نے پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس دور میں بھیجا جب رسولوں کا سلسلہ موقوف تھا، امتیں خواب غفلت میں پڑی ہوئی تھیں، فتنے سر اٹھائے ہوئے اور جملہ امور میں انتشار کی کیفیت تھی، جنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے، دنیا کی روشنی کجلائی ہوئی تھی اور اس کا فریب واضح تھا، باغ زندگی کے پتے زرد اور ثمرات حیات سے مایوسی پیدا ہو چلی تھی، پانی تہہ نشین، ہدایت کے منارے نابود اور ہلاکت کے نشانات نمایاں تھے، یہ دنیا اپنے اہل کو ترش روئی سے دیکھ رہی تھی اور اپنے طلب گاروں کے سامنے منہ بگاڑ کر پیش

۱۔ نہج البلاغہ خطبہ ۸۹ ص ۱۴۴۔۱۴۵

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

آرہی تھی اس کا ثمر فتنہ، اس کی غذا مردار، اس کے اندر خوف اور اس کے باہر تلوار حاکم تھی۔

ایک اور مقام پر بعثت سے قبل انسانوں کی تصویر کشی فرماتے ہیں:۔ بعثه والناس ضلال فی حيرة وحاطبون فی فتنه، قد استهوتهم الاهواء واستزلهم الكبرياء واستخفتهم الجاهلية الجهلاء، حيارى فی زلزال من الامر وبلاء من الجهل فبالغ فی النصيحة ومضىٰ علىٰ الطريقه ودعا الىٰ الحكمة والموعظة الحسنة،،(۱)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آنحضرتؐ کو اس وقت مبعوث فرمایا جب لوگ ضلالت وگمراہی میں متحیر وسرگردان اور فتنوں میں ہاتھ پاؤں مار رہے تھے، خواہشات نے انھیں بہکایا، غرور نے ان کے قدموں میں لغزش پیدا کردی اور جاہلیت نے انہیں سبک سر بنادیا وہ غیر یقینی حالات اور جہالت کی بلاؤں میں حیران وسرگرداں تھے۔

روز بعثت :

بعثت پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلہ میں دیگر اختلافات کی طرح روز بعثت کے بارے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، آئمہ اہل بیت علیہم السلام سے منقول روایات کی روشنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۲۷ رجب المرجب کو مبعوث برسالت ہوئے اور بشریت کی ہدایت کا بیڑا اٹھایا(۲)

جبکہ علماء اہل سنت کے نزدیک روز بعثت، سترہ رمضان المبارک، اٹھارہ رمضان المبارک، چوبیس رمضان المبارک یا بارہ ربیع الاول ہے۔(۳)

علماء اہل سنت کی جانب سے ماہ رمضان المبارک میں روز بعثت قرار دینے کی بنیادی وجہ قرآن

۱۔ نہج البلاغۃ خطبہ ۹۵ ص ۱۷۷۔۱۷۸)

۲۔ الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم ج ۲ ص ۲۴۴، سیرۃ حلبیہ ج ۱ ص ۳۸۴، وبحار الانوار ج ۱۸ ص ۲۰۴۔۱۹۰ حیاۃ القلوب ج ۲ ص ۲۵۷

۳۔ السیرۃ النبویہ ابن ہشام ج ۱ ص ۲۵۶، کامل ابن اثیر ج ۱ ص ۶۳۶، تاریخ طبری ج ۱ ص ۲۹۳۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مجید کی وہ آیات ہیں جو نزول قرآن کو رمضان المبارک میں قرار دیتی ہیں، آیئے ذرا ان آیات کا جائزہ لیتے ہیں:

الف:﴿شھر رمضان الذی انزل فیه القرآن﴾(۱)

''رمضان وہ مبارک مہینہ ہے جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا''

ب:﴿انا انزلناہ فی لیلة القدر﴾(۲)

''بے شک ہم نے قرآن مجید کو لیلۃ القدر میں نازل کیا''

مذکورہ آیات کی روشنی میں علمائے اہل سنت روز بعثت کو رمضان المبارک میں قرار دیتے ہیں لیکن اگر دقت نظر سے کام لیا جائے تو بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ:

۱۔ مذکورہ تمام آیات قرآن مجید کے مکمل طور پر رمضان المبارک میں نازل ہونے پر دلالت کر رہی ہیں بلکہ اگر مذکورہ تمام آیات قرآنی کو یکجا کر کے دیکھا جائے تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پورا قرآن مجید ایک رات میں نازل ہوا جبکہ روز بعثت کے بارے میں تمام شیعہ، سنی علماء کا اتفاق ہے کہ اس دن سورۃ علق کی صرف پہلی پانچ آیتیں نازل ہوئیں۔

مذکورہ آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے دو نزول ہیں ایک دفعی یعنی ماہ رمضان المبارک میں پورا قرآن قلب پیامبر اکرمؐ پر نازل کیا گیا جیسا کہ آیت مجیدہ میں ہے ﴿انا انزلناہ فی لیلة القدر﴾(۳) ہم نے قرآن مجید کو لیلۃ القدر میں نازل کیا اور قرآن کا دوسرا نزول تدریجی ہے یعنی قرآن مجید ۲۳ سال کے عرصہ میں وقتاً فوقتاً مختلف مواقع پر نازل ہوتا رہا(۴)

۱۔ سورۃ بقرہ آیت ۱۸۵۔

۲۔۳۔ سورہ قدر آیت ۱۔

۴۔ تاریخ اسلام، زندگانی پیامبر خاتم آقای سبحانی ص ۵۹۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۲۔اگر مذکورہ آیات کے ساتھ ساتھ بعثت سے مربوط روایات و واقعات کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ حضرت جبرائیلؑ کی آمد، آغاز وحی اور اس کے بعد کے تمام واقعات دن میں رونما ہوئے اور کسی بھی روایت میں (رات) کا ذکر نہیں ہے یعنی آنحضرت دن کے وقت مبعوث برسالت ہوئے اور روز روشن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پہلی وحی نازل ہوئی، جبکہ تمام آیات نزول قرآن کو رمضان المبارک کی مبارک شب یعنی لیلۃ القدر میں قرار دے رہی ہیں، لہذا اس کا مطلب یہ ہے کہ ان آیات کا روز بعثت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ پس ان آیات کو دلیل بنا کر روز بعثت کو ماہ رمضان المبارک میں قرار دینا بھی صحیح نہیں ہے۔

آغاز بعثت:

اطراف مکہ، صحرائے عرفات سے منیٰ اور طائف تک تنگ دروں، ریتلے ٹیلوں، گہری گھاٹیوں اور خشک بیابانوں سے اٹے پڑے ہیں، یہ پہاڑی سلسلے خداشناسی اور خود شناسی کے جویا باعظمت افراد کے لئے بہترین نقطہ ہیں، جس کی جانب سب سے پہلے پیامبر اکرمؐ کے جدامجد حضرت عبدالمطلب متوجہ ہوئے اور انھوں نے قریش کے درمیان ایک رسم کی داغ بیل ڈالی، جس کے مطابق آپ سال میں ایک مرتبہ رمضان المبارک شروع ہوتے ہی مکہ کے شمال مشرق میں واقع حراء نامی پہاڑ کے دامن میں موجود غار حراء تشریف لے جاتے اور پورا مہینہ خاموشی کے ساتھ وہاں بسر کرتے اور وہاں سے گزرنے یا وہاں جانے والے فقراء کی امداد کرتے تھے(۲)

حضرت عبدالمطلبؑ کے بعد یہ رسم بعض حنفاء کے درمیان رائج ہوگئی اور اسے تحنث، کہا جانے لگا، (حنث) کا لغوی معنی اگرچہ گناہ ہے لیکن یہاں تحنث سے مراد گناہ نہیں بلکہ گناہ سے دوری اور خدا

۱۔نہج البلاغہ خطبہ ۹۵ص ۱۷۷۔۱۷۸۔

۲۔سیرۃ حلبیہ ج۱ص ۳۸۲، سبل الھدی والرشاد ج۲ص ۳۱۹۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کی قربت ہے(۱)

بعض روایات کے مطابق غار حراء میں اعتکاف اور گوشہ نشینی کا آغاز آنحضرتؐ نے خداوند حکیم کی راہنمائی کے مطابق فرمایا اور آپؐ سے پہلے کسی نے بھی اس قسم کا اقدام نہیں کیا(۲)

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب آپؐ قبیلہ بنی اسد میں پرورش پا رہے تھے اس وقت بھی عام بچوں کے ساتھ کھیل کود کے بجائے غار حراء تشریف لے جاتے اور وہاں آفرینش کے بارے میں غور وفکر فرماتے تھے(۳)

بعثت سے قبل اور ازدواج کے بعد پیامبر اکرمؐ حرا نامی پہاڑ کے دامن میں موجود غار میں تشریف لے جاتے اور وہاں اعتکاف فرماتے امیر المومنینؑ جو ہمیشہ اس گوشہ نشینی کے ساتھی ہوا کرتے تھے فرماتے ہیں: ﴿و لقد کان یجاور فی کل سنه بحراء فاراه و لا یری غیری﴾(۴) آنحضرتؐ ہر سال غار حرا میں گوشہ نشینی اختیار کرتے اور میرے علاوہ انہیں کوئی نہیں دیکھتا تھا۔

پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گوشہ نشینی کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ آپؐ ہر وقت تحنث ہی اختیار کئے رہتے تھے بلکہ تاریخی کتب میں مذکور روایات کی روشنی میں آپ عموماً رمضان المبارک اور کبھی کبھی دیگر ایام میں مختصر سے طعام کے ہمراہ غار حراء تشریف لے جاتے اور غذا اتمام ہونے کے بعد مکہ تشریف لاتے تا کہ دوبارہ غذا کا بندوبست کریں یا بعض اوقات حضرت خدیجہؑ غار حراء میں غذا پہنچا دیا کرتی تھیں۔

وحی:

لغت میں وحی کے بہت سے معانی ذکر کئے گئے ہیں: اشارہ، کتابت، پیغام، کلام خفی، پوشیدہ

۱۔ تاج العروس ج ۳ ص ۱۹۸ مادہ حنث، تاریخ العرب فی الاسلام ص ۱۶۳

۲۔ جوامع السیر ۃ النبویہ ص ۳۶۔

۳۔ سیرۃ حلبیہ ج ۱ ص ۳۸۲

۴۔ خطبہ قاصعہ۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بات، جلدی، تیزی، یا بیہودہ بات، نوشتہ، پیغام یا اشارہ جس کے ذریعہ مقابل کو فوراً بات سمجھائی جا سکے(۱)

قرآن مجید میں وحی چار معانی میں استعمال ہوئی ہے :

۱۔ اشارہ: حضرت زکریاؑ کے بارے میں قرآن مجید میں آیا ہے ﴿فخرج علی قومه من المحراب فاوحی الیهم ان سبحوا بکرة و عشیا﴾(۲) وہ محراب عبادت سے نکلے اور اشارہ سے لوگوں کو کہا کہ صبح و شام خدا کی تسبیح کریں۔

۲۔ فطری غریزہ: تمام مخلوقات کی فطرت میں بقاء اور زندگی کو جاری رکھنے کا غریزہ موجود ہے جس کی روشنی میں تمام حیوانات و نباتات وغیرہ زندگی بسر کر رہے ہیں، قرآن مجید میں اس فطری غریزہ کو وحی سے تعبیر کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿و اوحی ربک الی النحل ان اتخذی من الجبال و من الشجر و مما یعرشون ثم کلی من کل الثمرات فاسلکی سبل ربک ذللا﴾(۳) تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی پر وحی فرمائی کہ پہاڑوں، درختوں اور لوگوں کے بنائے ہوئے بلند مقامات پر اپنے گھر بناؤ اور پھر پھلوں سے کھاؤ اور اپنے پروردگار کی جانب سے معین کئے گئے راستہ کو آسانی کے ساتھ طے کرو۔

۳۔ الہام: بعض اوقات انسان مسائل اور پریشانیوں میں اس طرح گھر جاتا ہے کہ کوئی چارہ کار نظر نہیں آتا ایسے میں کبھی یوں ہوتا ہے کہ روشنی کی چمک کی طرح راہ حل انسان کے سامنے آجاتا ہے اور انسان ان مشکلات سے چھٹکارہ پالیتا ہے علماء اس قسم کے راہ حل کو خدا کی جانب سے راہنمائی اور الہام قرار دیتے ہیں، قرآن مجید میں حضرت موسیٰؑ کی والدہ کے بارے میں اسی قسم کی وحی کا تذکرہ ہوا ہے : ﴿و

۱۔ ابن منظور، لسان العرب ج ۱۵، ص ۳۸۰، راغب اصفہانی، المفردات، ص ۵۱۵۔

۲۔ مریم ۱۱

۳۔ نحل ۶۸، ۶۹

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اوحینا الی ام موسی ان ارضعیه فاذا خفت علیه فالقیه فی الیم ولا تخافی ولا تحزنی انا رادوہ الیک.....﴾(۱) اور ہم نے موسیٰ کی ماں کی جانب الہام کیا کہ انہیں دودھ پلائیں اور جب خوف محسوس کریں تو صندوق میں رکھ کر پانی میں چھوڑ دیں اور پریشان وغمزدہ نہ ہوں ہم انہیں تمہاری طرف پلٹائیں گے۔

۴۔ وحی رسالت: اس قسم کی وحی نبوت کا خاصہ ہے، قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس کا ذکر ہوا ہے ﴿و کذلک اوحینا الیک قرآنا عربیا لتنذر ام القریٰ و من حولها﴾(۲) اور اس طرح ہم نے تمہاری طرف قرآن کو عربی میں وحی کیا تا کہ ام القریٰ اور اس کے اطراف میں رہنے والوں کو انذار کرو۔

وحی رسالت انبیاء پر تین طرح سے نازل ہوتی ہے جس کی جانب قرآن مجید نے اشارہ فرمایا ہے کہ ﴿وما کان لبشر ان یکلمه الله الا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولا﴾(۳) ''کسی آدمی کے لئے یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ اس سے ہمکلام ہو مگر وحی کے ذریعہ سے یا پردہ کے پیچھے سے یا فرشتہ بھیج کر،،

آغاز وحی:

آغاز وحی کے سلسلہ میں تاریخی وحدیثی منابع رقمطراز ہیں کہ جب پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک چالیس برس کے قریب ہوئی تو آپؑ نے غار حراء میں جانا زیادہ کر دیا جہاں آپؑ غور وفکر اور عبادت خدا میں مشغول رہتے اور یہیں سے ابتدائے وحی کے طور پر آپ کو رویائے صادقہ کا سامنا ہوا اور آپ جو کچھ خواب میں دیکھتے وہ روز روشن کی طرح صبح کو عیاں ہو جاتا، اسی دوران ایک دن آپ غار حرا میں

۱۔ قصص ۷۔

۲۔ شوریٰ ۷۔

۳۔ شوریٰ ۵۱۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تشریف فرماتے کہ یکایک فرشتہ وحی حضرت جبرائیلؑ نازل ہوئے اور کہا اقراء "پڑھیے" پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ما انا بقاری یا لست بقاری میں نہیں پڑھ سکتا، حضرت جبرائیل نے پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکڑا اور زور سے بھینچا اور کہا اب پڑھو، آنحضرتؐ نے وہی جواب دیا کہ میں نہیں پڑھ سکتا، حضرت جبرائیلؑ نے دوبارہ بھینچنے کا عمل دہرایا لیکن حضور اکرمؐ نے دوبارہ وہی جواب دیا تین مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھینچا گیا اور آخر میں فرشتہ وحی نے سورہ علق کی پہلی پانچ آیات کی تلاوت کی اور روانہ ہو گیا۔

فرشتہ وحی کو دیکھ کر اور پیغام الٰہی پا کر پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحشت زدہ اور مضطرب حالت میں گھر پلٹ آئے حضرت خدیجہؓ نے ماجرا دریافت کیا تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام واقعہ کہہ سنایا اور کہا کہ جس چیز کا ڈر تھا وہ ہو گیا کہ لوگ مجھے دیوانہ کہیں گے، حضرت خدیجہؓ نے جب پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شک و تردید کی حالت میں دیکھا تو کہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل خیر، مہمان نواز اور صلہ رحم کے پابند ہیں خدا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ضائع و رسوا نہیں کرے گا۔

حضرت خدیجہ نے مزید اطمینان خاطر کے لئے اپنے سر سے کپڑا بھی ہٹایا تا کہ یہ یقین دلا سکیں کہ غار حرا میں نظر آنے والی مخلوق شیطان نہیں بلکہ فرشتہ ہی تھی۔

اس کے بعد حضرت خدیجہؓ ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں اور تمام واقعہ سنایا، ورقہ بن نوفل نے چند سوالات کئے اور کہا کہ یہ فرشتہ جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا ہے وہی ناموس اکبر ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا اس کے بعد ورقہ بن نوفل نے آرزو کی کہ اے کاش میں اتنا زندہ رہوں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کرسکوں (۱)

یہ ہے روایات کا وہ مجموعی خلاصہ جو بعثت کی کیفیت اور آغاز وحی کے سلسلہ میں تاریخی کتب میں موجود ہے البتہ تھوڑے بہت تفاوت کے ساتھ، آئیے اب ان روایات کا جائزہ لیتے ہیں۔

۱۔ دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۱۳۵ تا ۱۳۷۔ تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۹۸ اور انساب الاشراف ج ۱ ص ۱۰۴ سیرہ ابن ہشام و دیگر کتب سیرہ۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

احادیث بعثت کا تنقیدی جائزہ:

پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا واقعہ تاریخ اسلام بلکہ تاریخ بشریت میں بے پناہ اہمیت کا حامل ہے لیکن اس کے باوجود یہ واقعہ کتب تاریخ کے دامن میں افسانوی رنگ اور قبائلی مفادات میں لپٹا ہوا نظر آتا ہے، ان تمام روایات کا مجموعی خلاصہ پیش کرنے کے بعد اب ان کا جائزہ لیتے ہیں:

۱۔ واقعہ بعثت کے راویوں میں زیادہ تر کا تعلق آل زبیر سے ہے مثلاً عبداللہ بن زبیر، عروۃ ابن زبیر، بی بی عائشہ کہ جو عبداللہ بن زبیر کی خالہ ہیں، وہب بن کیسان اور اسماعیل بن ابی حکیم موالی آل زبیر ہیں، آل زبیر کا تعلق قبیلہ بنی اسد سے ہے اور ورقہ بن نوفل کا تعلق بھی اسی خاندان سے ہے۔

جس دوران حدیث سازی کا بازار گرم تھا اور غنائم کی تقسیم قبائلی بنیادوں اور صدر اسلام میں قابل ذکر خدمات انجام دینے پر استوار تھی تو ہر قبیلہ یہ چاہتا تھا کہ صدر اسلام میں اپنی بے پناہ خدمات ظاہر کرے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ان احادیث میں نعوذ باللہ پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی رسالت کے بارے میں شک و تردید میں مبتلا ہیں اور قبیلہ بنی اسد کا ایک فرد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ نبوت کے بارے میں آگاہ ہے، آل زبیر کے مقابلہ میں بعض لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شک و تردید کو نسطور اور عداس کے ذریعہ دور کروایا ہے۔(۱)

۲۔ واقعہ بعثت کے اصلی اور بنیادی راویوں میں بی بی عائشہ اور عبداللہ ابن عباس کا نام لیا جاتا ہے جبکہ ابن عباس، شعب ابی طالب میں اور بی بی عائشہ بعثت کے پانچ سال بعد پیدا ہوئیں اور واقعہ بعثت کے وقت ان دونوں میں سے کوئی بھی موجود نہیں تھا لہٰذا علم حدیث کی رو سے واقعہ بعثت کے بارے میں ان کی روایات مرسل قرار پائیں گی۔

۳۔ بعثت سے مربوط تمام روایات میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

۱۔ تاریخ سیاسی اسلام سیرت رسول خدا رسول جعفریان ص ۱۶۰

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اپنی نبوت کا یقین نہیں تھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شک وتردید میں مبتلا تھے بعض روایات میں یہاں تک لکھا ہے کہ وحی دریافت کرنے کے بعد آپ اتنے خوف زدہ وہراساں ہو گئے تھے کہ پہاڑ سے نیچے کودنا چاہتے تھے مگر حضرت جبرائیلؑ آڑے آگئے (۱) تمام تاریخی اور حدیثی کتب میں ایسی روایات موجود ہیں جن کے مطابق پیامبر اکرمؐ بچپن سے لیکر جوانی اور جوانی سے لیکر بعثت تک متعدد بار ایسی علامات کا مشاہدہ کر چکے تھے جو آپؐ کے روشن ودرخشاں مستقبل کی خبر دے رہی تھیں اور ان علائم کی موجودگی میں یہ روایات کوئی معنی نہیں رکھتیں کہ پیامبر اکرمؐ حضرت جبرائیلؑ کا سامنا کرکے (نعوذ باللہ) ایسے حواس باختہ ہوئے کہ پہاڑ سے چھلانگ لگانے پر آمادہ ہو گئے! علاوہ ازیں مذکورہ روایات قرآن مجید کی صریح آیات سے بھی متصادم ہیں چنانچہ ارشاد رب العزت ہے: ﴿قل انی علیٰ بینة من ربی﴾ (۲) "کہو، میرے پاس خدا کی روشن دلیل ہے" ﴿قل ھٰذہ سبیلی ادعو آ الیٰ اللہ علیٰ بصیرة انا و من اتبعنی﴾ (۳) "کہو، یہ ہے میرا راستہ، میں اور میری اتباع کرنے والے بصیرت کامل کے ساتھ خدا کی طرف دعوت دیتے ہیں"

صاحب مجمع البیان علامہ طبرسی آغاز وحی سے مربوط روایت پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ روایت ہرگز صحیح نہیں ہو سکتی کیونکہ خداوند متعال روشن دلائل اور محکم نشانیوں کے ساتھ اپنے نبی پر وحی بھیجتا ہے یہاں تک کہ نبی کو کامل یقین واطمینان ہوتا ہے کہ جو کچھ وحی نازل ہوئی ہے وہ خداوند متعال کی جانب سے ہے۔ (۴)

کتنی حیرت انگیز بات ہے کہ امین وحی کو دیکھنے، پانچ آیات وصول کرنے اور یہ بتا دیئے جانے

۱۔ تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۹۸۔

۲۔ سورۂ انعام آیت ۵۷۔

۳۔ سورۂ یوسف ۱۰۸۔

۴۔ مجمع البیان ج ۱۰ ص ۳۸۴۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کے بعد کہ " آپ پیغمبر خدا ہیں اور میں جبرائیل ہوں " آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحی و نبوت کے بارے میں مشکوک رہیں اور خیال کریں کہ شاید یہ سب کچھ افسانہ ہے جبکہ ورقہ بن نوفل، نسطور یا عداس جو خود عیسائی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شک و تردید کو دور کریں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اضطراب و پریشانی کے بھنور سے نکالیں۔

۴۔ حضرت جبرائیلؑ نے پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پڑھنے کو کہا تھا، آیا کوئی تختی، لوح یا کتاب بھی پیش کی تھی کہ اس پر سے دیکھ کر پڑھو؟ روایات میں اس قسم کا کوئی اشارہ موجود نہیں ہے البتہ ایک روایت ہے جس میں لوح کا تذکرہ پایا جاتا ہے لیکن علماء و محدثین اس روایت کو اہمیت نہیں دیتے، اگر کوئی لوح و تختی موجود ہی نہیں تھی تو پیامبر اکرمؐ حضرت جبرائیل کے جواب میں یہ کہنے کے بجائے کہ میں نہیں پڑھ سکتا، یقیناً کہہ سکتے تھے کہ (کیا پڑھوں؟) یہاں تو کچھ ہے ہی نہیں!

اس مشکل کا حل علماء و محدثین نے یہ نکالا کہ حضرت جبرائیلؑ کا مقصد یہ تھا کہ جو کچھ وہ کہیں پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ساتھ ساتھ دہرائیں۔

اگر یہ بات تسلیم کرلی جائے تو فوراً یہ سوال اٹھتا ہے کہ ﴿ وما ینطق عن الهوی ان هو الا وحی یوحی ﴾(۱) کا مصداق پانے والی عظیم شخصیت، چالیس سال کی عمر میں سورۂ علق کی پہلی پانچ چھوٹی چھوٹی آیات کو دہرانے پر قادر نہیں تھی؟! جبکہ یہ کام تو پانچ سالہ بچہ بھی باآسانی انجام دے سکتا ہے چہ جائیکہ افصح الفصحاء و دانائے قریش!۔

۵۔ آیا خداوند علیم و حکیم اور حضرت جبرائیلؑ نہیں جانتے تھے کہ پیامبر گرامیؐ نے کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا ہے، اس کے باوجود، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پڑھنے پر مجبور کرنا نامعقول و نامناسب نظر آتا ہے اور خداوند متعال ہر نامعقول و نامناسب کام سے منزہ و بالاتر ہے۔

۱۔ سورۂ نجم آیت ۳۔۴

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۶۔ اگر اقراء کا مطلب علماء و محدثین کے مطابق یہ تسلیم کر لیں کہ حضرت جبرائیلؑ کا مقصد یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے ساتھ ساتھ دہرائیں، تو معاملہ مزید بدتر ہو جاتا ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت جبرائیلؑ پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مطالبہ کرتے ہیں کہ سورۂ علق کی یہ چند آیتیں دہرائیں لیکن پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (نعوذ باللہ) تیار نہیں ہوتے اور فرماتے ہیں: "ما انا بقاری، لست بقاری" "میں نہیں دہرا سکتا، میں دہرانے والا نہیں ہوں!

جب حضرت جبرائیلؑ یہ صورت حال دیکھتے ہیں تو پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکڑ کر اتنے زور سے دباتے ہیں کہ پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محسوس کرتے ہیں کہ بس روح پرواز کرنے والی ہے، تین مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ اذیت پہنچا کر بالآخر مجبور کر دیا جاتا ہے کہ وہ آیات کو دہرائیں اور نبوت کی ذمہ داری سنبھالیں! ۔

۷۔ ایک اور دلچسپ امر ان روایات میں یہ ہے کہ پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حضرت جبرائیلؑ کو بتایا کہ میں نہیں پڑھ سکتا تو حضرت جبرائیلؑ نے پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تین بار اتنا دبایا کہ ہر بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ محسوس کرتے تھے کہ روح قفس عنصری سے پرواز کرنے والی ہے، سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح بھی کبھی علم حاصل ہوا ہے؟ اور کیا اس قسم کے طریقہ سے کسی اور نبی کو بھی مبعوث کیا گیا ہے؟!

۸۔ واقعہ بعثت کی روایات کے مجموعہ میں اور بھی بہت سی بے سروپا باتیں اور روایات موجود ہیں بطور نمونہ صرف ایک روایت پیش کر کے ہم اپنی بحث کو دوسرے مراحل کی طرف لے چلتے ہیں:

بی بی عائشہ روایت کرتی ہیں کہ بعثت کے دن کوہ حراء پر ایک عالی شان تخت لا کر رکھا گیا اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ افروز ہوئے اور ہیرے جواہرات سے مزین تاج آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک پر رکھا گیا اور پھر بتایا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ (۱)

۱۔ تاریخ اسلام ص ۱۰۰ علی دوانی

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تخت وتاج اور دیگر دنیاوی ومادی تکلفات بادشاہوں اور شہنشاہوں سے مربوط ہیں جن کا نبوت ورسالت جیسے روحانی ومعنوی مقام سے دور کا بھی واسطہ نہیں، اس حدیث کے گھڑنے والوں کی نظر میں چونکہ پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بادشاہ اور مقام نبوت ورسالت، بادشاہت ہی کی ایک قسم ہے لہذا انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے جشن تاج پوشی کی رسم پر مشتمل ایک روایت گھڑ ڈالی!

خلاصہ کلام یہ کہ یہ تمام احادیث جہاں سند کے اعتبار سے قابل قبول نہیں وہیں ان کا متن ومضمون بھی متناقض وپراکندہ اور شیعہ سنی مسلمانوں کے عقائد کے خلاف ہے اور جن افراد نے مذکورہ احادیث کے مضامین میں موجود تضاد وتناقض کو دور کرنے کی کوشش کی ہے وہ بھی سرگرداں وپریشان نظر آتے ہیں چنانچہ برہان الدین حلبی، سیرۂ حلبیہ میں احادیث بعثت کو جمع کرنے اور ان میں موجود تضاد کو ختم کرنے کے چکر میں عجیب بدحواسی کا شکار نظر آتے ہیں اور موضوع میں موجود پیچیدگی کو ختم کرنے کے بجائے ابہامات کو مزید بڑھا دیتے ہیں۔

ایک نظریہ:

محقق علی دوانی صاحب نے خاندان اہل بیتؑ سے منقول بعض روایات کی روشنی میں رہبر بشریت کی بعثت کی کیفیت کو ایک نئے انداز میں پیش کیا ہے کیفیت بعثت کے بارے میں ایک روایت اور اس کے بعد ان کی رائے کو ذکر کرنا یقیناً دلچسپی کا باعث ہوگا۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام فرماتے ہیں: جب پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجارت کو خیر آباد کہا اور اس سے حاصل ہونے والے تمام اموال کو فقراء ومساکین میں تقسیم کر دیا تو ہر روز غار حراء تشریف لے جاتے اور اس کی بلندیوں سے رحمت پروردگار کے آثار کا نظارہ اور حکمت الٰہی کے عجائب میں غور وفکر کرتے، آسمان پر نظر دوڑاتے، زمین کی وسعتوں، دریاؤں، صحراؤں، دروں اور بیابانوں پر نگاہ ڈالتے اور قدرت ورحمت الٰہی کے ان تمام آثار کے مشاہدہ کے ذریعہ درس عبرت حاصل کرتے ہر چیز کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی یاد

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

میں کھو جاتے انتہائی توجہ اور زیادہ لگن کے ساتھ اس کی عبادت و بندگی میں مشغول ہو جاتے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال ہوگئی تو خدا علیم نے آپ کے قلب مطہر کی جانب نگاہ کی اور آپ کے دل کو سب سے زیادہ روشن، منور، نرم اور بہتر پایا، خداوند کریم نے آسمانوں کے دروازے کھولے جانے کا حکم دیا، پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے آسمانوں کی جانب دیکھتے، پھر خدائے متعال نے فرشتوں کو نازل ہونے کا حکم دیا تو وہ نیچے اتر آئے، پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انھیں بھی دیکھتے، اس کے بعد خداوند متعال نے آسمان کے پردوں میں سے اپنی خصوصی توجہ اور رحمت، پیامبر اکرمؐ کے سر مبارک اور چہرہ انور پر ڈالی اس وقت پیامبر اکرمؐ نے حضرت جرائیل کو دیکھا جو نور کے ایک حصار میں گھرے ہوئے تھے، حضرت جرائیل، حضور اکرم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے بازو کو ہلا کر کہا اے محمدؐ! اقراء "پڑھیے" آپ نے فرمایا:

ما اقراء؟ - "کیا پڑھوں؟" حضرت جرائیلؑ نے کہا:

﴿اقراء باسم ربک الذی خلق، خلق الانسان من علق، اقراء و ربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم﴾ (۱)

"پڑھیے اپنے پروردگار کے نام کے سہارے سے جس نے انسان کو پیدا کیا جمے ہوئے خون سے، پڑھیے اور آپ کا پروردگار نہایت فضل و کرم والا ہے، جس نے تعلیم کا سامان قلم کے ساتھ کیا، انسان کو وہ تعلیم دی جسے وہ نہیں جانتا تھا"

امین وحی نے اپنا پیغام پہنچایا اور آسمان کی جانب پرواز کر گئے، پیامبر اکرمؐ غار حراء سے نیچے تشریف لائے، خداوند متعال کی عظمت و جلالت کا مشاہدہ کرنے کی وجہ سے آپ پر غشی طاری ہوگئی اور بخار میں مبتلا ہو گئے۔

آنحضرتؐ، قریش اور اہل مکہ کی جانب سے جنون کی تہمت، شیطان کے ساتھ رابطہ کا بہتان اور

۱۔ سورہ علق آیت ۱۔۵

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جھٹلائے جانے کی وجہ سے پریشان تھے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عقل مند ترین اور انتہائی باعظمت انسان اور شیطنت و دیوانگی سے دور تھے، اس وقت خداوند متعال نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مزید قوت و طاقت بخشنے کا فیصلہ کیا، اس لیے پہاڑوں اور سنگلاخ چٹانوں کو قوت نطق عطا ہوئی اور جب آپؐ ان کے قریب سے گزرتے تو آپ کا احترام کرنے کے ساتھ پکار اٹھتیں:

"السلام علیک یا محمدؐ السلام علیک یا ولی اللہ، السلام علیک یارسول اللہ" سلام ہو آپ پر اے محمدؐ، اے حبیب خدا مبارک ہو کہ پروردگار دو جہاں نے آپؐ کو اول و آخر تمام مخلوقات سے بہتر، برتر اور باعظمت قرار دیا۔"

قریش کی جانب سے جنون کی تہمت لگائے جانے سے بالکل نہ گھبرائیں کیونکہ بزرگ و برتر وہ ہے جسے خالق کائنات بزرگی عنایت فرمائے، عرب کے سرکشوں اور قریش کی جانب سے تکذیب کئے جانے سے پریشان نہ ہوں، عنقریب خدائے تبارک وتعالی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عظیم مرتبہ پر فائز کریگا(۱)

دوانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

پیامبر اکرمؐ پر نزول وحی کے بارے میں قرآن کریم نے جس بنیادی نکتہ کی جانب اشارہ کیا ہے، افسوس کہ اس کی جانب کسی نے توجہ نہیں کی، وہ یہ کہ تمام مفسرین و محدثین یہ فرماتے ہیں کہ روز بعثت سورہ علق کی پانچ آیات اقراء باسم ربک سے لیکر مالم یعلم تک نازل ہوئیں لیکن کسی نے یہ تحریر نہیں فرمایا کہ اس سورہ کی بسم اللہ الرحمن الرحیم کب نازل ہوئی؟

آیا قرآن کی سب سے پہلی سورۃ میں بسم اللہ تھی یا نہیں؟ اگر تھی تو لکھا کیوں نہیں؟ اگر نہیں تھی تو کیا بعد میں نازل ہوئی؟ یا سلسلہ کوئی اور ہے؟ یہ سب سوالات ہیں جن کا بظاہر کوئی جواب نظر نہیں آتا۔

بہت سی تحقیقات کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ حضرت جبرائیلؑ نے پیامبر اسلامؐ سے یہی

۱۔ بحار الانوار ج۱۸ ص۲۰۵ تا ۲۰۷، تاریخ اسلام علی دوانی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

چاہا تھا کہ سورۃ علق کے شروع میں موجود) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو اپنی زبان مبارک پر جاری فرمائیں، نیز (اقراء باسم ربک) کا مطلب بھی یہی ہے حتی کہ بعض مفسرین کے نزدیک (بسم) میں موجود (باء) زائدہ ہے یعنی اس کا کوئی معنی نہیں ہے صرف کلام کی خوبصورتی کے لئے ذکر کی گئی ہے۔

درحقیقت حضرت جبرائیلؑ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنے کے بعد آنحضرتؐ سے گزارش کی تھی کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھیے، پیامبر اکرمؐ امین وحی سے ہونے والی پہلی روبرو ملاقات میں نام خدا کو پڑھنے کا انداز جاننا چاہتے ہیں اور فرماتے ہیں (ما اقراء ؟) کیا پڑھوں؟ حضرت جبرائیلؑ دوبارہ دہراتے ہوئے کہتے ہیں: بسم اللہ الرحمن الرحیم اقراء بسم ربک الذی ...... یعنی اپنے رب کے نام کے ساتھ پڑھیے اور کہیے: بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

اس سلسلے میں بعض اہم منابع میں چند معتبر احادیث موجود ہیں لیکن مقام افسوس ہے کہ ہمارے مفسرین نے سورۃ اقراء کی تفسیر کے ذیل میں ان احادیث کو ذکر کیوں نہیں کیا؟۔

اول: صادق آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں پیامبر اسلامؐ پر سب سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم، اقراء باسم ربک الذی .... نازل ہوئی۔

دوم: شیخ صدوقؒ امام علی رضا علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ پہلی مرتبہ جب جبرائیلؑ پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئے تو کہا (اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم، اقراء باسم ربک الذی خلق ....)

سوم: صفوان جمال امام صادقؑ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آسمان سے کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی مگر یہ کہ اس کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا ہوا تھا۔

ان اہم احادیث کی روشنی میں یہ عرض کریں گے کہ روز بعثت حضرت جبرائیلؑ پانچ کے بجائے چھے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

آیات لیکر نازل ہوئے جن میں سب سے پہلی آیت بسم اللہ الرحمن الرحیم (۱) تھی۔ (۱۔اصول کافی باب فضل القرآن،عیون اخبار الرضا:۔۔۔محاسن برقی ج ۱ ص ۴۱)

جس کو پڑھنے کی پیامبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گزارش کی گئی تھی یعنی سب سے پہلے بسم اللہ کہو اور نبوت کا آغاز خدا کے نام سے ایسے کرو جیسے خدا چاہتا ہے.

علی بن ابراہیم قمیؒ کی تفسیر کی نقل کے مطابق پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ ما اقراء ، کیا پڑھوں تو حضرت جبرائیلؑ نے دوبارہ کہا بسم اللہ الرحمن الرحیم ، اقراء بسم ربک.....

یعنی خدا کا وہ نام جسے پڑھنے کو تمہیں کہا جارہا ہے یہی بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے،

حضرت جبرائیلؑ کے دہرانے کے بعد پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کو پڑھا اور خود ہمیں بھی حکم دیا ہے کہ بسم اللہ کے بغیر کسی کام کا آغاز نہ کرو۔

باالفاظ دیگر خداوند متعال نے حضرت جبرائیلؑ کے ذریعے پیامبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جس چیز کو زبان پر لانے کو کہا وہ بسم اللہ الرحمن الرحیم تھی اور باقی آیات جیسے ہی امین وحی نے تلاوت کیں وہ آپ کے سینہ میں نقش ہو گئیں اور بقیہ قرآن مجید کی طرح ان کو دہرانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

انقطاع وحی:

سورۂ علق کی ابتدائی آیات نازل ہونے کے بعد کچھ عرصہ تک وحی نازل نہیں ہوئی، تاریخ اسلام میں مذکورہ مدت کو "انقطاع وحی" کہا جاتا ہے، انقطاع وحی کی مدت کا معین کرنا مشکل ہے کیونکہ اس سلسلہ میں بہت زیادہ اقوال نقل ہوئے ہیں جن کے مطابق تین دن سے لے کر تین سال تک پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فرشتہ وحی نازل نہیں ہوا جس کی وجہ سے آپ نہایت غمگین اور پریشان رہے۔

علماء اور مفسرین کے مطابق سورۂ ضحیٰ کی آیات میں اسی جانب اشارہ کیا گیا ہے کہ ﴿والضحی ،واللیل اذا سجی ما ودعک ربک وما قلی وللآخرۃ خیر لک من الاولی ولسوف

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یعطیک ربک فترضی...... ﴾ ترجمہ: قسم ہے ایک پہر چڑھے دن کی، قسم ہے رات کی جب وہ چیزوں کی پردہ پوشی کرے تمہارے پروردگار نے نہ تم کو چھوڑا ہے اور نہ تم سے ناراض ہوا ہے اور آخرت دنیا سے کہیں زیادہ بہتر ہے اور عنقریب تمہارا پروردگار تمہیں اس قدر عطا کریگا کہ خوش ہو جاؤ گے۔

تجزیہ:

سیرت کی تمام کتابوں میں انقطاع وحی کا ذکر ہے اور اس سلسلہ میں روایات بھی پائی جاتی ہیں اور بعض مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی تضاد و تناقض اس حد تک پہنچا ہوا ہے کہ جس کی وجہ سے یہ واقعہ مشکوک ہو جاتا ہے اور یہ محسوس ہوتا کہ بعض راویوں نے سورۂ ضحیٰ کی آیات سے استفادہ کرتے ہوئے یہ داستان گھڑی ہے، ذیل میں چند نکات پیش کرتے ہوئے فیصلہ قارئین کے سپرد کرتے ہیں:

مذکورہ واقعہ کے ضمن میں نقل ہونے والی بعض روایات مندرجہ ذیل ہیں جنہیں پڑھ کے با آسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان روایات کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے نیز اس قسم کی بعض روایات پر تنقید بعثت کی بحث میں گزر چکی ہے لہذا یہاں پر صرف بعض روایات نقل کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

الف: انقطاع وحی کے دوران ایک مرتبہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قدر غمگین ہوئے کہ آپ نے خود کو ثبیر یا جبل النور سے گرا کر اپنی زندگی کے خاتمے کا ارادہ کر لیا(۱)

ب: صحیح بخاری میں ہے کہ چند روز تک جب وحی رک جاتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاتے تھے کہ اپنے آپ کو گرا دیں لیکن جبرائیلؑ نظر آتے اور کہتے کہ اے محمدؐ! تم واقعی خدا کے پیغمبر ہو اس سے آپکو اس وقت تسکین ہو جاتی تھی لیکن پھر وحی کچھ دنوں کے لیے رک جاتی تو پھر آپ کسی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کو اپنے آپ کو گرا دینا چاہتے کہ پھر حضرت جبرائیل نمایاں ہو کر تسکین دیتے کہ آپ واقعی خدا کے پیغمبر ہیں۔(۲)

۱۔ الطبقات الکبریٰ ج۱ ص۱۹۶۔

۲۔ فتح الباری کتاب تعبیر ج۱۲ ص۳۶۸ مصر۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ج: انقطاع وحی کے سلسلہ میں حضرت خدیجہ کے ردعمل کے طور پر دو قسم کی روایات نقل ہوئی ہیں: بعض روایات میں حضرت خدیجہ (س) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دیتی ہیں کہ خدا نے آپ کو برحق مبعوث کیا ہے وہ یقیناً آپ پر اپنی نعمتیں تمام کرے گا اور بعض روایات میں ہے کہ چند روز وحی نازل نہ ہوئی تو جناب خدیجہؑ نے کہا کہ کیا ہوا؟ کہیں تمھارے خدا نے تمہیں چھوڑ تو نہیں دیا؟ ان روایات کے علاوہ اور بھی بہت سی روایات ہیں جن میں مشرکین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طعنہ دیتے ہیں کہ تمھارے خدا نے تمہیں تنہا چھوڑ دیا ہے........

۱۔ انقطاع وحی اس صورت میں صحیح تصور کیا جائے گا کہ جب ایک تسلسل کے ساتھ وحی نازل ہوتی رہی ہو اور دو مرتبہ وحی نازل ہونے کا درمیانی فاصلہ معلوم ہو، اگر اس دوران ایک وقت ایسا آئے کہ مذکورہ وقفہ کی مقدار حد معمول سے بڑھ جائے تو اسے انقطاع وحی کہنا درست ہوگا لیکن اگر ایک مرتبہ وحی نازل ہو اور پھر کچھ عرصہ کے لیے وحی رک جائے تو اسکو انقطاع وحی کہنا دست نہیں ہوگا۔

۲۔ انقطاع وحی کی مدت کے بارے میں مشہور روایت تین سال تک وحی نازل نہیں ہوئی۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ مبعوث ہونے کے تین سال کے بعد تک آنحضرت نے خفیہ دعوت کا آغاز ہی نہیں فرمایا؟ کیونکہ علماء کے نزدیک خفیہ دعوت کا آغاز سورۃ مدثر کی ابتدائی آیات کے نازل ہو کے بعد ہوا جس کا مطلب یہ ہے کہ بعثت کے بعد تین سال تک سوائے حضرت علی علیہ السلام حضرت خدیجہؑ اور حضرت زیدؓ کے کسی نے اسلام کو قبول نہیں کیا۔

☆☆☆

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

دوسری فصل

jabir.abbas@yahoo.com

دعوت سے شعب ابیطالب تک

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

دعوت اسلام

عام طور پر مورخین دعوت اسلام کو دو مرحلوں میں تقسیم کرتے ہیں:

۱۔ خفیہ دعوت۔ ۲۔ اعلانیہ دعوت۔

خفیہ دعوت اسلام: ابتدائے بعثت سے لیکر تقریباً تین سال کے عرصہ پر محیط ہے جس میں آنحضرت عمومی دعوت کے بجائے فرد سازی پر توجہ دیتے ہیں اور انتہائی خاموشی اور مخفیانہ طریقے سے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں، جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کی ایک مختصر سی جماعت اکٹھی ہو جاتی ہے (۱) مسلمانوں کی یہ چھوٹی سی جماعت نماز وغیرہ کی ادائیگی کے لیے دروں اور گھاٹیوں کا رخ کرتی ہے کیونکہ سر عام یہ کام انجام دینا دعوت کے راز سے پردہ اٹھا دینے کے مترادف تھا، ایک مرتبہ چند مسلمان مکہ کے پہاڑوں میں چھپ کر نماز ادا کر رہے تھے کہ ناگہاں قریش کے چند افراد وہاں آنکلے، انھوں نے یہ دیکھ کر مسلمانوں کو برا بھلا کہا جس کے جواب میں سعد بن ابی وقاص نے ایک مشرک کو زخمی کر دیا (۲)۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سب سے پہلا خون تھا جو مسلمانوں کی جانب سے بہایا گیا پیغمبر اکرم کو جب اس حادثہ کی اطلاع ملی تو آپؐ نے ارقم بن ابی ارقم کے گھر کو عبادت کے لیے منتخب فرمایا (۳) اور دعوت اسلام کا سلسلہ جاری رکھا، جس کے نتیجہ میں بہت سے افراد نے خانہ ارقم میں اسلام قبول کیا۔ (۴)

آغاز بعثت سے لیکر دعوت ذوالعشیرہ تک خفیہ دعوت کی خصوصیت یہ بیان کی جاتی ہے کہ اسلام کی دعوت کا سلسلہ انتہائی خاموشی کے ساتھ جاری رہا جس میں نہ قریش کو برا بھلا کہا گیا اور نہ ہی ان کے

۱۔ سیرہ ابن اسحاق ج۱ص ۲۴۵۔۲۵۲

۲۔ تاریخ طبری ج۲ص ۶۱"

۳۔ سیرہ ابن ہشام ج۱ص ۲۶۳

۴۔ انساب الاشراف ج۱ص ۲۱۹

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

خداؤں کونشانہ بنایا گیا لیکن جب تاریخی واقعات پرنظر دوڑائی جاتی ہے تو کچھ شواہد و واقعات ایسے نظر آتے ہیں جن کی روشنی میں دعوت کی مذکورہ تقسیم صحیح نظر نہیں آتی ،ذیل میں چند شواہد کی جانب اشارہ کرتے ہیں جو یقیناًاس حقیقت سے پردہ اٹھانے میں مددگار ثابت ہوں گے۔

اول: تقریباًاکثر منابع اعلانیہ دعوت کا آغاز سورہ حجر کی آیت سے قرار دیتے ہیں:﴿فاصدع بما تؤمر و اعرض عن المشركين﴾(۱)" پس آپ اس بات کا واضح اعلان کردیں جس کا حکم دیا گیا ہےاور مشرکین سے کنارہ کش ہوجائیں" اوراس سے قبل سورہ شعراء کی آیت ﴿وانذر عشيرتك الاقربين﴾ (۲)"اوراس کے نتیجہ میں ہونے والی دعوت ذوالعشیرہ کوخفیہ دعوت کا اختتام قرار دیتے ہیں آیئے اب اس آیات کومدنظر رکھتے ہوئے چند چیزوں کا جائزہ لیتے ہیں:

الف: ترتیب نزول کے اعتبار سے سورہ شعراء سے قبل چھیالیس (۴۶)اورسورہ حجر سے قبل ترپن (۵۳)سورتیں نازل ہوچکی تھیں ،سوال یہ ہے کہ کیا یہ تمام سورتیں مخفی دعوت کے دوران نازل ہوئیں؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب یقیناًنفی میں ہوگا۔

ب: اگر قرآن کا اتنا بڑا مجموعہ خفیہ دعوت کے دوران نازل ہوا ہے تو ان تمام سورتوں میں خفیہ دعوت والا رنگ و بو ہونا چاہیے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ مذکورہ سورتوں میں مشرکین کوخطاب کیا جاتا ہےاوران کے کفر پرملامت کی جاتی ہے حتی کہ خودسورہ حجراورسورہ شعراء کی ابتداء میں اس قسم کی آیات موجود ہیں چنانچہ ارشادرب العزت ہے:

﴿رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ * ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ * وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَعْلُومٌ﴾"ایک دن ایسا آنے

۱۔سورۂ حجرآیت ۹۴

۲۔سورۂ شعراءآیت ۲۱۴

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

آنے والا ہے جب کفار بھی یہ تمنا کریں گے کہ ہم بھی مسلمان ہوتے ،انھیں ان کے حال پہ چھوڑ دو، کھائیں،پئیں اور مزے اڑائیں اور امیدیں انہیں مزے میں ڈالے رہیں عنقریب انہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا،ہم نے کسی آدمی کو ہلاک نہیں کیا مگر یہ کہ اس کے لیے ایک معیاد مقرر کردی تھی"۔(۱)

یہ آیت اور اس سے قبل نازل ہونے والی سورتوں: نمل، قصص، اسراء، یونس، ہود، اور یوسف وغیرہ میں موجود آیات خفیہ دعوت کے ساتھ سازگار نہیں ہیں۔

دوم: حضرت ابوذرؓ کے اسلام قبول کرنے کے سلسلہ میں منقول ہے کہ انھوں نے پیغمبر اکرمؐ کی بعثت کی خبر سنی تو راہی مکہ ہوئے، مکہ پہنچ کر حضرت علیؑ کے مہمان ہوئے حضرت علیؑ، حضرت ابوذر کو دوسروں کی نظر سے بچا کر پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں لائے جہاں حضرت ابوذر نے کلمہ توحید اپنی زبان پر جاری کیا اور دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے ،اسلام قبول کرنے کے بعد مسجد الحرام میں تشریف لائے اور با آواز بلند صدا دی"لا الہ الااللہ محمد رسول اللہ" یہ صدا سنتے ہی مشرکین آپ پر ٹوٹ پڑے اور بے تحاشا مارنا شروع کردیا، یہ منظر دیکھ کر عباس بن عبدالمطلبؓ آگے بڑھے اور انھیں مشرکین سے نجات دلوائی اور قریش کو قبیلہ غفار (حضرت ابوذر کا قبیلہ) کی انتقام جوئی سے ڈرایا اس واقعہ کے بعد حضرت ابوذر پیامبر اکرمؐ کے حکم کے مطابق اپنے قبیلہ میں تبلیغ اسلام کے لیے روانہ ہوگئے۔(۲)

یہ واقعہ بھی "خفیہ دعوت" کے ساتھ سازگار نہیں ہے کیونکہ اگر دعوت خفیہ تھی تو یقیناً حضرت ابوذر کو بتایا گیا ہوگا اور بتائے جانے کے باوجود اس قسم کی خلاف ورزی حضرت ابوذر سے بعید ہے۔

سوم: عفیف کندی کہتے ہیں کہ میں موسم حج میں تجارت کی غرض سے مکہ آیا تو ایک دن عباس بن عبدالمطلب کے ساتھ مسجد الحرام میں بیٹھا تھا کہ دیکھا ایک مرد خانہ کعبہ کے قریب کھڑے ہو کر نماز

۱۔ سورۂ حجر ۲۔۳،۴،۷

۲۔ الطبقات الکبریٰ ج ۴ ص ۲۱۹، الاصابہ ج ۴ ص ۶۲، الاستیعاب ج ۱ ص ۲۱۳

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

میں مشغول ہے، تھوڑی دیر کے بعد ایک خاتون اور ایک بچہ بھی نماز میں شریک ہو گئے، میں نے عباس بن عبدالمطلب سے سوال کیا کہ یہ کونسا دین ہے جسے میں نہیں جانتا؟ عباس بن عبدالمطلب نے کہا یہ میرا بھتیجا محمدؐ بن عبداللہ اور اسکے ہمراہ اسکی زوجہ خدیجہؑ اور چچازاد بھائی علیؑ ہے محمدؐ کا دعوی ہے کہ وہ خدا کا رسول ہے اور عنقریب قیصر و کسری کے خزانے ان کے قدموں میں ہوں گے (۲) یہ واقعہ اور اس جیسے دسیوں واقعات جن میں قریش آنحضرتؐ کے بارے میں مذاق کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ عبدالمطلب کا بیٹا آسمانوں کی باتیں کرتا ہے "خفیہ دعوت" کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتے کیونکہ کسی بھی واقعہ میں ایسے قرائن نظر نہیں آرہے جن کی روشنی میں یہ کہا جا سکے کہ بعثت کے ابتدائی تین سال تک دعوت اسلام خفیہ رہی ہے۔

لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دعوت کے مراحل کو "انفرادی دعوت" اور "اجتماعی دعوت" کا عنوان دیا جائے کیونکہ "انفرادی دعوت" کے مرحلہ میں آنحضرتؐ ایک ایک فرد کو اسلام کی دعوت دے رہے ہیں اور اس دعوت کو عام کرنے پر کسی قسم کی پابندی بھی عائد نہیں فرمارہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ صرف مکہ ہی نہیں بلکہ اطراف کے لوگ بھی آنحضرتؐ کی بعثت و دعوت سے آگاہ ہوتے ہیں چنانچہ حضرت ابوذر کی مکہ آمد، اپنے قبیلہ میں اسلام کی دعوت یا عفیف کندی کی اسلام سے آگاہی اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

اولویت اسلام:

بعثت کے بعد پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انفرادی دعوت کا سلسلہ شروع کیا اور فرد، فرد کو اسلام کی دعوت دی، تاریخی منابع میں اسلام لانے والوں کی ترتیب میں اختلاف پایا جاتا ہے جس کی متعدد وجوہات ہیں من جملہ یہ کہ دعوت اسلام کا پہلا مرحلہ انفرادی تھا جس میں مسلمان بعض اوقات نہ صرف مشرکین بلکہ دیگر مسلمانوں سے بھی اپنا اسلام پوشیدہ رکھتے تھے علاوہ ازاین مذہبی اختلاف، حکومت وخلافت کی خوشنودی وغیرہ بھی ایسے عوامل ہیں جن کی وجہ سے اسلام لانے والوں کی صحیح ترتیب قلمبند نہیں ہو سکی۔

ذیل میں ابتدائی مسلمانوں کی ایک مختصر فہرست ابن اسحاق اور دیگر مؤرخین کے نظریات کی روشنی

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

میں پیش کی جارہی ہے، اس نقطہ کا ذکر لازمی اور ضروری سمجھتے ہیں کہ ابن اسحاق کی پیش کردہ فہرست جس کو عموماً مورخین نے اپنے کتابوں میں جگہ دی ہے دقیق نہیں ہے کیونکہ اس میں حضرت سمیہ، حضرت بلال، حضرت مقداد، حضرت یاسر وغیرہ جیسی شخصیات کا تذکرہ نہیں ہے:

ابن اسحاق۔	ابن ہشام۔	امام سہیلی۔	نویری۔
ا۔علی ابن ابیطالب	☆	☆	☆
۲۔زید بن حارثہ	☆	☆	☆
۳۔ابوبکر	☆	☆	☆
۴۔زبیر بن عوام	۵	۵	۵
۵۔عثمان بن عفان	۴	۴	۴
۶۔طلحہ بن عبیداللہ	۸	۸	۸
۷۔سعد بن ابی وقاص	۷	۷	۷
۸۔عبدالرحمٰن بن عوف	۶	۶	۶
۹۔ابوذر غفاری	۔	۔	۔
۱۰۔ابوعبیدہ بن حارث	۹	۹	۹
۱۱۔ابوسلمہ بن عبدالاسد	۱۰	۱۰	۱۰
۱۲۔عبداللہ بن ارقم	۱۱	۱۱	۱۱
۱۳۔عثمان بن مظعون	۱۲	۱۲	۱۲

نوٹ: ☆ کا نشان دیگر مورخین اور ابن اسحاق کے مشترکہ نظریہ کی علامت ہے۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ابن اسحاق۔	ابن ہشام۔	امام سہیلی۔	نوری۔
۱۴۔ سعید بن زید بن عمرو	۱۶	۱۶	۱۶
۱۵۔ فاطمہ بنت خطاب	۱۷	۱۷	۱۷
۱۶۔ اسماء بنت ابی بکر	۱۸	۱۸	۱۸
۱۷۔ عائشہ بنت ابی بکر	۱۹	۱۹	۱۹
۱۸۔ قدامہ بن مظعون	۱۳	۱۳	۱۳
۱۹۔ عبداللہ بن مظعون	۱۴	۱۴	۱۴
۲۰۔ خباب بن ارت	☆	☆	☆
۲۱۔ عمیر بن ابی وقاص	☆	☆	☆
۲۲۔ عبداللہ بن مسعود	☆	☆	☆
۲۳۔ مسعود بن قاری	☆	☆	☆
۲۴۔ سلیط بن عمرو	☆	☆	☆
۲۵۔ عیاش بن ابی ربیعہ	☆	☆	☆
۲۶۔ اسماء بنت سلامہ	☆	☆	☆
۲۷۔ خنیس بن حذافہ	☆	☆	☆
۲۸۔ عامر بن ربیعہ	☆	☆	☆
۲۹۔ عبداللہ بن جحش	☆	☆	☆
۳۰۔ ابواحمد بن جحش	☆	☆	☆
۳۱۔ جعفر بن ابیطالب	☆	☆	☆

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ابن اسحاق۔	ابن ہشام۔	امام سہیلی۔	نویری۔
۳۲۔اسماء بنت عمیس	☆	☆	☆
۳۳۔حاطب بن حارث جمحی	☆	☆	☆
۳۴۔اسماء بنت مجلل	☆	☆	☆
۳۵۔خطاب بن حارث	☆	☆	☆
۳۶۔فکیہہ بنت یسار	☆	☆	☆
۳۷۔معمر بن حارث	☆	☆	☆
۳۸۔سائب بن عثمان بن مظعون	☆	☆	☆
۳۹۔مطلب بن ازہر زہری	☆	☆	☆
۴۰۔رملہ بنت ابی عوف	☆	☆	☆(۱)

☆☆☆

مسلم اول شیر مرداں علی علیہ السلام :

اسلام عین فطرت اور فطرت عین اسلام ہے۔"کل مولود یولد علی الفطرۃ "ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے،فطرت پر پیدا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہر بچہ خواہ مسلمان کے گھر پیدا ہو یا کافر کے گھر جنم لے، پرستار توحید کے گھر آنکھ کھولے یا ستارہ پرست کے یہاں، سرزمین اسلام میں پیدا ہو یا بلاد کفر میں جنم لے، اصل خلقت وفطرت کے لحاظ سے مسلمان ہوتا ہے اور جب تک کافر ماں باپ اور غیر مسلم معاشرے کے عقائد وافکار کا سایہ نہیں پڑتا وہ مسلمان ہی رہتا ہے۔

ا تاریخ صدر اسلام ص ۲۲۹۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جب کافر ماں باپ اور غیر مسلم معاشرے کے افکار و آراء اور غیر اسلامی نظریات اس پر اثر انداز ہوتے ہیں تو وہ ان سے متاثر ہو کر وہی راستہ اختیار کرتا ہے جو اس معاشرہ و ماحول سے سازگار ہوتا ہے اور شاہراہ فطرت سے بے راہ روی کا شکار ہو کر اپنے ہی ماں باپ کی راہ پر چل پڑتا ہے اور انہی کا دین و مذہب اختیار کر لیتا ہے

اگر کسی بچے کو فطرت سے سازگار ماحول مل جائے تو وہ اسی فطرت پر باقی رہتا ہے اور ظاہراً و باطناً مسلمان شمار ہوتا ہے حضرت علی علیہ السلام دین فطرت پر پیدا ہوئے اور ایسے ماحول میں تربیت پائی جو پوری طرح فطرت سے ہم آہنگ تھا، حضرت علی علیہ السلام خود فرماتے ہیں:

"ولدت علیٰ الفطرة وسبقت الیٰ الایمان والھجرة "

''میں دین فطرت پر پیدا ہوا اور ایمان و ہجرت میں سبقت لے گیا''

لہذا جس کی ولادت اسلام پر اور تربیت بانی اسلام کے زیر سایہ ہو اور تمام اعمال و افعال میں پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تابع رہا ہو اسے قانون فطرت اور حکم تربیت کی رو سے ایک لمحے کے لئے بھی کافر و مشرک تصور نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس کے بارے میں اس سوال کی کوئی گنجائش ہے کہ وہ کب اسلام لائے اور کس عمر میں مسلمان ہوئے، ایک مرتبہ سعید ابن مسیب نے امام زین العابدین علیہ السلام سے پوچھا کہ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کس عمر میں ایمان لائے تھے؟ تو آپؑ نے فرمایا:

او کان کافر قط انما کان لعلی حیث بعث اللہ تعالیٰ رسولہ اللہ عشر سنین ولم یکن یومئذ کافراً ! کیا وہ کبھی کافر بھی رہے ہیں جو یہ پوچھتے ہو البتہ جب اللہ تعالیٰ نے پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو ان کی عمر دس برس تھی اور وہ اس وقت بھی کافر نہیں تھے۔

اولیت اسلام کا سوال تو ان لوگوں کے بارے میں پیدا ہوتا ہے جو کافر و مشرک رہے ہوں اور پھر کفر و شرک کے دائرے سے نکل کر حلقہ اسلام میں داخل ہوئے ہوں، جو کبھی کفر و شرک سے آشنا ہی نہ ہوا ہو اس کے بارے میں تو یہ سوال ہی بے معنی ہے، حضرت علیؑ کو اگر سابق الاسلام یا اول مسلم کہا جاتا ہے تو اس

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اعتبار سے کہ انھوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث بہ رسالت ہونے کے بعد سب سے پہلے اقرار نبوت و تصدیق رسالت کرتے ہوئے اظہار اسلام کیا ورنہ دعوت اسلام کے موقع پر حضرت علی علیہ السلام اسی مذہب وملت پر تھے جس پر بعثت سے پہلے پیامبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔

چند شواہد:

بعض متعصب مورخین نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی سابقیت الی الاسلام اور اولیت کو مشکوک قرار دینے کی ناکام کوشش ہے یہ صرف اور صرف ان کے باطنی بغض و کینہ کی علامت ہے، چند شواہد پیش کرنے کے علاوہ ہم اپنے قارئین کو کتاب الغدیر کی جلد ۳ کے مطالعہ کی دعوت دیں گے جس میں علامہ امینیؒ نے بڑے بڑے اصحاب، تابعین اور بزرگان کے اقوال غیر شیعہ منابع سے نقل کئے ہیں جن میں اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام ہی سب سے پہلے مسلمان ہیں۔

اول: امیر المومنین علیہ السلام نے مختلف مواقع پر اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ پیامبر اکرمؐ کے ہمراہ نماز پڑھنے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام لانے میں کسی نے سبقت نہیں کی اور میں اپنے علاوہ کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس نے دوسروں کی نسبت سات سال پہلے نماز پڑھی ہو(۱)

دوم: نبی اکرمؐ سے منقول صحیح السند احادیث میں سے ایک حدیث یہ ہے کہ آپ نے فرمایا:

اولکم وروداً علی الحوض، اولکم اسلاما علی ابن ابی طالبؑ (۲)

''سب سے پہلے جو شخص حوض کوثر پر آئیگا وہ وہی ہے جو سب سے پہلے اسلام لایا یعنی علی ابن ابی طالبؑ'' ایک اور مقام پر فرمایا:

انه لاول اصحابی اسلاما واقدم امتی سلما یعنی میرے اصحاب میں علی علیہ السلام پہلے

۱۔الصحیح من سیرة النبی الاعظمؐ۔ جعفر مرتضی عاملی ج۲ص ۳۲۰۔۳۲۱

۲۔مستدرک حاکم ج۳ص۱۳۶ تاریخ بغداد ج۲ص۸۱، الاستیعاب ج۳ص۲۸ سیرہ حلبیہ اور الصحیح من سیرة النبی الاعظم ج۲ص۳۱۹۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پہلے مسلمان یا میری امت میں علی علیہ السلام سب سے پہلے اسلام لائے۔(۱) ایک اور جگہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ھذا اول من آمن بی وصدقنی وصلی معی سب سے پہلے مجھ پر ایمان لانے، میری تصدیق کرنے اور میرے ساتھ نماز پڑھنے والا شخص یہ (علیؑ) ہے۔

سوم: جنگ صفین اور مختلف مقامات پر امیر المومنین علیہ السلام کے حامی اصحاب و تابعین حضرت علی علیہ السلام کی اس فضیلت کا تذکرہ بہت زیادہ کرتے تھے اور اس کے ذریعے آپ علیہ السلام کی فضیلت پر استدلال کرتے اس استدلال کے جواب میں دشمنوں کی خاموشی اور سکوت اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت اور معاویہ کے تخت نشین ہونے سے پہلے تک آپ کی اولیت الی الاسلام متفق علیہ تھی اور اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں تھی۔

والسابقون السابقون:

مذکورہ دلائل وشواہد کی روشنی میں حضرت علی علیہ السلام کی سبقت واولیت میں کسی شک وشبہ اور اختلاف کی گنجائش نہیں ہونا چاہیے تھی مگر جب کچھ لوگوں پر حضرت علیہ السلام کی یہ فضیلت کھلی تو انہوں نے سن وسال کے اختلاف اور دوسرے اعتبارات سے سبقت کو تقسیم کرکے دوسروں کے لئے بھی سبقت کی گنجائش پیدا کرنے اور ایک مسلمہ حقیقت کو اختلافی مسئلہ بنانے کی کوشش کی ہے۔

چنانچہ یہ کہا جاتا ہے کہ آزاد مردوں میں ابوبکر، بچوں میں حضرت علی علیہ السلام، عورتوں میں حضرت خدیجہؑ اور غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے گروہ میں سابق ہے، اس تفصیل سے سابقیت کے خدوخال نکھرنے کے بجائے مزید دھندلا کر رہ گئے، اس تقسیم کا مطلب تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام کی اس فضیلت پر شکوک وشبہات کے پردے ڈال کر اور آپؑ کی سابقیت واولیت کو مشکوک بنا کر کسی اور کو سابق الاسلام یا کم از کم سبقت میں شریک کیا

۱۔ الغدیر ج ۳ ص ۹۵-۹۴، مسند احمد حنبل ج ۵ ص ۲۶، الاستیعاب ج ۳ ص ۳۶، الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم ج ۲ ص ۲۶۹

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جائے مگر یہ نظریہ خود دعویٰ کی کمزوری اور دلیل سے تہی دامنی کا غماز ہے۔ اس لیے کہ:

ا۔ اگر کسی اور کی اولیت وسابقیت مسلم ہوتی تو پھر اس پر دعویٰ اجماع کیا جاتا، دلائل پیش کیے جاتے اور سبقت کو بلحاظ سن وسال تقسیم کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی جاتی۔

۲۔ حضرت علی علیہ السلام کو بچوں میں سابق الاسلام قرار دینا ایک بے معنی سی بات ہے، کیا اس دور میں ان بچوں کی نشاندہی کی جاسکتی ہے کہ وہ بچے کون تھے اور کن کے تھے جو اسلام لائے؟ جب بڑے ہی مسلمان نہ ہوئے تھے تو بچوں نے کہاں اسلام قبول کرنا تھا، لہذا جب کوئی بچہ اسلام لایا ہی نہیں تھا تو وہ بچے کہاں سے آئیں گے جن پر علی علیہ السلام کو سابق قرار دیا جا رہا ہے؟ اور بغیر مسبوق کے کسی کو سابق کہنا بے معنی سی بات ہے!

۳۔ اگر بالفرض یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ ابوبکر بالغ مردوں میں سب سے پہلے اسلام لائے تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ ابوبکر حضرت علی علیہ السلام سے بھی پہلے اسلام لائے، اس لیے کہ حضرت علی علیہ السلام بالغ مردوں کی صف میں نہیں آتے اور ابوبکر کو بالغ مردوں میں سابق قرار دیا گیا ہے البتہ یہ نظریہ بھی محل نزاع ہے کہ ابوبکر بالغ مردوں میں سب سے پہلے اسلام لائے یا بالغ مردوں میں سے کوئی اور بھی ان سے پہلے ایمان لا چکا تھا۔

تاریخ تو یہ بھی تسلیم نہیں کرتی کہ ابوبکر بالغ مردوں میں سب سے پہلے اسلام لائے، بعید نہیں یہ نظریہ معاویہ کے دور حکومت میں گھڑا گیا ہو کیونکہ معاویہ نے اپنے دور حکومت میں تمام حکام کو یہ حکم دیا تھا کہ حضرت علی علیہ السلام کے فضائل کے مقابلے میں دیگر اصحاب (خصوصاً شیخین) کے لئے بھی ویسے ہی فضائل گھڑے جائیں اور جن افراد سے ابوبکر کے مسلم اول ہونے کی بات منسوب کی گئی ہے ان میں سے بیشتر افراد نے امیر المومنین علیہ السلام کو مسلم اول قرار دیا ہے اور یہ احادیث سند کے لحاظ سے ان احادیث کی نسبت جو ابوبکر کے حق میں ان سے منسوب کی گئی ہیں معتبر اور زیادہ مشہور ہیں۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۴۔ حضرت ابوذر اور عمرو بن عنبسہ کی روایت کے مطابق یہ دونوں اسلام کا چوتھائی حصہ ہیں اور حضرت بلال، ابوبکر سے پہلے ایمان لائے اس روایت میں حضرت علیؑ اور حضرت خدیجہؓ کا کہیں ذکر ہی نہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت بلال حضرت علیؑ اور حضرت خدیجہؓ سے بھی پہلے اسلام لائے اور یہ حقیقت کے برعکس ہے پس اگر حضرت علیؑ، حضرت خدیجہؓ، حضرت بلالؓ اور عمر بن عنبسہ پہلے اسلام لانے والے ہیں تو پھر جناب ابوبکر کا اسلام کہاں جائے گا؟!

۵۔ مزید یہ کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں جہاں خلافت کے حصول کے لئے ابوبکر، عمر اور ان کے دوسرے ہمنواؤں نے دلائل پیش کئے کسی نے بھی مذکورہ فضیلت کا تذکرہ نہیں کیا، خود جناب ابوبکر جنہیں وہاں پر اس قسم کی فضیلت کی اشد ضرورت تھی صرف قریشی، مہاجر، بن رسیدہ اور یار غار ہونے پر اکتفا کرتے ہیں، یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جس کا خود ابوبکر نے بھی ادعا نہیں کیا۔

۶۔ بالغ مردوں میں جناب ابوبکر کے سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کے سلسلے میں محمد ابن سعد نے اپنے والد سعد بن ابی وقاص سے جو کبار صحابہ اور عشرہ مبشرہ میں شمار ہوتے ہیں، سوال کیا: "اکان ابو بکر اولکم اسلاماً؟ فقال لا ولقد اسلم قبلہ اکثر من خمسین. (۱)

"کیا آپ لوگوں میں ابوبکر اسلام کے لحاظ سے سابق تھے؟ کہا نہیں بلکہ پچاس سے زیادہ آدمی ان سے پہلے اسلام لا چکے تھے" اس روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے دار الارقم سے نکلنے کے بعد اسلام قبول کیا کیونکہ آپؐ جب وہاں سے نکلے تو مسلمانوں کی تعداد صرف چالیس تھی۔

۷۔ ابوبکر کے سابق الی الاسلام ہونے کا سوال اس وجہ سے بھی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ وہ بعثت رسولؐ کے موقعہ پر مکہ میں موجود ہی نہیں تھے بلکہ یمن گئے ہوئے تھے چنانچہ خود ابوبکر کہتے ہیں: فقدمت مکة وقد بعث النبیؐ فجاء لی عقبة ابن معیط، شیبة وربیعة وابو جهل وابو البختری

۱۔ البدایہ والنھایہ ج ۳ ص ۲۸، تاریخ طبری ج ۲ ص ۶۰۔ الصحیح من سیرۃ النبی الاعظمؐ ج ۲ ص ۳۲۸

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

وصناديد القريش فقلت لهم هل نابتكم فائة او ظلم فيكم امر قال يا ابا بكر اعظم الخطب يتيم ابى طالب يزعم انه نبى مرسل۔ جب میں مکہ واپس آیا اس وقت نبی اکرمؐ مبعوث برسالت ہو چکے تھے عقبہ ابن معیط شیبہ، ربیعہ، ابوجہل، ابوالبختری اور دیگر سرداران قریش میرے پاس آئے میں نے ان سے پوچھا تم پر کوئی افتاد پڑی ہے؟ انہوں نے کہا اے ابوبکر سب سے اندوہناک خبر یہ ہے کہ یتیم ابوطالب یہ گمان کرنے لگا ہے کہ وہ اللہ کا بھیجا ہوا نبی ہے۔

مذکورہ روایت سے بھی یہی ظاہر ہو رہا ہے کہ ابوبکر کا قبول اسلام انفرادی دعوت کے اختتام، دعوت ذوالعشیرہ اور قریش کی کھلم کھلا مخالفت کے بعد ہوا ہے۔

بلوغ کا شاخسانہ:

کچھ متعصب اور تنگ نظر افراد کو حضرت علیؑ کی سبقت سے انکار کی گنجائش نظر نہ آئی تو انہوں نے بلوغ کا شاخسانہ کھڑا کر کے اس سبقت کا پلہ سبک کرنا چاہا کہ علیؑ صغیر السن اور نابالغ تھے اور انہوں نے صرف اپنے مربی کے زیر اثر اسلام قبول کیا اس میں اگر سبقت ہو بھی تو باعث امتیاز و فضیلت نہیں ہو سکتی کیونکہ صغیر السن کا اسلام علم و تحقیق پر مبنی نہیں ہوتا بلکہ بزرگوں کی پیروی اور تقلید کے نتیجے میں ہوتا ہے اور جن لوگوں نے بالغ ہونے کے بعد اسلام قبول کیا ان کا اسلام تحقیق و حقیقت رسی پر مبنی تھا اور تحقیقی اسلام تقلیدی اسلام سے بہر حال بہتر و بلند تر ہے لہذا اس دور کے مسلمانوں نے اگرچہ حضرت علیؑ کے بعد اسلام قبول کیا مگر تحقیق کی بنیاد پر حضرت علیؑ کے اسلام سے زیادہ بلند پایہ تھا! کہنے کو تو یہ کہہ دیا مگر یہ سوچنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی کہ

اوّلاً: بلوغ کا تعلق صرف احکام شرعیہ سے ہے یعنی اگر بچہ بالغ ہو جائے تو اس پر نماز روزہ کا بجالانا واجب ہے نیز بلوغ کا مسئلہ ہجرت کے بعد اس وقت پیش آیا جب جنگ خندق کے دوران ابن عمر کو جنگ سے واپس بھیجنے یا نہ بھیجنے کی بات ہوئی، ورنہ اس سے پہلے احکام شرعیہ میں بھی فقط سوجھ بوجھ ہی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

معیار تھی۔(۱)

ثانیاً: ایمان کا تعلق عقل و شعور سے ہے اور عقل و شعور بلوغ سے وابستہ نہیں ہیں اور نہ ہی عدم بلوغ کمال شعور و خرد کے منافی ہے چنانچہ کبھی نابالغ بچے مردوں سے زیادہ باشعور و بافہم ہوتے ہیں، اسی کمال و شعور کی بناء پر حضرت یحییٰ کے بارے میں ارشاد باری ہے:

﴿و اتیناہ الحکم صبیاً﴾ (۲)

"وہ بچے ہی تھے کہ ہم نے انہیں حکم و فہم سلیم عطا کیا اور حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں ہے کہ انہوں نے گہوارے کے اندر سے کہا:

﴿انی عبداللہ اتانی الکتاب و جعلنی نبیاً﴾ (۳)

"میں خدا کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے،، یہاں شعور اپنے عروج پر نظر آتا ہے حالانکہ بلوغ کی منزل ابھی بہت دور تھی، امیرالمومنینؑ اگرچہ سن کے اعتبار سے نابالغ تھے مگر عقل و شعور کا جوہر اسی سے نمایاں ہے کہ انہوں نے صغر سنی میں اللہ کے علاوہ کسی کو اپنا معبود نہیں بنایا اور نہ ہی کسی کے سامنے سجدہ ریز ہوئے، (لم یعبد الاوثان قط لصغرہ) (۴) علی نے بچپن میں بھی کبھی بتوں کی پوجا نہیں کی حالانکہ اس وقت بالغ و سن رسیدہ افراد اپنی بے شعوری کا مظاہرہ کرتے ہوئے بے جان پتھروں کو اپنا دیوتا سمجھتے اور ان سے مرادیں مانگتے تھے، اگر بلوغ کے ساتھ ان میں عقل و شعور بھی ہوتا تو وہ نہ تراشیدہ پتھروں کی پرستش کرتے اور نہ ہی بے شعور بتوں سے حاجت طلبی کرتے۔

۱۔ الصحیح من سیرۃ النبی الاعظمؐ ج ۲ ص ۳۲۲

۲۔ سورہ مریم آیت ۱۲

۳۔ سورہ مریم ۳۰

۴۔ تاریخ خلفاء ص ۱۷۷

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ایک قدم اور:

یہ پھر بھی ایک حد تھی کہ بچپن کے ایمان کو بلوغ کے ایمان کے مقابلہ میں پست کرنا چاہا تھا مگر ابو عثمان جاحظ، ابن تیمیہ اور ان کے ہم مسلک افراد نے تو صغر سنی کی بنا پر حضرت علی علیہ السلام کے ایمان کو پایہ اعتبار ہی سے گرا دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ عدم بلوغ کی بناء پر انہیں حکم اسلام کا مورد قرار ہی نہیں دیا جاسکتا یعنی اسلام لانے کے باوجود غیر مسلم ہی رہے، یہ نواصب کا عقیدہ ہے جن کا دماغ بغض علی میں ڈوب کر سوچتا ہے، جن کی فکر خاندان اہل بیت کی دشمنی میں پروان چڑھتی ہے، جن کا دل علی علیہ السلام کے حسد و کینہ سے معمور اور جن کی زبان ہمیشہ آل نبی کے خلاف زہر اگلتی ہے، اگر ایسا ہی ہے جیسا ان کا خیال ہے تو کیا پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دعوت دی تھی یا وہ از خود ایمان لے آئے تھے؟ اگر وہ از خود ایمان لے آئے تو انہیں یہ کیونکر معلوم ہوا کہ پیامبر گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز پر لبیک کہنا ضروری اور ان پر ایمان لانا واجب ہے؟

اگر پیامبر اکرمؐ نے انہیں دعوت دی اور ان کا اسلام قابل قبول نہ تھا تو انہیں اسلام کی دعوت کیوں دی؟ اور ان کے اسلام کو قبول کیوں فرمایا؟ ظاہر ہے نبی اکرمؐ نے ان کے اسلام کو صحیح سمجھتے ہوئے اسلام کی دعوت دی ہوگی اور اگر ایمان کے لئے بلوغ کی شرط ہوتی تو پیامبر اکرمؐ کبھی انہیں اسلام کی دعوت نہ دیتے کیونکہ وہ اسلام معتبر ہی شمار نہ ہوتا لہذا اگر دعوت اسلام صحیح ہے تو علیؑ کے ایمان کو بھی صحیح و معتبر ماننا پڑے گا۔ اور اگر دعوت اسلام صحیح نہیں ہے تو علی علیہ السلام کے ایمان کا جائزہ لینے کے بجائے اپنے اسلام کا جائزہ لینا ہوگا۔

دعوت ذوالعشیرہ:

انفرادی دعوت کا مرحلہ سورہ شعرا کی آیت ﴿وانذر عشیرتک الاقربین﴾ کے نزول کے بعد اجتماعی صورت اختیار کر گیا اور اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ سب سے پہلے اپنے قبیلہ و خاندان کو اسلام کی دعوت دیں چنانچہ اس سلسلہ میں دی جانے والی دعوت کا واقعہ تاریخی کتابوں میں حدیث دار کے نام سے معروف ہے حدیث دار یا دعوت ذوالعشیرہ کے سلسلہ میں متعدد روایات منابع کے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

دامن میں موجود ہیں ذیل میں صرف مشہور روایات کا ذکر کرتے ہوئے گفتگو آگے بڑھائیں گے۔

امیر المومنین حضرت علیؑ سے منقول ہے کہ جب آیت ﴿ وانذر عشیرتک الاقربین ﴾ نازل ہوئی تو پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بلایا اور فرمایا اے علی علیہ السلام اللہ تعالی نے مجھے حکم دیا ہے کہ اپنے قریبیوں کو اسلام کی دعوت دو تم تھوڑی سی گندم کی روٹی، بھیڑ یا بکرے کی ران اور دودھ کا ایک برتن تیار کرو اور اولاد عبد المطلبؑ کو کھانے کی دعوت دو تا کہ میں ان کے ساتھ گفتگو کروں اور وظیفہ رسالت انجام دوں حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ میں نے فرمان رسالت کے مطابق غذا کا بندوبست کیا اور سب کو دعوت دی جن کی تعداد چالیس افراد تھی اور ان میں آنحضرتؐ کے چچا ابوطالب، عباس حمزہ اور ابولہب بھی شریک تھے آنحضرتؐ نے کھانا لانے کا حکم دیا، کھانا لایا گیا تو آپؐ نے ذرا سا چکھ کر حاضرین سے کہا کہ اللہ کا نام لے کر کھاؤ سب نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا لیکن ظرف میں موجود کھانے میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی حالانکہ پورے کھانے کی مقدار ایک آدمی کی غذا سے زیادہ نہیں تھی کھانا کھانے کے بعد سب نے سیر ہو کر دودھ پیا مگر دودھ میں بھی کمی واقع نہیں ہوئی حالانکہ دودھ کی مقدار بھی ایک آدمی کی خوراک سے زیادہ نہیں تھی۔

خورد ونوش کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گفتگو کرنا ہی چاہتے تھے کہ ابولہب بول پڑا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جادو کیا ہے کہ وہ غذا جو ایک آدمی کے لیے کم تھی، چالیس آدمیوں کے کھا لینے کے باوجود بھی بچ گئی ہے ابولہب کی باتوں کی وجہ سے لوگ چلے گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گفتگو نہ فرما سکے، دوسرے روز پیامبر اکرمؐ نے فرمایا اے علی علیہ السلام کل ابولہب کی وجہ سے لوگ چلے گئے تھے لہذا آج تم پھر کل کی طرح کھانا تیار کرو اور سب خاندان والوں کو دعوت دو، دوسرے دن جب لوگ کھانا کھا چکے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے نہیں معلوم کوئی شخص اپنی قوم کے لیے مجھ سے بہتر چیز لایا ہو، میں تمہارے لیے دنیا و آخرت کی بھلائی لایا ہوں، خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم لوگوں کو اس کے دین کی طرف دعوت دوں پس تم میں سے کون ہے جو خدا کے دین کے سلسلہ میں میری نصرت و مدد کرے تا کہ میرا وصی، وزیر اور جانشین قرار پائے؟

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں یہ اعلان سن کر سب خاموش ہو گئے میں نے کھڑے ہو کر کہا اے اللہ کے رسول میں اس راہ میں آپ کا یاور و مددگار بنوں گا، پیغمبر اکرمؐ نے اپنی بات دوبارہ دہرائی مگر ماحول پر سکوت طاری رہا، میں نے پھر اپنے کلمات دہرائے تو آنحضرتؐ نے اپنا ہاتھ میرے کندھے پر رکھ کر فرمایا: یہ میرا بھائی، وزیر اور جانشین ہے اس کی بات توجہ سے سنو اور اس کی اطاعت کرو۔

امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں پیامبر اکرمؐ کی گفتگو مکمل ہونے کے بعد لوگ مسکراتے ہوئے جانے لگے اور میرے والد بزرگوار سے کہنے لگے کہ تمھیں حکم دیا گیا ہے کہ اپنے بیٹے کی اطاعت کرو۔(۱)

بہت سے تاریخی واقعات کی طرح دعوت ذوالعشیرہ یا حدیث دار کو بھی توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی کوشش کی گئی جس کی واضح مثال تفسیر طبری ہے چنانچہ تاریخ طبری میں وہی مشہور روایت ہے جسے ہم نے ذکر کیا ہے جبکہ تفسیر طبری میں اخی، وصی و خلیفتی یعنی بھائی، وصی اور جانشین کے الفاظ ہٹا کر کذا و کذا کے الفاظ رکھ دیے جاتے ہیں گویا پیغمبر اکرمؐ فرما رہے ہیں کہ تم میں سے کون ہے جو خدا کے دین کے سلسلہ میں میری نصرت و مدد کرے اور جو شخص اس سلسلہ میں میری مدد کرے گا وہ ''یہ وہ'' یا ''ایسے ایسے'' ہوگا؟! طبری کی تفسیر میں تحریف کے مرتکب ہونے والے افراد روایت کے بعد والے جملوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، جس میں آنحضرتؐ، حضرت علیؑ کی بات سننے اور انکی اطاعت کی تاکید فرماتے ہیں اور در حقیقت روایت میں ان دو جملوں کی موجودگی، کذا کذا کے ذریعہ چھپائے گئے تمام لفظوں کو عیاں کرنے کے لیے کافی ہے۔

تفسیر طبری سے بھی زیادہ دلچسپ صورتحال مسند احمد بن حنبل میں نظر آتی ہے جس کے مطابق دعوت ذوالعشیرہ کے روز پیامبر اکرمؐ نے اولاد عبدالمطلب کو اکھٹا کیا اور انکے لیے تقریباً ایک کلو طعام مہیا کیا حالانکہ انکے درمیان ایسے افراد بھی موجود تھے جو کھانے میں ایک جوان اونٹ اور دودھ کا بڑا برتن پیا کرتے

۱۔ بحارالانوار ج۱۸ ص۱۹۱۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تھے سب نے سیر ہو کر کھانا کھایا اور دودھ پیا مگر کھانا پھر بھی بچ رہا، اس کے بعد پیامبر اکرمؐ نے فرمایا اے اولاد عبدالمطلبؑ میں خاص طور پر تمھارے اور عام طور پر تمام لوگوں کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں اور یہ معجزہ الٰہی آج تم نے دیکھا ہی ہے پس تم میں سے کون ہے جو میری بیعت کرے تا کہ میرا بھائی اور دوست قرار پائے؟ کسی نے جواب نہیں دیا حضرت علیؑ کہتے ہیں میں کھڑا ہو گیا حالانکہ سب سے کم سن تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: علیؑ بیٹھ جاؤ، تین مرتبہ پیامبر اکرمؐ نے اپنی بات دہرائی مگر سب کی خاموشی کے جواب میں صرف میں کھڑا ہوا، تیسری بار پیامبر اکرمؐ نے میرے ہاتھ پر ہاتھ مارا(۱)۔

مذکورہ روایت میں پوری کوشش کی گئی ہے کہ حضرت علیؑ کی فضیلت کا کوئی پہلو عیاں نہ ہو چنانچہ دیکھتے ہیں کہ پیامبر اکرمؐ تین مرتبہ حضرت علیؑ کو بیٹھنے کا حکم دیتے ہیں اور جب حضرت علیؑ کے علاوہ کوئی شخص لبیک نہیں کہتا تو آنحضرتؐ بادل نخواستہ صرف حضرت علیؑ کے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہیں! مذکورہ موارد کے علاوہ روایت کی ابتداء میں اس قسم کی مبالغہ آرائی کی جاتی ہے جو کسی بھی ذی شعور کے حلق سے نہیں اترتی کہ بنی ہاشم میں بعض افراد ایسے بھی تھے جو جوان اونٹ کھا جایا کرتے تھے! اور پھر حدیث دار کا مقصد ایک ایسی دوستی سے روشناس کروانا گردانا جاتا ہے کہ جس سے بنی ہاشم پہلے سے آگاہ تھے، اس قسم کے قرائن کو مدنظر رکھتے ہوئے با آسانی تاریخ اور فضائل اہل بیت سے مربوط واقعات پر ہونے والے ظلم وستم اور تحریفات کو سمجھا جا سکتا ہے۔

اعلانیہ "اجتماعی" دعوت کا آغاز:

بعثت سے اعلانیہ "اجتماعی" دعوت تک پیغمبر اکرمؐ نے فرد سازی کی جانب خصوصی توجہ دی اور اعلانیہ دعوت سے پہلے مسلمانوں کی ایک قابل قدر جماعت تشکیل دی جو مکہ کے مختلف قبائل وطبقات کے افراد پر مشتمل تھی، مذکورہ جماعت اعلان رسالت کی صورت میں ایک حد تک اسلام اور پیغمبر اکرمؐ کا دفاع تو

۱۔ مسند احمد بن حنبل ج۱ص ۱۵۹۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کر سکتی تھی لیکن مکہ میں کسی مضبوط پناہ گاہ کے نہ ہونے کے باعث قریش اور دیگر قبائل سے زیادہ دیر تک دشمنی مول نہیں لے سکتی تھی، اسی لیے خداوند متعال کی جانب سے مضبوط پناہ گاہ کے حصول کے لیے انذار عشیرہ کا حکم نازل ہوا ﴿وانذر عشیرتک الاقربین﴾ "اپنے قریبیوں کو انذار کرو" کیونکہ عرب معاشرہ قبیلہ کی اکائیوں سے تشکیل پاتا تھا، جس میں انفرادی و اجتماعی معاملات قبیلہ کی سطح پر طے پاتے تھے، دعوت ذوالعشیرہ کے موقعہ پر پیغمبر اکرمؐ نے دعوت اسلام کو قبیلہ کی سطح پر پیش کیا جس کے نتیجے میں اگرچہ تمام بنی ہاشم نے اعلان اسلام نہیں کیا لیکن قبائلی تعصب اور خونی رشتہ داری کے حوالے سے تمام بنی ہاشم سوائے ابولہب کے، پیغمبر اکرمؐ کے لیے ایک مضبوط پشت پناہ کی حیثیت اختیار کر گئے۔

مضبوط پناہ گاہ کی فراہمی کے بعد خداوند حکیم کی جانب سے پیغمبر اکرمؐ پر وحی نازل ہوئی:

﴿فاصدع بما تؤمر و اعرض عن المشرکین انا کفیناک المستهزئین﴾

"جس بات کا تمھیں حکم دیا گیا ہے اسے ظاہر و آشکار کردو اور مشرکین سے پہلو تہی کرو، بے شک ہم مسخرہ کرنے والوں کے شر کو تم سے دور کردیں گے" (۱)

خداوند متعال کی جانب سے اعلانیہ دعوت اسلام کی تبلیغ کا حکم پا کر پیامبر اکرمؐ، کعبہ کے قریب واقع کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور ایک اونچے پتھر پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے "یا صباحاہ" کا نعرہ لگایا، یہ جملہ عموماً خطرناک صورت حال کے پیش نظر یا انتہائی اہم خبر سنانے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ "یا صباحاہ" کی صدا سن کر کعبہ اور اس کے اردگرد موجود افراد پیامبر اکرمؐ کے پاس سمٹتے چلے آئے، لوگوں کے اکٹھا ہو جانے کے بعد پیامبر اکرمؐ نے فرمایا:

ان الرائد لایکذب اهله ... والله الذی لا اله الا هو انی رسول الله الیکم خاصة والی الناس عامة ، والله لتموتن کما تنامون ولتبعثن کما تستیقظون ولتعاسبن

۱۔ سورہ حجر ۹۴ و ۹۵۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بما تعلمون ... وانما الجنة ابداً والنار ابداً"

کسی بھی قوم کا رہبر ورا ہنما اپنی قوم سے جھوٹ نہیں بولتا اگر میں بتاؤں کہ اس پہاڑ کے پیچھے دشمن تمھاری تاک میں کمین کئے اور تمھاری جان ومال کے درپے ہے! آیا میری صداقت کی گواہی دو گے؟ پیغمبر اکرمؐ کی گفتگو سن کر سراسیمہ مجمع بے اختیار پکار اٹھا کہ ہم نے آپ کی زبان سے کبھی جھوٹ نہیں سنا، آپؐ نے فرمایا: لوگو! سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی بھی لائق پرستش نہیں اور میں اس کی جانب سے خصوصی طور پر تمھارے اور عمومی طور پر تمام انسانوں کے لیے مبعوث ہوا ہوں، اے لوگو! خدا کی قسم جس طرح تم سوتے ہو اس طرح مر جاؤ گے اور جس طرح بیدار ہوتے ہو اس طرح دوبارہ اٹھائے جاؤ گے، جو کچھ انجام دیتے ہو اس کا حساب دینا پڑے گا...... آتش جہنم سے بچنے کی تدبیر کرو، جنت اور جہنم ہمیشہ رہنے والی جگہیں ہیں۔

پیغمبر اکرمؐ کی دلنشین گفتگو اور سابقہ کردار کو مدنظر رکھتے ہوئے بہت سے افراد کے دل اسلام کی جانب مائل ہو رہے تھے کہ یکایک دشمن اسلام ابولھب چیخا "تبا لک" برباد ہو، کیا یہی بات کہنے کے لیے ہمیں بلایا تھا؟ ابولھب کی بے ہودہ گفتگو کا نتیجہ، لوگوں کے متفرق ہونے کی صورت میں برآمد ہوا اور سورۃ (تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَ تَبَّ) بھی ابولھب کی اس قسم کی بے ہودہ حرکتوں کے جواب میں نازل ہوئی۔

اعلانیہ دعوت سے پہلے قریش کا ردعمل:

اسلام کے بارے میں چہ میگوئیاں ابتدائی آیات کے نزول اور مسجد الحرام میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کے بعد شروع ہوئیں، مشرکین مکہ نماز اور بعض دیگر امور کی وجہ سے اسلام کے بارے میں اجمالی طور پر جانتے تھے لیکن اس کے باوجود انھیں اسلام اور مسلمانوں سے کوئی سروکار نہیں تھا اور نہ ہی ان کے نزدیک بت پرستی چھوڑنا اور آئین ومذہب تبدیل کرنا اہمیت کا حامل تھا، مشرکین مکہ کی جانب سے زیادہ سے زیادہ رد عمل صرف یہی تھا کہ جب کبھی پیامبر اکرمؐ کا گزر ہوتا تو کہتے کہ عبدالمطلب کا بیٹا آسمانوں کی باتیں کرتا ہے(۲)

۲۔ انساب الاشراف، بلاذری ج ۱ ص ۱۱۶ و سیرہ ابن ہشام، سیرہ رسول خدا از رسول جعفریان

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اعلان رسالت کے بعد قریش کا ردعمل:

ابتدائی مرحلہ میں اسلام کے خلاف مشرکین کی جانب سے کسی شدید ردعمل کا نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک بت پرستی چھوڑنا یا آئین ومذہب تبدیل کرنا اہمیت نہیں رکھتا تھا بلکہ ان کے نزدیک ان کے خداؤں کو برا بھلا کہنا، آباء واجداد کی توہین اور ان کے ذاتی مفادات کا خطرے میں پڑ جانا تکلیف دہ تھا۔

قبائلی نظام کی موجودگی میں مشرکین مکہ کھل کر پیامبر اکرمؐ کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے کیونکہ بنی ہاشم کی حمایت کے ہوتے ہوئے آپؐ کی ذات گرامی کو ذرہ برابر نقصان پہنچانا، تمام بنی ہاشم کو جنگ کی دعوت دینے کے مترادف تھا لہذا اسلام کو سرکوب کرنے کے لیے مشرکین صرف وہی ہتھکنڈے استعمال کر سکتے تھے جو بنی ہاشم سے ٹکراؤ کا باعث نہ ہوں، ذیل میں قریش کے مختلف اقدامات متعدد موضوعات کے ضمن میں پیش کیے جا رہے ہیں:

مصالحانہ کوششیں:

تجارت پیشہ قریش کے کام کا تقاضا یہ تھا کہ مکہ میں پھیلنے والے نئے دین اسلام کی بساط خاموشی سے لپیٹ دیں، اس فکر کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مبلغ اسلام حضرت محمد مصطفےؐ کا قتل ضروری تھا جو کہ قریش کے بس سے باہر تھا کیونکہ یہ کام مکہ میں دائمی خانہ جنگی کا سبب بن جاتا اور بہت سی جانیں غیر محفوظ ہو جاتیں، چنانچہ قریش نے اسلام کی روک تھام کے لیے سب سے پہلے مصالحت آمیز رویہ انتخاب کیا اور حضور اکرمؐ کے چچا، سید البطحاء، سردار مکہ حضرت ابوطالبؑ کی خدمت میں حاضر ہونے کا فیصلہ کیا تا کہ وہ اپنے بھتیجے کو اسلامی تعلیمات کی تبلیغ، بت پرستی کی مذمت اور ان کے آباء واجداد کی توہین سے باز رکھیں، قریشی سرداروں کا ایک وفد حضرت ابوطالبؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا:

یا ابا طالب: انّ ابن اخیک قد سبّ آلھتنا وعاب دیننا وسفّہ احلامنا وضلّل

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

آتانا فاما أن تكفه عنا واما ان تخلّي بيننا وبينه.(۱)

"اے ابو طالب! آپ کا بھتیجا ہمارے خداؤں کو برا بھلا، ہمارے دین کو معیوب، ہمارے عقائد وافکار کو حماقت اور ہمارے آباء واجداد کو گمراہ قرار دیتا ہے یا تو آپ خود انھیں منع کریں یا انھیں ہمارے حوالے کردیں اور اپنی حمایت ختم کردیں" حضرت ابو طالبؑ نے موقعہ کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے ان کے غیض وغضب کو ٹھنڈا کیا اور انتہائی فہم وتدبر کے ساتھ ان کی گفتگو سنی اور رخصت کیا لیکن اسلام کی دن بدن ہونے والی ترقی اور مسلمانوں کا اضافہ قریش کو ایک پل بیٹھنے نہ دیتا کیونکہ یہ اضافہ کسی ایک قبیلہ کی جانب سے نہیں بلکہ تقریبا تمام قبائل کی جانب سے ہو رہا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ آہستہ آہستہ مسلمان قبائل کی بنیاد پر ہماری دسترس سے نکل جائیں گے، لہذا اس خطرے سے نمٹنے کیلئے قریشی سردار ایک مرتبہ پھر حضرت ابو طالبؑ کی چوکھٹ پر حاضر ہوئے اور کہا:

يا ابا طالب، انّالک سنا وشرفا وانا قد استيهناک ان تنهى ابن اخيک فلم تفعل وانا والله لانصبر على هذا من شتم آلهتنا وآبائنا وسفة احلامنا حتیٰ تكفه عنا أوتنازله واياک فی ذلک حتیٰ يهلک احد الفريقين.(۲)

"اے ابو طالب آپ شرف وبزرگی کے اعتبار سے برتر، لیکن ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ آپ اپنے بھتیجے کو اس نئے مذہب کی تعلیم سے روکیں، لیکن آپ نے کوئی توجہ نہیں دی اور اب ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے، ہم اتنے بردبار نہیں کہ کوئی شخص ہمارے خداؤں کو برا اور ہمیں احمق وبے وقوف کہتا رہے اور ہم خاموشی سے سنتے رہیں، اب یہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ اسے اس قسم کے کاموں سے منع کریں، ورنہ ہم اس کے اور تمھارے ساتھ مقابلہ کریں گے تاکہ کوئی ایک گروہ تم یا ہم صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں"

۱۔ سیرہ ابن ہشام ج ۱ ص ۲۸۴

۲۔ سیرہ ابن ہشام ج ۱ ص ۲۸۵

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حضرت ابو طالبؑ نے ایک مرتبہ پھر ان کے غیض و غضب کو ہموار کیا اور کہا کہ تمھاری یہ گزارشات و مطالبات اپنے بھتیجے کے گوش گزار کروں گا، قریش کا یہ وفد پیغمبر اکرمؐ کا وہ تاریخی جواب سن کر پیچ و تاب کھاتا ہوا رخصت ہوا جس میں آنحضرتؐ نے فرمایا:

یا عماہ! لو وضعوا الشمس فی یمینی والقمر فی شمالی علیٰ ان اترک ھذا الامر، حتیٰ یظھرہ اللہ او اھلک فیہ ما ترکتہ .(۱)

چچا جان! خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند رکھ دیں یعنی دنیا جہان کی مشکلات و پریشانیاں یا دولت و سلطنت مجھے دے دیں تاکہ میں دین اسلام کی تبلیغ سے دست بردار ہو جاؤں! ہرگز ایسا نہیں ہوگا، میں ہمیشہ یہی کروں گا، یہاں تک کہ خداوند متعال اس دین کو فتح و کامرانی عطا فرمائے یا اس سلسلے میں میری جان چلی جائے''

دارالندوہ میں موجود مشرکین مکہ کی کونسل پیامبر اکرمؐ کے سلسلے میں حضرت ابو طالبؑ کی حمایت کے بارے میں اس نتیجہ پر پہنچی کہ چونکہ سردار مکہ نے اپنے بھتیجے کو اپنی فرزندی میں لیا ہوا ہے اس لیے ابو طالبؑ عقب نشینی گوارہ نہیں کر رہے ہیں لہذا مکہ کے خوبرو جوان ''عمارۃ بن الولید بن المغیرہ'' کو تیار کیا گیا تاکہ حضرت ابو طالبؑ اس کو بطور بیٹا انتخاب کر لیں اور اپنے بھتیجے "ختمی مرتبت حضرت محمدؐ" کو قریش کے حوالے کر دیں اس منصوبہ اور تجویز کے ساتھ جب یہ وفد حضرت ابو طالبؑ کے پاس آیا اور آپ کو اپنے منصوبہ سے آگاہ کیا تو حضرت ابو طالبؑ جوش غیرت اور فرط غضب کی وجہ سے چیخ پڑے کہ میں تمھارے فرزند کو پالوں پوسوں اور تم میرے جگر گوشے کو پامال کر دو، اے گروہ عرب! کتنا پست و بدترین معاملہ میرے ساتھ کرنا چاہتے ہو: **لبئس ما تسوموننی، اتعطوننی ابنکم اغذوہ و اعطیکم ابنی تقتلونہ ؟!** یہ سن کر مطعم بن عدی نے کہا: قریش نے منصفانہ فیصلہ کیا تھا لیکن ہمیں معلوم ہے کہ تم ہرگز قبول نہیں کرو گے

۱۔ سیرہ ابن ہشام ج۱ ص ۲۸۵، تاریخ طبری ج۲ ص ۶۸

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جواب میں حضرت ابوطالبؑ نے فرمایا: ہرگز یہ تجویز انصاف کا تقاضا نہیں ہے! تم لوگ مجھے ذلیل ورسوا کر کے قریش کو میرے خلاف بھڑکانا چاہتے ہو! جاؤ اور جو چاہو کرلو!

حضرت ابوطالبؑ کے اس ردعمل کے نتیجے میں قریش کو یقین ہوگیا کہ نہ تو ابوطالبؑ کے ذریعہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معاشرتی لحاظ سے علیحدہ کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس طرح اس آئین کا سد باب ہوسکتا ہے چنانچہ مصالحتی کوششوں کا سلسلہ ختم ہوگیا اور قریش نے نئے ہتھکنڈے آزمانے شروع کردیئے۔

استہزاء وتمسخر:

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ میں معاشرتی لحاظ سے تنہا کرنے کے لیے قریش نے دوسرا اقدام استہزاء وتمسخر کی صورت میں اٹھایا، پیغمبر گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس قدر مورد استہزاء قرار دیا جاتا کہ آنحضرتؐ پریشان وغمگین ہوجاتے، سورہ حجر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿ولقد نعلم انک یضیق صدرک بما یقولون﴾ (۱) ہمیں معلوم ہے ان کی باتوں کی وجہ سے تمھاری دل آزاری ہوتی ہے، ادعائے نبوت، معراج، بہشتی نعمات، معاشرے کے محروم طبقہ کی جانب سے آپ کی پیروی، ایسے موضوعات تھے جن کی بنا پر مشرکین پیامبر گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مورد استہزاء قرار دیتے تھے، سورہ ص میں پروردگار عالم مشرکین کی جانب سے انبیاء کو مورد تمسخر واستہزاء قرار دیے جانے کا ذکر فرمارہا ہے اور ان آیات سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ جب پیامبر گرامیؐ بہشتی نعمتوں کا ذکر فرماتے تو مشرکین آنحضرتؐ کا مذاق اڑاتے اور کہتے کہ آخرت کے وعدہ کے بجائے یہ نعمتیں ہمیں دنیا ہی میں دے دو، مشرکین کی یہی حرکتیں پیامبر گرامیؐ کے قلب مبارک کو غم واندوہ سے بھردیتیں، قرآن مجید اسی دل آزاری کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿اصبر علیٰ ما یقولون واذکر عبدنا داودا ذاالأید انّهٗ أوّاب﴾ (۲)

۱۔ سورہ حجر ۹۸۔

۲۔ سورہ ص آیت ۱۷

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"ان کی باتوں پر صبر و شکیبائی کا مظاہرہ کرو اور ہمارے توانا بندے داؤد کو یاد کرو کہ وہ بہت زیادہ توبہ کرنے والے تھے" سورہ یس میں ارشاد ہے:

﴿یا حسرة علی العباد ما یاتیهم من رسول الا کانوا به یستهزئون﴾ (۱)

"افسوس ہے لوگوں پر کہ کوئی پیغمبر ان کی طرف نہیں آیا مگر یہ کہ انہوں نے اس کا مذاق نہ اڑایا ہو"

سیرت نگاروں نے پیامبر گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مذاق اڑانے اور آپ کو مورد استہزاء قرار دینے والوں کی ایک طویل فہرست نقل کی ہے، جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں: ابولہب، ابوجہل، ابوسفیان، اسود بن عبد یغوث، عاص بن وائل، عقبہ بن ابی معیط، ولید بن مغیرہ، حارث بن طلاطہ، حکم بن ابی العاص (مروان کا باپ) وغیرہ۔

ابولہب کے سلسلے میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ بعثت سے پہلے ہی آنحضرتؐ سے بغض و عناد رکھتا تھا کیونکہ بعثت سے پہلے حضرت ابو طالبؑ اور ابولہب میں کسی بات پر جھگڑا ہوا تو آنحضرتؐ نے حضرت ابو طالبؑ کا ساتھ دیا، ابولہب اسلام کی مخالفت کی وجہ یہ بتا تا کہ اے اولاد عبدالمطلب یہ اسلام بہت ہی بری چیز ہے، اس سے پہلے کہ دیگر اعراب اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں ہمیں چاہیے کہ ہم خود ہی اس کی بیخ کنی کر دیں کیونکہ اگر ہم مسلمان ہو گئے تو عربوں میں ذلیل و رسوا ہو جائیں گے اور اگر اسلام کے دفاع کی کوشش کریں گے تو قتل ہو جائیں گے (۲)

اسی روایت کے ذیل میں بیان کیا گیا ہے کہ ابولہب کی مخالفت کی اصل وجہ ابولہب کا وہ خوف تھا کہ کہیں بنی ہاشم تمام اعراب اور قریش کے مقابل کھڑے نہ ہو جائیں۔

بہر حال اعلان نبوت کے بعد ابولہب اور اس کی زوجہ ام جمیل اپنی تمام صلاحیتوں کے ساتھ

۱۔ سورہ یسین ۳۰

۲۔ انساب الاشراف ج ۱ ص ۱۹، سیرہ رسول خدا ص ۴۴۰

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اسلام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور پیامبر گرامیؐ جہاں کہیں دعوت توحید کیلئے تشریف لے جاتے یہ لوگ وہاں پہنچ جاتے، پتھر مارتے، لوگوں کو آپ کی اطاعت سے روکتے یہی وجہ ہے کہ خداوند متعال نے ابولہب اور اس کی زوجہ ام جمیل کے بارے میں ایک سورۃ نازل فرمائی کہ ﴿تبت یدا ابی لهب و تب﴾

عقبہ بن ابی معیط اور اُبی بن خلف نہایت گہرے دوست تھے، ایک دن ابی نے سنا کہ عقبہ پیامبر گرامیؐ کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو یہ سن کر ابی نہایت ناراض ہوا اور عقبہ سے کہا جب تک عبداللہ کے بیٹے کے چہرے پر تھوکو گے نہیں اس وقت تک تم سے بات نہیں کروں گا "نعوذ باللہ" اور جب پیامبر گرامیؐ وہاں تشریف لے گئے تو اس ملعون نے وہ حرکت انجام دی جس کا تقاضا ابی بن خلف نے کیا تھا۔(۱)

اسود بن عبدیغوث پیامبر گرامیؐ اور مسلمانوں کا مذاق اڑاتا جہاں کہیں مسلمانوں کو دیکھتا کہتا زمین کے بادشاہ آگئے !اور پیامبر گرامیؐ کو دیکھ کر کہا کرتا تھا، اے محمد آج آسمان سے تجھ پر کوئی نئی بات اتری ہے؟!

عاص بن وائل آپ کو ابتر "دم بریدہ بے اولاد" کہا کرتا تھا، حکم بن ابی العاص آپ کے پیچھے پیچھے نقلیں اتارتا، عجیب وغریب قسم کی شکلیں بناتا تھا(۲)

خلاصہ کلام یہ کہ قریش نے اپنی تمام کوششیں صرف کیں تاکہ آپ کو مکہ کے لوگوں کی نظروں سے گرادیں، معاشرہ میں تنہا کردیں لیکن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا کے مصداق اسلام روز بروز پھیلتا رہا لہٰذا اسلام کا مقابلہ کرنے کیلئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لوگوں کو دور کرنے کے لئے قریش نے ایک نیا محاذ کھولنے کا فیصلہ کیا اور وہ تھا تہمت وافتراء۔

تہمت:

قریش کا تیسرا ہتھکنڈہ تہمت وافتراء کی صورت میں برآمد ہوا، ولید بن مغیرہ نے شروع شروع

۱۔ سیرہ نبویہ، ابن ہشام ج۱ ص۳۶۲

۲۔ انساب الاشراف ج۱ ص۱۵۱

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

میں کوشش کی کہ آیات قرآن اور اسلامی تعلیمات کو "اساطیر الاولین" پچھلوں کے قصے کہانیاں قلمداد کر کے اسلامی تعلیمات کا آسمانی ہونے سے انکار کر دے لیکن یہ کوشش بے سود رہی، مشرکین مکہ نے جب تمام کوششوں کو نقش برآب ہوتے دیکھا تو انتہائی گھٹیا تہمت یعنی پاگل پن وجنون کی تہمت لگا دی لیکن جلد ہی انہیں اس تہمت کی بے مایگی کا احساس ہو گیا سورہ قلم کی ابتدائی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ پیامبر گرامی کی جانب جنون کی تہمت نہایت دل آزار اور تکلیف دہ تھی یہی وجہ ہے کہ خداوند متعال کی جانب سے جنون کی تردید کے ساتھ ہی آپ کے حسن خلق کی جانب اشارہ کیا گیا ہے اور مسلمانوں کے روشن مستقبل کی خوشخبری دی گئی ہے۔

اعلان نبوت کے کچھ عرصہ بعد قریش اس جانب متوجہ ہوئے کہ مختلف ہتھکنڈے اور حربے آزمانے کے باوجود نہ تو اسلام کی پیش رفت میں فرق آیا ہے اور نہ ہی پیامبر اکرمؐ نے عقب نشینی اختیار کی ہے اور اب موسم حج کی آمد آمد ہے، پورے جزیرۃ العرب سے لوگ جوق در جوق مکہ کی جانب گامزن ہیں لہذا انتہائی سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا چاہیے۔

آج تک جتنی تہمتیں بھی پیامبر گرامیؐ پر لگائی گئی تھیں سبھی انفرادی تھیں کوئی اللہ کے کلام کو گھڑا ہوا قرار دیتا تو کوئی اسے زمینی قلمداد کرتا، کوئی آپ کو مجنون کہتا تو کوئی کچھ، غرض مشرکین کی اپنی ہی باتوں میں تضاد موجود تھا اسی تضاد و دوگوئی کو دور کرنے کیلئے ولید بن مغیرہ نے قریش کو اکٹھا کیا اور صورت حال بتائی کہ موسم حج سر پر آچکا ہے لہذا محمدؐ پر تہمتیں لگانے کیلئے ہمیں یک زبان ہونا پڑے گا ورنہ تو ہم محمدؐ کو جھٹلانے کے چکر میں ایک دوسرے کی تکذیب کرتے پھریں گے۔

تہمتوں کو ہم آہنگ کرنے والی کمیٹی نے تجویز پیش کی کہ بہتر ہے محمدؐ کو کاہن مشہور کر دیں ولید بن مغیرہ نے اس تجویز کی مخالفت کی اور کہا محمد کو کاہن کہنا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ اعراب کاہنوں کو اچھی طرح پہچانتے ہیں اور محمد میں کاہنوں والی کوئی بات ہی نہیں ہے وہ نہ تو کاہنوں کی طرح منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتا ہے اور نہ ہی ان کی طرح مسجع گفتگو کرتا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ایک تجویز یہ پیش کی گئی کہ آپ کو دیوانہ مجنون کہا جائے لیکن ولید نے اس تجویز کی بھی مخالفت کی اور کہا دیکھو ہم نے دیوانے پاگل لوگ دیکھے ہوئے ہیں ان کی عادات وخصائص بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں اور اس میں کسی بھی قسم کی دیوانگی کے آثار نہیں پائے جاتے لہذا اس سے ملاقات کرنے والے بھی قطعاً اسے دیوانہ نہیں کہیں گے، بعض افراد نے مشورہ دیا کہ کیوں نہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شاعر کہا جائے؟! صدر جلسہ ولید بن مغیرہ نے یہ تجویز بھی یہ کہہ کر ٹھکرا دی کہ عرب شعروشاعری سے خاصا شغف رکھتے ہیں اور ہمیں معلوم ہے کہ محمدؐ جو کچھ کہتا ہے وہ شعر نہیں ہے، انہوں نے کہا کہ جادوگر کہنا شروع کردیں؟ ولید نے کہا کہ عرب جادوگروں کو جانتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ محمدؐ کا لایا ہوا کلام جادوگری سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، جلسے میں موجود افراد نے تھک ہار کر کہا کہ تم ہی بتاؤ کیا کیا جائے؟ کیا کہا جائے؟

ولید بن مغیرہ نے ساحری کی تہمت کو بے بنیاد قرار دینے کے باوجود کہا خدا کی قسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں انتہائی شیرین ہیں، نہایت مستحکم اور پاک وپاکیزہ ہیں جو تہمت بھی اس پر لگائی جائے گی لوگ سمجھ جائیں گے لیکن پھر بھی جادوگری کی تہمت دوسری تہمتوں سے زیادہ کارآمد ہے کیونکہ اس کی باتیں جادو کی طرح باپ بیٹے، میاں بیوی، بہن، بھائی اور رشتہ داروں میں جدائی ڈال دیتی ہیں قرآن کریم نے سورہ مدثر میں ولید بن مغیرہ کی انہیں لایعنی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے اسے مورد نفرین قرار دیا ہے "اے رسول مجھے اور اس شخص کو چھوڑ دو جسے میں نے اکیلا پیدا کیا ہے" اور اسے بہت سا مال دیا اور نظر کے سامنے رہنے والے بیٹے دیے اور اسے ہر طرح کے سامان میں وسعت دی پھر اس پر بھی وہ طمع رکھتا ہے کہ میں اور بڑھاؤں یہ ہرگز نہ ہوگا، یہ تو میری آیات کا دشمن تھا، میں عنقریب اسے سخت عذاب میں مبتلا کروں گا، اس نے فکر کی اور تجویز کی کہ یہ کم بخت مار ڈالا جائے اس نے کیوں کر تجویز کی پھر غصہ کیا پھر تیوری چڑھائی اور منہ بنالیا پھر پیٹھ پھیر کر چلا گیا، اکڑ بیٹھا پھر کہنے لگا، یہ تو بس جادو ہے جو اگلوں سے چلا آتا ہے اور یہ تو بس آدمی کا کلام ہے۔(۱)

۱۔ سورہ مدثر" ترجمہ مولانا مقبول

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مسلمانوں پر مظالم:

قریش کی تمام تر سازشیں یکے بعد دیگرے خاک میں ملتی گئیں اور ہر روز کسی نہ کسی قبیلہ کے فرد کے مسلمان ہونے کی خبر مکہ میں پھیل جاتی اور مشرکین کے خود ساختہ بتوں میں مزید دراڑیں پڑ جاتیں، نئے مسلمان ہونے والوں کی روک تھام کے لیے ایک منصوبہ یہ سامنے آیا کہ ہر قبیلہ اور خاندان اپنے مسلمان ہونے والے افراد پر نظر رکھے اور ان پر سختی کرے چنانچہ اس نئے منصوبہ پر عمل شروع ہوا اور تازہ مسلمان ہونے والوں پر نئے ہتھکنڈے آزمائے جانے لگے کسی کو تازیانے مارے جاتے تو کسی کا کھانا پانی بند کر دیا جاتا، کسی کو قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑتیں تو کسی کو خاندان والوں کے بائیکاٹ کا سامنا کرنا پڑتا اور ان مظالم کا سب سے زیادہ نشانہ مکہ کے وہ مسلمان بنے جو غلام تھے یا کسی قبیلہ کی پشت پناہی سے محروم تھے چنانچہ ابو جہل اور اس کے قبیلہ بنی مخزوم نے حضرت یاسر اور ان کے گھر والوں پر ظلم ستم کے پہاڑ توڑے، حضرت سمیہ اور حضرت یاسر اسلام کے سب سے پہلے شہید قرار پائے، حضرت بلال کو صبح شام تکالیف پہنچائی جاتیں، حضرات خباب بن الارت، ام شریک مصعب بن عمیر وغیرہ پر تشدد کیا گیا اور یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ مسلمان ہجرت پر مجبور ہو گئے۔

ہجرت حبشہ:

عام طور پر تاریخی منابع (۱) میں ہجرت حبشہ کا واقعہ معمولی تفاوت کے ساتھ اس طرح مذکور ہے کہ جب قریش نے مسلمانوں پر مصائب کی انتہا کر دی اور انہیں طرح طرح کی اذیتوں اور شکنجوں میں مبتلا کیا تو مسلمانوں نے اسلام اور اسلامی احکام پر عمل اور ان کی سربلندی کیلئے دیار حرم کو خیر آباد کہنے کی ٹھانی لیکن ان کے سامنے کوئی واضح راستہ نہیں تھا کہ آیا جزیرۃ العرب کے کسی گوشہ میں جائے پناہ تلاش کریں یا یمن، شام، روم اور ایران کی سلطنتوں کے سایہ میں پر سکون زندگی بسر کریں یہ مسلمان ابھی اسی مخمصہ میں مبتلا تھے کہ پیامبر

۱۔ سیرہ ابن ہشام ج ۱، سیرۃ النبویہ ابن کثیر، ج ۲۔ البدایہ والنہایہ، ج ۳۔ تاریخ الخمیس، ج ۱۔ السیرۃ الحلبیہ، ج ۱۔ وغیرہ۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اکرم کی رائے پہنچ گئی جس میں ان مسلمانوں کو حبشہ کی جانب ہجرت کرنے کی تاکید کی گئی تھی کہ اگر سرزمین حبشہ کی جانب سفر کرو تو یہ تمھارے لیے نہایت سودمند ثابت ہوگا کیونکہ وہاں ایک عادل بادشاہ کی موجودگی کی وجہ سے کوئی کسی پر ظلم وستم روا نہیں رکھ سکتا، تم لوگ وہاں رہو یہاں تک کہ خداوند متعال کی جانب سے کشادگی وراحت میسر آجائے۔

پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس تجویز پر لبیک کہتے ہوئے مسلمانوں کا پہلا گروہ رات کی تاریکی میں خاموشی سے حبشہ کی جانب روانہ ہوگیا، حبشہ پہنچ کر یہ لوگ ابھی صرف دو ماہ ہی قیام کر پائے تھے کہ حبشہ میں انہیں خبر ملی کہ اہل مکہ مسلمان ہوگئے ہیں، یہ خبر ملتے ہی مسلمانوں نے رخت سفر باندھا تاکہ مکہ میں پیامبر اکرمؐ کے ساتھ ملحق ہو جائیں اور کھل کر احکام اسلام پر عمل کریں چنانچہ مسلمانوں کا یہ قافلہ سفر کی صعوبتیں برداشت کرتا ہوا ابھی مکہ کے قریب ہی پہنچا تھا کہ مشرکین مکہ کے مسلمان ہونے والی خبر کے جھوٹ ہونے کا علم ہوا، یہ معلوم ہوتے ہی مسلمان پریشان ہوگئے چنانچہ عبداللہ ابن مسعود نے حبشہ واپسی کا تہیہ کیا اور باقی مسلمان زمانہ جاہلیت کی رائج رسم "جوار" کا سہارا لیکر مکہ میں داخل ہوگئے اور مسلمانوں کے ساتھ ملحق ہوگئے یہاں تک کہ بعض صحابہ مثلاً حضرت عثمان بن مظعون نے تو ولید بن مغیرہ کی پیش کش مسترد کردی تاکہ مصائب ومشکلات کی اس وادی میں کمزور اور عام مسلمان تنہا نہ ہوں۔

ہجرت حبشہ کا خلاصہ ہم نے ان سطروں میں بیان کیا، آئیے اب ذرا اس واقعہ کا جائزہ لیتے ہیں:

حبشہ کا انتخاب:

سوال یہ ہے کہ ہجرت کے لیے آخر سرزمین حبشہ کا انتخاب کیوں کیا گیا؟ اس سوال کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱۔ اس انتخاب کی علت خود آنحضرتؐ نے بیان فرمائی ہے جس کے مطابق حبشہ ایسی سرزمین ہے جس میں کوئی کسی پر ظلم نہیں کرتا وہاں عادل بادشاہ کی حکمرانی ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۲۔ حبشہ کے علاوہ جزیرۃ العرب کے کسی گوشہ میں پناہ لینا ممکن نہیں تھا کیونکہ جزیرۃ العرب کے تقریباً اکثر قبائل قریش کا احترام کرتے تھے اور انھیں بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے ایسی صورت میں اگر مسلمان کہیں جاتے تو یہ قبائل دست بستہ تمام مسلمانوں کو قریشیوں کے حوالے کردیتے، جزیرۃ العرب کے علاوہ شام اور ایران تھے، شام رومیوں کے اختیار میں ہونے کے ساتھ ساتھ قریش سے بہت اچھے تعلقات رکھتا تھا لہٰذا شام بھی معقول جگہ نہیں تھی اسی طرح ایران کہ جہاں کی استبدادی حکومت کسی بھی نئے دین کو پھیلانے کی سخت مخالف تھی اس لئے وہاں کا رخ کرنا صحیح نہیں تھا، ان جوانب کو مدنظر رکھتے ہوئے حبشہ کے انتخاب کا فیصلہ واقعاً انتہائی عاقلانہ اور دوررس نتائج کا حامل تھا۔

ہجرت حبشہ کے اسباب وعوامل:

ہجرت حبشہ کے اسباب وعوامل کے ذیل میں تقریباً اکثر مورخین کا اتفاق ہے کہ ہجرت کی بنیادی وجہ مشرکین مکہ کی جانب سے پہنچائی جانے والی اذیت وتکلیف تھی جس کو دیکھتے ہوئے پیامبر اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ اے میرے صحابیو! اگر حبشہ کی جانب ہجرت کرو تو یہ تمھارے لیے سودمند ہے کیونکہ وہاں ایسا بادشاہ حاکم ہے جو خود بھی ظلم وستم نہیں کرتا اور نہ ہی اس کی موجودگی میں کوئی کسی پر ظلم کرسکتا ہے، حبشہ کی زمین اچھی اور وہاں کے لوگ صدق وصفا کے باسی ہیں وہاں رہو یہاں تک کہ خداوند متعال کی جانب سے رحمت وکشادگی نازل ہو اگر اس وقت چاہو تو میری طرف پلٹ آنا۔ پیامبر اکرمؐ کے اس فرمان اور مورخین کے اتفاق کو مدنظر رکھتے ہوئے چند نکات سمجھ آتے ہیں:

الف: مشرکین کے شکنجوں اور آزار میں مبتلا مسلمان ہجرت کرسکتے ہیں۔

ب: حبشہ کا بادشاہ ظالم نہیں ہے اور وہاں کے لوگ بھی اچھے ہیں۔

ج: جب تک صورت حال ٹھیک نہ ہوجائے مسلمان حبشہ ہی میں رہیں۔

ان نکات کی روشنی میں ہجرت حبشہ میں مہاجرین ایسے افراد ہونا چاہئیں جو مشرکین مکہ کے ہاتھوں

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تکالیف ومصائب برداشت کر رہے ہوں اور انہیں جان کا خطرہ درپیش ہو لیکن مہاجرین کی فہرست پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حبشہ کی جانب ہجرت کرنے والے پہلے مسلمان گروہ میں ایسے افراد نہایت قلیل ہیں جو مشرکین مکہ کے لیے تختہ مشق بنے ہوئے تھے۔

ثانیا: دوسرے نکتہ کے پیش نظر ان لوگوں کو اس وقت تک حبشہ میں ٹھہرنا چاہیے تھا جب تک مکہ کی صورت حال ٹھیک نہ ہو جائے لیکن تاریخی منابع کی روشنی میں یہ پتہ چلتا ہے کہ گیارہ مردوں اور چار خواتین پر مشتمل مسلمانوں کا یہ گروہ صرف شعبان و رمضان گزار کر مکہ پلٹ آیا! اور ان کے واپس آنے کی وجہ وہ افواہ تھی جس میں کہا گیا تھا کہ اہل مکہ مسلمان ہو گئے ہیں لہذا اب حبشہ میں رکنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، مہاجرین اولیہ کا یہ گروہ جب مکہ کے نزدیک پہنچا تو اس خبر کے جھوٹ ہونے کا پتہ چلا جس کے نتیجہ میں عبداللہ بن مسعود کے علاوہ تمام لوگ پناہ "جوار" کا سہارا لیکر مکہ میں داخل ہوئے اور مرحلہ دوم کی ہجرت میں دوبارہ حبشہ کی جانب ہجرت کر گئے۔

مذکورہ نقل پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت حبشہ کے علل و اسباب وہ نہیں تھے جو تاریخی منابع میں موجود ہیں کیونکہ:

۱۔ مہاجرین اولیہ (جنہیں پیامبر اکرمؐ کے حکم کے مطابق اس وقت تک حبشہ میں رہنا چاہیے تھا جب تک خداوند متعال کوئی اچھی صورت نہ نکال دیتا) کچے کانوں کے لوگ تھے کہ صرف ایک افواہ سن کر کہ مشرکین مکہ نے اسلام قبول کر لیا ہے مکہ کی جانب چل پڑے اور حبشہ سے مکہ کے درمیان نہ تو انھوں نے خبر کی تصدیق کرنا گوارہ کی اور نہ ہی اس دوران انھیں کوئی ایسا آدمی ملا جو انھیں خبر کے صحیح یا غلط ہونے کی اطلاع دیتا۔

۲۔ تاریخی روایات میں صریحی طور پر بیان کیا گیا ہے کہ مہاجرین اولیہ، قریش کی جانب سے ہونے والی تکالیف کی وجہ سے تنگ آ کر مکہ کو خیرباد کہہ کر حبشہ جا بسے تھے، اس فرض کی بنا پر جب خبر کے جھوٹے ہونے کا علم ہو گیا تھا تو انھیں دوبارہ واپس پلٹ جانا چاہیے تھا اور دوبارہ اس شہر میں نہیں آنا چاہیے تھا

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کہ جسے خوف و مصائب کی وجہ سے چھوڑا تھا۔

۳۔ یہ لوگ مکہ میں "جوار" پناہ لے کر داخل ہوئے اور مشرکین کے آزار و اذیت سے نجات پاگئے اگر مکہ میں یہ سہولت موجود تھی تو ہجرت سے پہلے ہی اس کا سہارا کیوں نہ لیا جواب واپس آ کر اس کا سہارا لے رہے ہیں؟!

۴۔ مکہ میں حق جوار "پناہ" کے سہارے امن و امان حاصل کرنے کے بعد یہ لوگ دوسری ہجرت (حبشہ) میں کیوں شریک ہوئے؟ جبکہ حق جوار کی وجہ سے نہ تو انھیں قریش کی جانب سے مصائب و مشکلات کا سامنا تھا اور نہ ہی کوئی روک ٹوک تھی بلکہ بعض روایات سے تو یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بعض لوگ بذات خود پناہ مشرکین میں رہنا پسند نہیں کرتے چنانچہ عثمان بن مظعون نے ولید بن مغیرہ کی پناہ ٹھکرا دی اور اس کے بعد ایک مقام پر کسی مشرک سے جھگڑے کے بعد مورد ضرب و شتم قرار پائے تو ولید نے دوبارہ جوار کی پیشکش کی جسے عثمان بن مظعون نے دوبارہ ٹھکرا دیا۔

۵۔ مکہ کے قبائلی نظام کے پیش نظر اور جوار کی پیشکشوں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مہاجرین اولیہ معمولی لوگ نہیں تھے، اس بات کی دلیل مکہ واپس آنے کی صورت میں دی جانے والی جوار اور صاحبان جوار ہیں، جس میں ولید بن مغیرہ اور سعید بن عاص ہیں نیز یہ کہنا بھی معقول نہیں ہے کہ ہجرت سے پہلے مشرکین مکہ کی پالیسی مار دھاڑ تھی اور اس کے بعد انھوں نے مصالحانہ رویہ اختیار کر لیا تھا اور جوار دینے کے لیے آمادہ ہو گئے تھے۔

۶۔ بنابر فرض اگر حبشہ کی جانب ہجرت قریش کے ظلم و ستم کی وجہ سے تھی تو پھر قریش نے جس طرح ہجرت دوم کے بعد مسلمانوں کو واپس لانے کے لیے اقدامات کیے تھے وہی اقدامات مہاجرین اولیہ کی واپسی کے لیے کیوں نہیں کیے گئے؟ اور مزید آنکہ مہاجرین کی واپسی کے بعد ان پر مزید ستم کے پہاڑ توڑنے کے بجائے جوار و پناہ سے کیوں نوازا گیا؟

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نتیجہ:

مذکورہ قرائن ونکات کی روشنی میں یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ حبشہ کی جانب ہجرت قریش کے ظلم وستم کی وجہ سے انجام نہیں پائی بلکہ اس ہجرت کے بہت سے اعلیٰ وارفع مقاصد تھے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ قریش کے ظلم وستم کے باوجود بعض صحابہ میدان عمل میں ڈٹے رہتے ہیں اور پیامبر گرامی کی تجویز کے باوجود آپؐ کے ہمراہ رہتے ہوئے مصائب ومشکلات کا سامنا کرنے کو ترجیح دیتے ہیں حتیٰ کہ ان لوگوں کا نام دوسری ہجرت کے مہاجرین میں بھی نظر نہیں آتا۔ ان حقائق کے پیش نظر ہجرت حبشہ کا ایک اہم مقصد حبشہ کی سیاسی صورت حال اور حالات کا جائزہ لینا تھا تا کہ اگر کبھی تبلیغ اسلام کو مکہ میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے اور اسلام کو پھیلانا ناممکن ہوجائے تو اسلام کے دیگر مراکز موجود ہوں اور حبشہ کے مطالعہ کی دوسری وجہ ہجرت دوم کے لیے حالات سازگار کرنا تھے کیونکہ پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا یہ خاصہ رہا ہے کہ کوئی بھی کام کرنے سے پہلے اس کی تمام جوانب کا دقت سے جائزہ لیا کرتے اور تمام حالات سے آگاہ رہا کرتے تھے چنانچہ اسی سیرت کا ایک عملی پہلو ہجرت حبشہ میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے اور یہی وجہ تھی کہ مہاجرین اولیہ کا یہ گروہ صرف دو ماہ بعد ہی تمام معلومات کے ساتھ پیامبر اکرم کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔

افسانہ غرانیق:

افسانہ غرانیق ہی وہ واقعہ ہے جسے مورخین نے حبشہ سے مسلمانوں کی واپسی کی علت گردانا ہے عام اہل سنت علماء کی تو بات ہی کیا بڑے بڑے محدثین حتیٰ کہ جناب بخاری تک نے اس واقعہ کو اپنی صحیح میں درج کیا ہے،(۱) اس داستان کا خلاصہ کچھ یوں ہے کہ مشرکین مکہ نے باہمی حالات میں کھنچاؤ ختم کرنے کی ایک تجویز پیش کی کہ ایک دوسرے کے خداؤں کو قبول کرلیا جائے تا کہ مکہ میں اختلافات کی فضا ختم ہوسکے اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے سورۃ کافرون نازل ہوئی اور ﴿لا اعبد ما تعبدون ولا انتم

۱۔ فتح الباری ج ۸ ص ۳۳۳

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

عابدون ما اعبد ﴾(۱) کا اعلان کر دیا گیا، اس کے باوجود پیامبر اکرمؐ چاہتے تھے کہ کسی طرح قریش کے ساتھ حالات سازگار ہو جائیں اور خداوند تعالیٰ کی جانب سے کوئی ایسا حکم آ جائے جس کی وجہ سے قریش اور مسلمانوں کے درمیان فاصلے کم ہو جائیں! چنانچہ ایک دن مسجد الحرام میں تشریف فرما تھے کہ سورہ النجم نازل ہوئی اور جب آنحضرتؐ ان آیات پر پہنچے کہ:

﴿افرایتم اللات والعزیٰ ومناة الثالثه الاخریٰ﴾(۲) تو ناگاہ شیطان نے دو جملے پیامبر گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان پر جاری کر دیئے کہ "تلک الغرانیق العلیٰ وان شفاعتھن لترجیٰ" آیت اور جملوں کا ترجمہ یہ ہے کہ "کیا لات وعزیٰ اور وہ تیسرے بت منات کو دیکھا ہے، یہ بلند پرواز کرنے والے پرندے ہیں اور ان کی شفاعت خوشنودی یا امید کا باعث ہے"، مشرکین مکہ یہ الفاظ سن کر خوش حال و مسرور ہو گئے اسی دوران پیامبر اکرمؐ آیت سجدہ پر پہنچ گئے تو مسلمانوں اور کافروں نے مل کر سجدہ کیا، حتیٰ ولید بن مغیرہ بھی اس بزم میں شریک تھا اور بوڑھا ہونے کی وجہ سے سجدہ نہیں کر سکتا تھا تو اس نے مٹی اٹھا کر اس پر سجدہ کیا، بعض روایات میں آیا ہے کہ ان آیات اور جملوں کے بعد مشرکین نے پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کندھوں پر اٹھا کر خوشی و مسرت کے عالم میں پورے مکہ میں گھمایا!

رات گئے جب حضرت جبرائیلؑ نازل ہوئے اور پیامبر اکرمؐ نے ان کے سامنے سورہ النجم کی تلاوت فرمائی تو حضرت جبرائیل نے مذکورہ جملے مسترد کر دیئے اور کہا کہ آپؐ نے لوگوں کو وہ چیز پڑھ کر سنائی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں فرمایا ہے اور اس کے بعد آنحضرتؐ پر سورہ حج کی آیت نازل ہوئی:

﴿وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیته ، فینسخ الله ما یلقی الشیطان ثم یحکم الله آیاته والله علیم حکیم﴾ "اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی

۱۔ سورہ کافرون ۲۔۳

۲۔ سورہ نجم آیات ۱۹۔۲۰

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نبی یا رسول نہیں بھیجا جب بھی اس نے کوئی نیک آرزو کی تو شیطان نے اس کی راہ میں کاوٹ ڈال دی تو پھر خدا نے شیطان کی ڈالی ہوئی رکاوٹ کو مٹا دیا اور پھر اپنی آیات کو مستحکم بنا دیا کہ وہ بہت زیادہ جاننے والا اور صاحب حکمت ہے"(۱) اور اس طرح وہ اضافی جملے قرآن سے نکال دیے گئے، اس واقعہ کی خبر حبشہ پہنچی تھی اور اسی وجہ سے مہاجرین اولیہ واپس آئے تھے، یہ ہے خلاصہ افسانہ غرانیق کا جسے اکثر سنی مفسرین و مورخین نے نقل کیا ہے۔

آیئے! اب اس واقعہ کا جائزہ لیتے ہیں ہمارے اور بہت سے علمائے اہل سنت کے نزدیک یہ واقعہ من گھڑت اور کذب محض ہے کیونکہ

۱۔ اس داستان کی سند محمد بن کعب قرظی، ابن عباس اور بعض تابعین پر ختم ہوتی ہے، محمد بن کعب قرظی، بنی قریظہ کے یہودیوں میں سے تھا اور اس کا کام قصہ گوئی تھا لوگوں کی توجہ کے پیش نظر معمولی بات کو بھی مرچ مصالحہ لگا کر اور خوب بڑھا چڑھا کر پیش کیا کرتا تھا، ابن عباس اور دیگر افراد اس وقت پیدا ہی نہیں ہوئے تھے اس لحاظ سے یہ روایت مرسل کے زمرہ میں آتی ہے۔

۲۔ یہ واقعہ قرآن مجید کی صریح آیات کا مخالف ہے، سورہ نجم میں خداوند متعال فرما رہا ہے کہ ﴿وما ینطق عن الھوی اِن ھو الا وحی یوحی﴾(۲) کہ وہ ہوا و ہوس کے پیش نظر بات ہی نہیں کرتا وہ جو کچھ ہے وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے، یہ کیسے ممکن ہے کہ ابھی چند آیات پہلے خداوند متعال پیغمبر کی عصمت کی گواہی دے اور فوراً ہی شیطان آنحضرتؐ پر غلبہ بھی پالے (نعوذ باللہ)!

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ شیطان کو مخاطب کر کے فرما رہا ہے: ﴿ان عبادی لیس لک علیھم سلطان الا من اتبعک من الغاوین﴾ "کہ تجھے میرے بندوں پر اختیار نہیں ہے سوائے ان گمراہوں

۱۔ سورہ حج آیت ۵۲

۲۔ سورۂ نجم آیت ۳۔۴

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کے جو تیری پیروی کرتے ہیں" (۱)

ان آیات کی روشنی میں شاید ہی کوئی مسلمان ایسا ہو جو افسانہ غرانیق کو صحیح تسلیم کرے لیکن کیا کیا جائے کہ بعض افراد نے تو اسے صحیح قرار دیتے ہوئے اپنی صحیح تک میں درج کر دیا ہے!

۳۔ تاریخ عرب جن افراد کی چالاکی، ہوشیاری کے قصیدے پڑھتی ہے کس طرح ممکن ہے کہ وہ لوگ اتنے سادہ ہوں کہ صرف دو جملوں پر اکتفا کر لیں اور پہلی اور بعد والی آیات جن میں بتوں اور بت پرستی کی مذمت کی جائے کو نظر انداز کر دیں!

۴۔ ان تمام آیات کو اگر ان دو جملوں کے ساتھ ملا کر ترجمہ کیا جائے تو معمولی فہم و فراست کا حامل انسان بھی اس میں موجود ضد و نقیض باتوں کی جانب متوجہ ہو جائے گا جبکہ اس واقعہ کے ناقلین کے نزدیک نعوذ باللہ پیامبر گرامیؐ رات گئے تک اس جانب متوجہ نہیں ہوئے یہاں تک کہ حضرت جبرائیلؑ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آگاہ کیا، ان قرائن کے علاوہ دسیوں ایسے قرائن و شواہد ہیں جو اس واقعہ کے جھوٹا ہونے کو ثابت کر رہے ہیں اور ہم انہی پر اکتفا کرتے ہوئے اس بحث کو یہاں تمام کرتے ہیں۔

دوسری ہجرت حبشہ:

حبشہ کی جانب انجام پانے والی پہلی ہجرت کے مطالعات کی روشنی میں اور بنی ہاشم کے خلاف ہونے والے معاہدوں سے پہلے، (۲) دوسری ہجرت انجام پائی، قابل توجہ ہے کہ اس ہجرت میں وہ تمام مسلمان شریک ہوتے ہیں جو ایک مرتبہ پہلے حبشہ ہجرت کر چکے تھے (۳) اور کمزور و نادار مسلمانوں کی تعداد

۱۔ سورہ حجر آیت ۴۲۔

۲۔ سیرہ ابن کثیر، ج ۱ ص ۲۵۲

۳۔ مزید مطالعہ کے لیے: سیرہ ابن ہشام ج ۱ ۳۲۱، طبقات ابن سعد، ج ۱ ص ۲۰۶، انساب الاشراف ج ۱ ص ۱۹۱، سیرہ حلبیہ ج ۱ ص ۳۲۸ و...

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حسب سابق اس مرتبہ بھی کم نظر آتی ہے ۸۳ مرد اور ۱۳ خواتین کے اس قافلہ میں بہت سے حمایت یافتہ افراد کو عازم سفر دیکھ کر اس نظریہ کو تقویت ملتی ہے کہ حبشہ کی جانب ہجرت کا بنیادی ہدف مشرکین مکہ کی جانب سے پہنچنے والی آزار و اذیت سے بچاؤ نہیں بلکہ ایک مرکز کی فراہمی تھا۔

خلاصہ کلام مسلمانوں کا یہ گروہ قریش سے نظر بچا کر خاموشی سے عازم حبشہ ہوا، حبشہ میں اتنے سارے مسلمانوں کی موجودگی نے قریش کو پریشان کر دیا لہٰذا دار الندوۃ "پارلیمنٹ" کے فیصلہ کے مطابق عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ یا عمارۃ بن الولید کے ذمہ مسلمانوں کی واپسی کا کام سونپا گیا اور انھیں یہ ہدایت کی گئی کہ بادشاہ حبشہ نجاشی سے ملاقات کرنے سے قبل وزارء و امراء کو تحفے تحائف دیکر اپنا ہمنوا بنانا تاکہ جب تم درخواست کرو تو یہ لوگ تمھاری ہاں میں ہاں ملائیں، چنانچہ حبشہ پہنچ کر قریش کے اس دو نفری وفد نے طے شدہ منصوبہ کے ساتھ وزراء و امراء کو اپنا ہمنوا بنایا اور نجاشی کے دربار میں حاضر ہو گئے اور بادشاہ کے حضور میں عرض کیا کہ اے بادشاہ حبشہ ہماری قوم کے کچھ لوگ جو ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہتے ہیں، فرار ہو کر آپ کی مملکت میں آئے ہیں برائے مہربانی آپ اس گروہ کو ہمارے حوالے کر دیں۔

جواب میں نجاشی نے حضرت جعفر ابن ابی طالبؑ کو بلا بھیجا جب جناب جعفر طیار دربار میں تشریف لائے تو نجاشی نے قریش کا مطالبہ دہرایا، جس کے جواب میں جناب جعفر طیار گویا ہوئے کہ ان سے پوچھیے کیا ہم ان کے غلام ہیں؟ عمرو بن عاص نے جواب دیا نہیں آپ نہ صرف غلام نہیں ہیں بلکہ آپ سردار ہیں اور آپ کا شمار بزرگوں میں ہوتا ہے۔

جناب جعفرؑ طیار نے سوال کیا کہ ہم کسی کے مقروض ہیں؟ یا کسی کا خون بہا ہماری گردنوں پر ہے؟ عمرو بن عاص نے نفی میں جواب دیا اور کہا کہ بادشاہ سلامت یہ لوگ ہمیں اور ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہتے ہیں، انھوں نے ہمارے نوجوانوں کو گمراہ اور ہمارے باہمی اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا ہے انھیں ہمارے حوالے کیا جائے تاکہ اتحاد و اتفاق کی فضا دوبارہ برقرار ہو سکے۔

عمرو بن عاص کی گفتگو کے جواب میں جناب جعفر طیار نے حقائق و معارف میں ڈوبی ہوئی ایسی

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تقریر کی جس کے نتیجہ میں قریش کی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا، جناب جعفر بن ابی طالبؑ نے فرمایا: اے بادشاہ حبشہ ہم ایک ایسی قوم تھے جو بتوں کے سامنے سجدہ ریز اور گناہوں میں آلودہ تھی، مردار ہماری غذا، قمار و جوا ہمارا شغل، برائیوں کی انجام دہی اور نیکیوں سے روکنا ہماری عادت، خونریزی ہمارا فخر اور قطع رحم ہماری سرشت بن چکی تھی۔

خدا نے ہم پر رحم فرمایا: اور اپنا ایک رسول ہمارے درمیان مبعوث فرمایا جو ہمیں حکم دیتا ہے کہ کسی کو خدا کا شریک قرار نہ دیں اور اس کے علاوہ کسی کو لائق عبادت نہ سمجھیں، وہ نبی ہمیں نماز پڑھنے، زکات دینے اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیتا ہے اور ظلم و ستم، زنا، چوری اور خونریزی سے منع کرتا ہے۔(۱)

جناب جعفر طیار کی اس تقریر کا نجاشی پر خاطر خواہ اثر ہوا اور نجاشی نے مہاجرین کو قریش کے حوالہ کرنے سے انکار کردیا، قریش کے نمائندوں نے یہ صورت حال دیکھ کر اسلام اور عیسائیت کے باہمی اختلاف کو نشانہ بنانے کی کوشش کی اور کہا کہ یہ لوگ عیسائیت کے بھی دشمن ہیں اور حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں آپ لوگوں سے علیحدہ کسی عقیدہ کے حامل ہیں، نجاشی نے اس سلسلہ میں جب جناب جعفرؓ طیار سے سوال کیا تو آپ نے جو کچھ اس سلسلہ میں پیامبر گرامیؐ سے سیکھا تھا کہہ ڈالا کہ حضرت عیسیٰؑ کلمۂ الٰہی ہیں جنھیں خدا حضرت مریمؑ کے بطن مبارک سے وجود میں لایا اور پھر جناب جعفر طیارؓ نے سورہ مریم کی تلاوت کی جس کی وجہ سے نجاشی کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے، اور اس نے مہاجرین کو حبشہ میں رہنے کی اجازت دے دی۔

حبشہ کی جانب ہونے والی دوسری ہجرت کا خلاصہ تحریر کرنے کے بعد گذشتہ نظریہ کی روشنی میں

۱۔ رجوع کریں: سیرہ ابن ہشام ج ۱ ص ۳۶۰، سیرہ ابن کثیر ج ۲ ص ۲۱، البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۷۴، سیرہ حلبیہ ج ۱ ص ۳۲۰، الکامل ابن کثیر ج ۲ ص ۸۰۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس کا جائزہ لیتے ہیں کہ حبشہ کی جانب ہجرت دراصل جزیرۃ العرب خصوصاً مکہ میں تبلیغ اسلام کو درپیش مشکلات کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلام کے لئے ایک مرکز کی فراہمی کے لیے انجام پائی اور حبشہ کو اسلام کا متوقع مرکز بنانے سے پہلے ہجرت اول کے ذریعے حبشہ کا جائزہ لیا گیا اور پھر دوسری ہجرت کے ذریعہ مسلمان حبشہ میں سکونت پذیر ہوئے اور اس وقت تک متوقع مرکز میں رکے رہے جب تک جزیرۃ العرب میں اسلام نے اپنی جڑیں مضبوط نہیں کرلیں اور مدینہ منورہ اسلام کے مرکز کا روپ نہیں دھار گیا۔

اس سلسلہ میں مزید شواہد کے طور پر ہم دیکھتے ہیں قریش صرف دوسری ہجرت کے مہاجرین کی واپسی کے لیے وفد روانہ کرتے ہیں کیونکہ اب وہ مسلمانوں کے متوقع مرکز سے آگاہ ہو گئے ہیں اور اس کے خطرناک نتائج بھی ان کے سامنے ہیں۔

نیز اس سلسلہ میں عموماً مورخین نے لکھا ہے کہ قریش کا وفد مہاجرین کو واپس پلٹانے کے لیے گیا تھا لیکن یہ نقل صحیح نہیں ہے بلکہ قریش کے وفد کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ جس طرح بھی ہو سکے مسلمانوں کو حبشہ میں نہ رہنے دیا جائے اور ان کے اس مرکز کو ختم کردیا جائے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ نجاشی بادشاہ اگر ان سو افراد پر مشتمل مسلمانوں کے اس کاروان کو ہاتھ پیر باندھ کر بھی قریش کے دو نفری وفد کے حوالہ کر دیتا تب بھی وہ لوگ انھیں مکہ لانے کی طاقت نہیں رکھتے تھے، لہٰذا ان کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں نے ایک پرامن مرکز کے طور پر جس سرزمین کا مطالعہ کیا تھا اس سرزمین سے انھیں محروم کردینا چاہیے اور جب حبشہ کی سرزمین ان پر تنگ ہو جائیگی تو لامحالہ یہ لوگ واپس مکہ پلٹ آئیں گے، مزید یہ کہ مہاجرین کی ایک تعداد کچھ ہی مدت بعد مکہ پلٹ آئی اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ مکہ کے دروازے ان لوگوں پر بند نہیں تھے اور قریش کا مقصد بھی انھیں مکہ لوٹانا نہیں تھا بلکہ حبشہ میں موجود مرکز کا خاتمہ تھا۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تیسری فصل

jabir.abbas@yahoo.com

شعب ابیطالب سے سفر طائف تک

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

شعب ابی طالبؑ:

مشرکین کی جانب سے ڈھائے جانے والے بے پناہ ظلم وستم کے مقابلہ میں مسلمانوں کے صبر واستقامت کے مظاہرہ اور مکہ اور اس کے گردنواح میں تیزی سے پھیلتے ہوئے اسلام سے تنگ آکر مشرکین مکہ قتل پیامبر اکرمؐ کے منصوبے بنایا کرتے تھے لیکن ان تمام منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں سب سے بڑی رکاوٹ حضرت ابوطالبؑ کی شخصیت تھی، حضرت ابوطالبؑ اور بنی ہاشم کی وجہ سے دارالندوۃ میں پیش ہونے والے منصوبے ابتدائی مرحلہ میں ہی مسترد کر دیے جاتے تھے۔

ہجرت حبشہ کے بعد نجاشی کے دربار میں ہونے والی ناکامی نے قریش کے زخموں کو گہرا کر دیا تھا کیونکہ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد ان کے دائرہ قدرت سے خارج ہو کر ایک دائمی خطرے کا روپ دھار گئی تھی۔

ان مسائل کا سد باب کرنے کے لئے روساء قریش دارالندوہ میں اکٹھے ہوئے اور حسب سابق آج بھی تمام مسائل کا حل انھیں اپنی پرانی خواہش یعنی قتل پیامبر اکرمؐ کی صورت میں نظر آیا لیکن اس خواہش کو حضرت ابوطالبؑ اور بنی ہاشم کی حمایت کے بغیر جامہ عمل پہنانے کا مطلب خود اپنی جانوں سے ہاتھ دھونا اور مکہ میں خون کی ندیاں بہانے کے مترادف تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حضرت ابوطالبؑ اور بنی ہاشم کبھی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت و پشت پناہی سے دست بردار نہیں ہوں گے لہذا آج پھر اس منصوبہ کو کسی اور وقت کے لیے رکھ چھوڑا (۱) اور یہ طے پایا کہ بنی ہاشم اور حضرت ابوطالبؑ پر سماجی اور

۱۔ تاریخ یعقوبی ج۱ص ۳۸۸، انساب الاشراف ج۱ص ۲۳۰ و ۲۳۷۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اقتصادی حوالے سے اس قدر بوجھ ڈالا جائے کہ بنی ہاشم مجبور ہو کر پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت سے دستبردار ہو جائیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمارے حوالہ کر دیں۔

اس منصوبہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے تمام قبائل نے مل کر ایک معاہدہ تحریر کیا، جس کی رو سے جب تک بنی ہاشم پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قریش کے حوالہ نہیں کریں گے اس وقت تک کسی شخص کو قطعاً یہ اجازت نہیں کہ وہ بنی ہاشم کو کوئی چیز فروخت کرے یا ان سے کوئی چیز خریدے یا ان کے ساتھ رشتہ ازدواج قائم کرے۔

معاہدہ کے بعد حضرت ابو طالبؑ نے تمام بنی ہاشم کو جمع کیا اور یکم محرم الحرام ۷ ھ کو شعب ابی طالب میں منتقل ہو گئے (۱) وہیں پر بنی عبد مطلب بھی آپ کے ہمراہ آگئے، بعض منابع میں ذکر ہے کہ قریش کے دباؤ اور ان کے حکم پر کہ جس میں آپ لوگوں کو مکہ سے نکل جانے کا حکم دیا گیا تھا،، شعب میں منتقل ہوئے۔

بائیکاٹ کا آغاز:

بنی ہاشم کے خلاف انجام پانے والے معاہد صحیفہ،، پر قریش کے چالیس سرکردہ افراد نے مہر تصدیق ثبت کی اور صحیفہ کو کعبہ میں یا بعض روایات کی بناء پر ام ابی جہل کے پاس رکھا گیا، معاہدہ پر عمل درآمد کے لیے بعض ناظر مقرر کیے گئے تا کہ کوئی شخص بنی ہاشم سے لین دین نہ کر سکے (۲)

بنی ہاشم شعب میں منتقل ہونے کے بعد صرف عمرہ (رجب) اور حج (ذی الحجہ) کے مہینوں میں شعب سے باہر آتے اور اس دوران کھانے پینے کی چیزوں کی خریداری کی کوشش کرتے، معاہدہ کی رو سے

۱۔ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۲۰۹، سیرہ ابن ہشام ج ۱ ص ۳۵۰، ۳۵۱، تاریخ طبری ج ۲ ص ۳۳۶، الروض الانف ج ۳ ص ۳۸۲، دلائل النبوہ ج ۲ ص ۳۱۱۔

۲۔ مناقب ابن شہر آشوب ج ۱ ص ۶۴۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اہل مکہ بنی ہاشم کو کوئی چیز فروخت نہیں کرتے تھے لہذا بنی ہاشم ناچار ہو کر باہر سے آنے والے تاجروں کی جانب رخ کرتے جبکہ دوسری جانب قریش مکہ میں آنے والے ہر تاجر کو ڈراتے دھمکاتے کہ بنی ہاشم کو کوئی چیز فروخت نہیں کی جاسکتی اور اگر قبائلی معاہدوں کی روشنی میں کسی کو ڈرانا دھمکانا ممکن نہ ہوتا تو اس سے تمام سامان خرید لیتے یا پھر جہاں کہیں کوئی ہاشمی کسی چیز کو خریدنے کی کوشش کرتا تو اپنی جانب سے اس کی دگنی قیمت لگا دیتے اور پھر بولی کی صورت میں اگر وہ چیز ہاشمی کے دائرہ اختیار سے خارج ہو جاتی تو خود خرید لیتے یا کئی گنا اضافہ کے ساتھ بنی ہاشم کو خریدنا پڑتی اور اس قسم کی حرکتوں میں ابولہب ہمیشہ آگے آگے ہوتا، خرید و فروخت پر کڑی نگرانی کے باوجود رات کی تاریکی میں امیر المومنینؑ خاموشی کے ساتھ مکہ جا کر خورد و نوش کا سامان لایا کرتے تھے۔

قریش کے اس محاصرہ و مقاطعہ کے نتیجہ میں رفتہ رفتہ حضرت خدیجہؑ اور بنی ہاشم کا مال ختم ہو گیا اور نوبت درخت کے پتے چبانے اور کھجور کی گٹھلیاں پیس پیس کر کھانے پر پہنچ گئی (۱) بھوک سے نڈھال بچوں کی آہیں اور سسکیاں رات کی تاریکی میں بعض لوگوں کے لیے شرمندگی و ندامت اور بعض کے لیے فرحت و سرور کا باعث بنتیں۔.....

بنی ہاشم پر گزرنے والے ان سخت ایام میں بعض لوگوں نے خاموشی سے ان کی مدد کا فیصلہ کیا، رات کی تاریکی میں کچھ لوگ مثلاً حکیم بن حزام و ابو البختری وغیرہ اونٹ پر غلہ لاد کر شعب کی جانب ہنکا دیتے۔(۲)

شعب میں منتقل ہو جانے کے باوجود حضرت ابوطالبؑ کو پیامبر اکرمؐ کی فکر دامن گیر رہتی خصوصی دیکھ بھال کے علاوہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر پہرہ دیتے، رات کی تاریکی میں آنحضرتؐ کی جگہ تبدیل

۱۔ سیرہ حلبیہ ج۱ ص ۳۳۷۔

۲۔ سیرہ حلبیہ ج۱ ص ۳۳۶۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کرتے اور دوسری جگہ بستر فراہم کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جگہ حضرت علی علیہ السلام یا کسی اور کو سلاتے ۔(۱) سختی، مصائب اور مشکلات میں بسر ہوتے ہوئے بنی ہاشم کے شب وروز نے مکہ کے کچھ سرداروں کے قلوب کو نرم کردیا مثلاً ابو البختری، حکیم بن حزام، عدی بن حاتم وغیرہ ...

چنانچہ انہوں نے مسجد الحرام میں معاہدہ ختم کرنے کی بات کی جس کے جواب میں ابوجہل وغیرہ نے سخت مخالفت کی اور معاہدہ کو جاری رکھنے کا فیصلہ کیا، ابھی اسی سلسلہ میں گفتگو ہورہی تھی کہ قریش مکہ نے دیکھا کہ حضرت ابوطالبؑ مسجد الحرام میں تشریف لائے، یہ دیکھ کر ان کی آس بندھی کہ شاید ابوطالبؑ کی ہمت جواب دے گئی ہے اور وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمارے حوالہ کرنے پر رضامند ہوگئے ہیں۔

حضرت ابوطالبؑ تشریف لائے اور بھتیجے کی صداقت کی گواہی دینے کے بعد فرمایا کہ میرے بھتیجے نے مجھے آگاہ کیا ہے کہ تمہارے ظلم وستم اور قطع رحمی کی دستاویز کو دیمک چاٹ گئی ہے اور سوائے نام خدا کے کچھ بھی باقی نہیں بچا، معاہدہ کو لایا گیا اور جب دیکھا گیا تو سوائے کلمہ "بسمک اللھم" کے کچھ بھی نہ تھا، یہ منظر دیکھ کر قریش مبہوت ہوگئے اور آنحضرت پر سحر وجادوگری کا الزام تھوپنے لگے بعض لوگ صحیفہ کی موافقت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور بعض نے مخالفت شروع کردی، مخالفین صحیفہ کی تعداد زیادہ اور قوی تھی چنانچہ اس طرح معاہدہ کو ختم کرنا پڑا۔

چند باتیں:

شعب ابی طالبؑ کی مختصر سی روداد قلمبند کرنے کے بعد اس تاریخی واقعہ میں موجود چند نکات کی جانب اشارہ کرتے ہیں:

اول: بعض تاریخی منابع (۲) میں مذکور ہے کہ قریش نے بنی ہاشم کو مکہ سے نکل جانے کا حکم دیا یا

۱۔ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۳۱۰ ، دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۳۱۲۔

۲۔تاریخ یعقوبی ج ۱ ص ۳۸۹ ، انساب الاشراف ج ۱ ص ۲۳۰ ، سیرہ حلبیہ ج ۱ ص ۳۳۶۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مکہ سے نکال دیا! اگر چند باتوں کی جانب توجہ کی جائے تو اس نظریہ کی بے پائیگی کا احساس ہوتا ہے:

الف:۔شعب ابی طالبؑ کا فاصلہ مسجد الحرام سے چند قدم ہے لہٰذا شعب میں منتقل ہونے کو مکہ سے نکالا جانا نہیں کہا جاسکتا ہے۔

ب: اگر قریش میں بنی ہاشم کو مکہ سے نکال باہر کرنے کی طاقت وقوت تھی تو پھر شدید خواہش کے باوجود پیامبر اکرمؐ کے قتل کا معاہدہ کیوں نہیں کیا (جیسا کہ حضرت ابو طالبؑ کی وفات کے بعد کیا گیا) یا انھیں واقعاً وحقیقتاً مکہ سے کیوں نہیں نکالا! ان شواہد اور قریش کی عادات کو کہ وہ ہمیشہ اسلام کے خلاف اپنے بس میں موجود آخری حربہ کو بروئے کار لاتے تھے مدنظر رکھا جائے تو یہ سمجھ آتا ہے کہ قریش کے بس میں صرف اقتصادی ومعاشرتی بائیکاٹ تھا اور اس پر انھوں نے عمل کیا۔

دوم: عام طور پر سیرت نویسوں نے ذکر کیا ہے کہ مکہ کے بعض سرکردہ افراد کھانے پینے کی چیزیں اونٹ پر لاد کر شعب کی جانب روانہ کردیتے تھے، آیئے ذرا اس حقیقت کا جائزہ لینے کی کوشش کرتے ہیں:

اکثر منابع میں مذکور ہے کہ حضرت خدیجہؑ مکہ کی ثروت مند خاتون تھی، سینکڑوں غلام وکنیزیں اور مال تجارت بار کرنے والے سینکڑوں جانور آپ کی ملکیت تھے اور آپ کی یہ تمام دولت اسلام کی راہ میں صرف ہوئی، سوال یہ ہے کہ حضرت خدیجہؑ کی یہ دولت کن مصارف میں خرچ ہوئی، کیا غرباء وغلاموں کو اسلام قبول کرنے کے معاوضہ میں دی جاتی تھی؟ کیا سرداران قریش کا منہ بند کرنے کے لیے خرچ ہوتی تھی؟ ہرگز نہیں ہمیں کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا کہ کسی کو مسلمان ہونے کا معاوضہ دیا گیا ہو یا قریشی سرداروں کو ہرجانہ ادا کیا گیا ہو۔

مذکورہ سوال کے جواب میں عموماً بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت خدیجہؑ کی دولت شعب میں محاصرہ کے دوران ختم ہوگئی، دوسری جانب ہم دیکھتے ہیں کہ شعب میں محاصرہ کے دوران بنی ہاشم صرف رجب اور ذی الحجہ کے مہینوں میں خریداری کے لئے باہر آتے تھے اور معاہدہ کی رو سے اہل مکہ انھیں کوئی چیز فروخت

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نہیں کرتے تھے تو لامحالہ یہ لوگ ان تاجروں کی جانب رخ کرتے ہیں جو دوسرے علاقوں سے مکہ آتے تھے اور قریش، مکہ میں وارد ہونے والے تاجروں کو ڈراتے دھمکاتے کہ بنی ہاشم کو کوئی چیز فروخت نہ کریں اور اگر کسی کو قبائلی معاہدوں کے پیش نظر روکنا ممکن نہ ہوتا تو اس سے تمام سامان خرید لیتے یا اس کے ہمراہ رہتے اور جب بنی ہاشم کا کوئی فرد کچھ خریدنے لگتا تو یہ آگے بڑھ کر اس چیز کے دام بڑھا دیتے اور یہ سلسلہ اس وقت تک چلتا کہ یا تو بنی ہاشم کو اس چیز سے صرف نظر کرنا پڑتی یا پھر انتہائی مہنگے داموں خریدنا پڑتی تھی۔

آیئے ایک مرتبہ پھر ہم اپنے اسی سوال کی جانب پلٹتے ہیں کہ آخر تین سال سے بھی کم عرصہ میں حضرت خدیجہؑ اور بنی ہاشم کی تمام دولت کیسے ختم ہوگئی جبکہ خرید و فروخت پر قریش کی جانب سے اتنی کڑی نگرانی تھی؟!

اس سوال کا جواب ہمیں اس وقت ملتا ہے جب ہم شعب ابی طالب کی جانب خوراک سے لدا ہوا اونٹ بھیجنے والوں کی شخصیت کا جائزہ لیتے ہیں، اس سلسلہ میں سب سے زیادہ نام حکیم بن حزام وغیرہ کا لیا جاتا ہے۔

حکیم بن حزام مکہ کا ذخیرہ اندوز آدمی تھا حتیٰ کہ عہد رسول اکرمؐ میں مدینہ کی جانب آنے والے غلہ کو خرید کر ذخیرہ کر لیا کرتا تھا، یہ شخص شب ہجرت قتل پیامبر گرامی کے سلسلہ میں رات بھر پیامبر گرامیؐ کے دروازہ کے باہر انتظار کرنے والے دستہ میں شامل اور اسلام کی فتح و کامیابی کے بعد مؤلفۃ القلوب کی صف میں کھڑا تھا۔(۱)

اس شخص کی شخصیت کو مدنظر رکھتے ہوئے مذکورہ سوال کا جواب روشن ہو جاتا ہے کہ یہ لوگ تاجروں سے سامان خرید لیتے اور پھر یہی سامان کئی گنا اضافی قیمت کے ساتھ شعب میں موجود بنی ہاشم کے ہاتھوں فروخت کر دیتے تھے اور شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت خدیجہؑ کی بے پناہ دولت کچھ ہی عرصہ میں ختم ہوگئی۔

۱۔ الصحیح ج ۴ ص ۱۴۵۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

واقعہ معراج :

اسراء اور معراج تاریخ اسلام کے اہم واقعات شمار ہوتے ہیں اسراء کا مطلب رات کی تاریکی میں پیغمبر اکرمؐ کو مسجد الحرام سے مسجد الاقصیٰ کی جانب سفر پر لے جایا جانا ہے اور معراج پیغمبر اکرمؐ کے آسمانی سفر کو کہا جاتا ہے، تاریخ اسلام میں مذکورہ واقعہ کو بہت سے راویوں نے نقل کیا ہے ذیل میں چند روایات کے ضمن میں واقعہ معراج نقل کرنے کے بعد ہم اسکا جائزہ لیں گے۔

حسن بصری سے روایت ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ''میں مقام حجر (حطیم) میں سو رہا تھا کہ میرے پاس حضرت جبرائیل آئے اور انہوں نے مجھے اپنے پاؤں سے دبایا تو میں اٹھ کر بیٹھ گیا، میں نے اطراف میں کوئی چیز نہیں دیکھی تو دوبارہ لیٹ گیا، حضرت جبرائیل دوبارہ آئے اور اپنے پاؤں سے دبایا تو میں اٹھ بیٹھا جب کچھ نہ دیکھا تو پھر سو گیا تیسری بار وہ میرے پاس آئے اور اپنے پاؤں سے مجھے دبایا تو میں اٹھ بیٹھا انہوں نے میرا بازو پکڑا اور میں ان کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا وہ مجھے لے کر مسجد کے دروازے کی طرف نکلے تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سفید چوپایہ خچر اور گدھے کے درمیان قد والا موجود ہے اس کی رانوں میں دو پنکھ ہیں جس سے وہ اپنے دونوں پاؤں کریدرہا ہے اور اس کی خاصیت یہ ہے کہ اپنی نظر کی انتہا پر اپنا پاؤں رکھتا ہے انہوں نے مجھے اس پر سوار کرایا اور اسکے بعد میرے ساتھ نکل چلے، نہ وہ مجھ سے دور ہوئے تھے اور نہ میں ان سے۔

حسن بصری کہتے ہیں کہ پھر پیغمبر اکرمؐ چلے اور حضرت جبرائیل بھی آپؐ کے ساتھ چلے یہاں تک کہ آپ کو لے کر بیت المقدس پہنچے وہاں حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو چند انبیاء کے ساتھ پایا، رسول اکرمؐ نے ان کی امامت کی اور انہیں نماز پڑھائی، پھر دو برتن لائے گئے ایک میں دودھ تھا اور دوسرے میں شراب تھی پیغمبر اکرمؐ نے دودھ کا برتن لیا اور اس میں سے نوش فرمایا اور شراب کے برتن کو چھوا بھی نہیں، یہ دیکھ کر جبرائیل نے کہا: ''آپ نے فطرت کی راہ پائی اور آپ کی امت سیدھے راستے پر لگ گئی اور شراب

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

آپ پر حرام قرار دی گئی، اسکے بعد پیغمبر اکرم مکہ کی جانب پلٹے اور جب صبح ہوئی تو آپ قریش کے پاس پہنچے اور اس واقعہ کی انہیں اطلاع دی، اکثر لوگوں نے کہا کہ واللہ یہ تو قطعی طور پر نا قابل قبول ہے، خدا کی قسم مکہ سے شام کی جانب قافلہ ایک مہینے میں جاتا اور ایک مہینے میں لوٹ کر آتا ہے، کیا محمدؐ یہ طولانی مسافت ایک رات میں طے کر کے مکہ میں واپس آسکتے ہیں؟

پھر پیغمبر اکرم کی زبانی یہ واقعہ سن کر بہت سے لوگ جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا مرتد ہو گئے، لوگ ابو بکر کے پاس گئے اور ان سے کہا کیا تمہیں اپنے دوست کے متعلق اب بھی حسن ظن ہے وہ تو دعویٰ کرتے ہیں کہ آج کی رات بیت المقدس پہنچے اور اس میں نماز پڑھی اور مکہ واپس آئے تو ابو بکر نے کہا تمہیں اس پر حیرت کیوں ہے؟ انہوں نے تو مجھے یہ خبر دی ہے کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے دن یا رات کی ایک گھڑی میں خبر آتی ہے اور میں اسکی تصدیق کرتا ہوں یہ بات تو اس سے بھی زیادہ بعید ہے جس پر تم تعجب کر رہے ہو، پھر ابو بکر پیغمبر اکرم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہؐ بیت المقدس کے اوصاف بیان فرمایئے کیونکہ میں وہاں جا چکا ہوں۔

حسن بصری کہتے ہیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "فرفع لی حتی نظرت الیہ" بیت المقدس میرے سامنے اسطرح پیش کیا گیا کہ میں اسے دیکھنے لگا اسکے بعد پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب ابو بکر سے اسکے اوصاف بیان فرمانے لگے اور ابو بکر تصدیق کرتے جاتے یہاں تک بیان ختم ہوا اور پیغمبر اکرمؐ نے ابو بکر سے فرمایا: انت یا ابو بکر الصدیق " اے ابو بکر تم صدیق ہو" غرض اسی دن آپؐ نے ابو بکر کو صدیق کا لقب عطا فرمایا۔

حسن بصری کہتے ہیں اس واقعہ کی وجہ سے جو لوگ اسلام سے مرتد ہو گئے تھے ان کے متعلق خداوند متعال نے فرمایا: ﴿وما جعلنا الرء یا التی اریناک الا فتنة للناس والشجرة الملعونة فی القرآن ونخوفهم فما یزیدهم الا طغیانا کبیرا﴾ "جو نظارہ ہم نے تمہیں دکھایا اور جس درخت پر قرآن میں لعنت کی گئی یہ تو لوگوں کے لئے صرف ایک آزمائش تھی اور ہم انہیں ڈراتے ہیں تو یہ

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ڈرانا ان میں مزید سرکشی ہی کو زیادہ کرتا ہے"(۱)

واقعہ اسراء اور معراج کے متعلق حضرت ام ہانی کی روایت کچھ اس طرح ہے کہ آپ فرماتی ہیں: رسول اکرمؐ کو جس رات سفر کروایا گیا اس رات آپؐ میرے گھر ہی تشریف فرما تھے آپؐ نے عشاء کی نماز پڑھی اور اسکے بعد آرام فرمانے لگے اور ہم بھی سو گئے، فجر سے کچھ پہلے آنحضرتؐ نے ہمیں جگایا اور ہم سب نے آپؐ کے ساتھ صبح کی نماز ادا کی تو آپؐ نے فرمایا: اے ام ہانی! میں نے رات کی آخری نماز تم لوگوں کے ساتھ اسی وادی میں پڑھی جیسا کہ تم نے دیکھا پھر میں بیت المقدس پہنچا اور وہاں نماز پڑھی اور پھر صبح کی نماز تمھارے ساتھ ادا کی جیسا کہ تم دیکھ رہی ہو۔

پھر آپؐ کھڑے ہو گئے کہ باہر تشریف لے جائیں تو میں نے آپ کی چادر کا کنارہ پکڑ لیا، آپؐ کے شکم مبارک سے چادر ہٹ گئی تو ایسا معلوم ہوا کہ قبطی کپڑا۔ جو نہایت سفید اور باریک ہوتا ہے۔ تہہ کیا ہوا ہے، میں نے عرض کی: اے اللہ کے نبیؐ یہ بات لوگوں سے بیان نہ فرمایئے کہ وہ آپ کو جھٹلائیں گے اور تکلیف دیں گے، یہ سن کر آپؐ نے فرمایا: واللہ لا حدثنہم؛ خدا کی قسم میں یہ ضرور بیان کروں گا" حضرت ام ہانی فرماتی ہیں: میں نے اپنی ایک حبشی کنیز سے کہا کہ رسول اکرمؐ کے پیچھے جاؤ اور دیکھو کہ آنحضرت لوگوں سے کیا فرماتے ہیں اور لوگ کیا جواب دیتے ہیں۔

جب رسول اکرمؐ لوگوں کے پاس باہر تشریف لے گئے اور انہیں اس واقعہ کی اطلاع دی تو وہ حیران ہو گئے اور کہا اے محمدؐ اس بات کا کیا ثبوت ہے؟ کیونکہ ہم نے تو کبھی اس قسم کے واقعات نہیں سنے آپؐ نے فرمایا: اس کا ثبوت یہ ہے کہ میں فلاں قبیلہ کے قافلہ کے پاس سے گزرا جو فلاں وادی میں تھا تو اس قافلہ کے اونٹوں کو میری سواری کے احساس نے بدکا دیا اور ان کا ایک اونٹ بھاگ گیا تو میں نے اس اونٹ کی جانب ان کی رہنمائی کی، اس وقت میں شام کی جانب جا رہا تھا، پھر میں واپس آیا یہاں تک کہ مقام

۱۔ سورہ اسراء آیت ۶۰، سیرہ ابن ہشام ج ۱ ص ۴۳۹۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ضجنان میں فلاں قبیلہ کے پاس سے گزرا تو میں نے ان لوگوں کو سوتا پایا اور ان کا ایک برتن رکھا تھا جس میں پانی تھا اور انہوں نے اس پر کوئی چیز ڈھانک دی تھی، میں نے اس کا ڈھکنا کھولا اور جو چیز اس میں تھی وہ پی لی پھر جیسے تھا ویسے ہی اسے ڈھانک دیا اور اسکا ثبوت یہ ہے کہ ان کا قافلہ اس وقت مقام بیضاء کے کوہ تنعیم سے اتر چکا تھا اور اس کے آگے ایک بھورا سیاہی مائل اونٹ ہے جس پر دو تھیلے ہیں ان میں سے ایک سیاہ اور دوسرا مختلف رنگوں کا ہے۔

حضرت ام ہانی کہتی ہیں پھر لوگ اس پہاڑی کی جانب دوڑے تو انہیں پہلا اونٹ نہ ملا" کیونکہ وہ پہاڑی سے اتر کر آگے بڑھ چکا تھا" لوگوں نے قافلہ والوں سے اس برتن کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے خبر دی کہ اس میں پانی بھر کر رکھا تھا اور ڈھانپ بھی دیا تھا، جب وہ اٹھے تو انہوں نے اس کو اسی طرح ڈھکا ہوا پایا جس طرح انہوں نے اسے ڈھانک کر رکھا تھا لیکن اس میں پانی نہ تھا، دوسرے لوگوں سے بھی دریافت کیا جو مکہ میں آ چکے تھے، انہوں نے بھی کہا یہ بالکل سچ ہے بیشک ہمارے اونٹ اسی وادی میں، جسکا ذکر کیا گیا ہے، بدکے تھے اور ہمارا ایک اونٹ بھاگ گیا تھا تو ہم نے ایک ایسے شخص کی آواز سنی جو ہمیں اس کی جانب بلا رہا تھا چنانچہ ہم نے بالآخر وہ اونٹ پا ہی لیا(۱) مذکورہ دونوں روایات اسراء سے متعلق ہیں اور ان روایات کا جائزہ لینے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ معراج کے بارے میں منقول روایات بھی نقل کر دی جائیں:

ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بیت المقدس میں جو کچھ ہوا، اس سے جب میں فارغ ہوا تو سیڑھی لائی گئی اور میں نے اس سے بہتر کوئی چیز نہیں دیکھی اور یہ وہی چیز ہے جس کی جانب تمہارے مردے اپنی آنکھیں کھولے تکتے رہتے ہیں، میرے ساتھی نے مجھے سیڑھی پر چڑھایا یہاں تک کہ مجھے لے کر آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازے

۱۔ سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۳۴۳

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

دروازے تک پہنچا جس کا نام باب الحفظہ نگہبانوں کا دروازہ تھا اس دروازے پر اسماعیل نامی فرشتہ جس کے ماتحت بارہ ہزار فرشتے تھے اور ان میں سے ہر ایک پھر بارہ ہزار فرشتوں کا سردار تھا۔

ابوسعید کہتے ہیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی یہ حدیث بیان کرتے تو کہا کرتے تھے ﴿وما یعلم جنود ربک الا ھو﴾ "تیرے پروردگار کے لشکر کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا" پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں پھر جب مجھے لے کر داخل ہوئے تو اس نے کہا اے جبرائیل یہ کون ہے؟ حضرت جبرائیل نے بتایا کہ یہ محمدؐ ہیں اس نے پوچھا کہ کیا بلوائے گئے ہیں؟ جبرائیل نے اثبات میں جواب دیا تو اس نے میرے لیے بھلائی کی دعا کی اور بھلی بات کی۔

جب میں دنیا والے آسمان میں داخل ہوا تو وہاں ایک شخص کو بیٹھے ہوئے دیکھا ان کے سامنے بنی آدم کی روحیں پیش کی جاتی تھیں جب ان میں بعض روحیں پیش کی جاتیں تو وہ ان کا خیر مقدم کرتے اور انہیں خوشی ہوتی اور کہتے اچھی روح ہے جو اچھے جسم سے نکلی ہے اور جب بعض دیگر ارواح پیش کی جاتیں تو ناراض ہو کر کہتے خبیث روح ہے جو خبیث جسم سے نکل آئی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں میں نے جبرائیل سے پوچھا یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا یہ آپ کے والد حضرت آدمؑ ہیں ان پر ان کی اولاد کی روحیں پیش کی جاتی ہیں جب ان کے سامنے کسی ایماندار کی روح پیش کی جاتی ہے تو اس سے خوش ہوتے ہیں اور کہتے ہیں اچھی روح اپنے جسم سے نکل آئی ہے اور جب ان کے پاس کافر کی روح گزرتی ہے تو اسے دیکھ کر اظہار نفرت کرتے ہیں فرماتے ہیں گندے جسم سے گندی روح نکلی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں پھر میں نے چند لوگوں کو دیکھا جن کے ہونٹ اونٹوں کے ہونٹوں سے مشابہ تھے ان کے ہاتھ میں آگ کے ٹکڑے پتھر کی طرح تھے، وہ انہیں منہ میں ڈالتے اور پھر پشت کی طرف سے نکل جاتے، میں نے کہا جبرائیل یہ کون ہے؟ حضرت جبرائیل نے بتایا کہ یہ ظلم سے یتیموں کا مال کھانے والے ہیں، پھر میں نے بڑے بڑے پیٹ والوں کو دیکھا کہ ایسے پیٹ کسی کے نہ تھے، یہ لوگ آل فرعون کے راستے میں پڑے ہوئے تھے اور جب آل فرعون کو دوزخ پر لایا جاتا تو وہ ان

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

لوگوں کے اوپر سے پیاسے اونٹوں کی طرح گزرتے اور انہیں روند ڈالتے اور ان میں اتنی قدرت بھی نہ ہوتی کہ اپنی جگہ سے ہٹ سکیں، میں نے پوچھا اے جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا یہ سود کھانے والے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم فرماتے ہیں: پھر میں نے چند لوگوں کو دیکھا جن کے سامنے بہترین چکنا گوشت اور اسکے ساتھ ہی کمزور جانور کا سڑا ہوا گوشت رکھا ہوا تھا اور لوگ اسی خراب گوشت میں سے کھا رہے تھے میں نے کہا اے جبرائیل یہ کون ہیں؟ انہوں نے بتایا یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی حلال عورتوں کو چھوڑ کر حرام عورتوں کے پیچھے جایا کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم فرماتے ہیں پھر میں نے ایسی عورتیں دیکھیں جو چھاتیوں سے لٹکی ہوئی تھیں جبرائیل نے بتایا یہ وہ عورتیں ہیں جنھوں نے اپنے مردوں کے ساتھ وہ بچے منسوب کیے جو ان کی اولاد نہ تھے۔

ابوسعید خدری کہتے ہیں: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا پھر جبرائیل مجھے دوسرے آسمان پر لے گئے تو اس میں دیکھا دونوں خالہ زاد بھائی عیسیٰ بن مریمؑ اور حضرت یحییٰ بن زکریا موجود ہیں، پھر وہ مجھے تیسرے آسمان پر لے گئے تو اس میں دیکھا ایک شخص ہے جس کی صورت چودھویں کے چاند کی سی ہے میں نے کہا جبرائیل یہ کون ہیں؟ جبرائیل نے بتایا یہ آپ کے بھائی یوسف ابن یعقوبؑ ہیں اسکے بعد مجھے چوتھے آسمان پر لے گئے تو میں نے ایک شخص کو دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ حضرت جبرائیل نے بتایا کہ یہ حضرت ادریس ہیں، رسول اکرمؐ فرمایا کرتے تھے " ورفعنا مكانا عليا " کے الفاظ حضرت ادریس کے اسی رتبہ کو ظاہر کرتے ہیں، آپؐ فرماتے ہیں پھر مجھے پانچویں آسمان پر لے گئے تو پھر میں کیا دیکھتا ہوں کہ ادھیڑ عمر کا ایک شخص سفید سر اور سفید داڑھی کے ساتھ موجود ہے، میں نے ادھیڑ عمر کے کسی شخص کو اس سے زیادہ خوبصورت نہیں دیکھا میں نے کہا جبرائیل یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا یہ اپنی قوم کے محبوب ہارون بن عمران ہیں، اس کے بعد مجھے چھٹے آسمان کی طرف لے چلے، چھٹے آسمان پر میں نے ایک دراز قامت، گندم گوں اور کھڑی ناک والے آدمی کو دیکھا جو قبیلہ شنوہ کے لوگوں کے مشابہ تھا، میں نے جبرائیل سے ان کے بارے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہ آپ کے بھائی موسیٰ ابن عمران ہیں پھر مجھے ساتویں آسمان پر لے گئے تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک میانہ عمر کا شخص بیت المعمور کے پاس بیٹھا ہوا ہے جس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جو پھر قیامت کے دن تک اس میں سے واپس نہیں آتے، میں نے اس شخص سے مشابہ تمہارے دوست یعنی محمدؐ سے زیادہ کسی اور کو نہیں دیکھا، میں نے کہا جبرائیل یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا یہ آپ کے والد ابراہیم ہیں اسکے بعد جبرائیل مجھے لے کر جنت میں داخل ہوئے تو میں نے ایک لڑکی دیکھی جو مجھے بہت بھلی معلوم ہوئی، میں نے اس سے پوچھا تو کس کے لئے ہے؟ اس نے کہا زید بن حارثہ کے لئے، پیغمبر اکرمؐ نے زید بن حارثہ کو اسکی خوشخبری دے دی۔(۱)

ابن اسحاق نے عبداللہ بن مسعود کے ذریعہ پیغمبر اکرمؐ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ آپ کو لے کر جبرائیل ہر آسمان پر جاتے اور اندر آنے کی اجازت طلب کرتے تو پوچھا جاتا اے جبرائیل یہ تیرے ساتھ کون ہیں؟ جبرائیل کہتے ہیں محمدؐ، وہ کہتے ہیں کیا بلوائے گئے ہیں؟ جبرائیل ہاں میں جواب دیتے تو وہ کہتے اللہ اس بھائی اور دوست کو زندہ رکھے یہاں تک کہ وہ آپ کو لے کر ساتویں آسمان تک پہنچے پھر آپ کو پروردگار کے پاس پہنچایا گیا نے آپ پر روزانہ پچاس نمازیں فرض فرمائیں۔

راوی کہتے ہیں رسول اللہ نے فرمایا پھر میں واپس آیا اور موسیٰ بن عمران کے پاس سے گزرا انہوں نے مجھ سے پوچھا آپ پر کتنی نمازیں فرض کی گئیں؟ میں نے کہا روزانہ پچاس نمازیں انہوں نے کہا نماز بڑی بوجھل چیز ہے اس لئے آپ اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جایئے اور درخواست کیجئے کہ آپ اور آپ کی امت پر سے یہ بوجھ ہلکا کر دے، پس میں واپس گیا اور اپنے پروردگار سے درخواست کی مجھ پر سے اور میری امت پر سے بوجھ کم کر دے، چنانچہ دس نمازیں کم کر دی گئیں پھر میں لوٹا اور موسیٰ ابن عمران کے پاس سے گزرا انہوں نے مجھ سے پھر ویسا ہی کہا پھر میں لوٹ گیا اور درخواست کی تو دس نمازیں کم کر دی گئیں پھر

۱۔ سیرۃ ابن اسحاق جلد ا صفحہ ۲۴۹

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

میں موسیٰ کی طرف لوٹا تو وہ اسی طرح مجھ سے کہتے رہے کہ آپ لوٹ جایئے اور پروردگار سے درخواست کیجئے یہاں تک یہ سلسلہ چلا کہ یہ تخفیف پانچ نمازوں تک پہنچ گئی، پھر میں پلٹا اور پھر ان کے پاس سے گزرا تو انہوں نے پھر مجھ سے ویسا ہی کہا تو میں نے جواب دیا کہ مجھے شرم محسوس ہوتی ہے پس اب تو میں ایسا نہیں کروں گا پس ان نمازوں کو تم میں سے جو شخص ایمانداری سے ثواب سمجھ کر ادا کرے گا اسے پچاس نمازوں کا اجر ملے گا۔(۱)

تبصرہ:

واقعہ معراج وہ عظیم واقعہ ہے جس میں خداوند متعال نے اپنے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰؐ کو رات کی خاموشی میں مسجد الحرام سے لیکر سجدہ کے انتہائی مقام تک کی سیر کروائی چنانچہ ارشاد رب العزت ہے ﴿سُبْحَانَ الَّذِی أَسْرَیٰ بِعَبْدِهِ لَیْلاً مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَی الْمَسْجِدِ الْأَقْصَی الَّذِی بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِیَهُ مِنْ آیَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِیعُ الْبَصِیرُ (۲) "پاک اور پاکیزہ ہے وہ پروردگار جو اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کی اطراف کو ہم نے بابرکت بنایا تا کہ ہم اسے اپنی بعض نشانیاں دکھلائیں بے شک وہ خدا سب کی سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا ہے، واقعہ معراج ایک ایسی ناقابل انکار حقیقت ہے جس کی جانب سورہ نجم اور سورہ اسراء کے علاوہ بہت سی احادیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔ معراج کے سلسلہ میں علمائے اسلام کے درمیان اختلاف ہے کہ معراج روحانی ہے یا جسمانی، علماء کی ایک انتہائی قلیل تعداد حضرت عائشہ اور معاویہ کی روایت کے پیش نظر معراج کو روحانی قرار دیتی ہے جبکہ علماء کی اکثریت معراج کو جسمانی قرار دیتی ہے کیونکہ:

آیات قرآن میں ایسے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جو معراج کے جسمانی ہونے پر دلالت کرتے

۱۔ سیرہ ابن ہشام جلد ۲ ص ۳۶۵ ۔

۲۔ سورہ اسراء آیت ۱ ۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہیں مثلاً عبد "بعبدہ" کہ لغوی طور روح وجسد سے مرکب انسان کیلئے استعمال کیا جاتا ہے اور صرف روح پر عبد کا اطلاق صحیح نہیں ہے یا اسریٰ رات میں سفر کرنے کو کہتے ہیں اور اسکے علاوہ سورہ نجم میں کہا گیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ نے نہ دھوکہ کھایا ہے نہ ہی منحرف ہوئی ہے اسکے علاوہ حدیث میں ایسے بہت سے قرائن ہیں جو معراج کے جسمانی ہونے دلالت کرتے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ آنحضرت اپنے ظاہری بدن کے ساتھ مشرف ہوئے۔

واقعہ معراج کے بارے میں موجود روایات اور تاریخی اسناد کا جائزہ لیا جائے تو اس میں بہت سی ایسی باتیں سامنے آتی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قصہ گو حضرات نے اس میں بھی بہت کچھ شامل کردیا ہے ذیل میں واقعہ معراج کے بارے میں روایات اور تاریخی واقعات کا جائزہ پیش کرتے ہیں:

ا۔ سورہ اسراء کی پہلی آیت میں استعمال ہونے والے کلمہ "مسجد اقصیٰ" سے مفسرین بیت المقدس مراد لیتے ہیں لیکن بعض علماء مسجد اقصیٰ کا ترجمہ "سجدہ کا انتہائی مقام" کرتے ہیں (تفسیر فصل الخطاب علامہ سید علی نقی نقوی ذیل تفسیر سورہ اسراء) اور یہی ترجمہ ٹھیک بھی ہے کیونکہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی اس وقت مسجد اقصیٰ نامی کوئی مسجد نہیں تھی، اور موجودہ مسجد اقصیٰ عبد الملک بن مروان نے بیت المقدس کے کھنڈرات پر تعمیر کی تھی جس وجہ مورخین یہ بیان کرتے ہیں چونکہ مکہ پر ابن زبیر کی حکومت تھی اور شام کے حاجی جب مکہ آتے تو ابن زبیر کی باتوں سے متاثر ہوتے جس کے نتیجہ میں حکومت شام کے کمزور پڑنے کے خطرات پیدا ہوئے تو عبد الملک نے حج پر پابندی لگادی اور ابن شہاب زہری سے مروی یہ حدیث پیش کی کہ صرف تین مساجد کی طرف سفر کیا جاسکتا ہے: مسجد الحرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ، مسجد اقصیٰ مسجد الحرام کے مساوی ہے اور بیت المقدس میں موجود پتھر کعبہ کے برابر ہے۔ (تاریخ یعقوبی ج ۳ ص ۸ مطبوعہ :نجف، المطبعہ الحیدریہ، از سیرہ پیشوایان ص ۲۸۵) اس کے بعد عبد الملک نے اس چٹان پر ایک گنبد تعمیر کیا، اس کے گرد ریشم کے پردے ڈالے اور ملازم و خادم معین کیئے جو لوگوں کو اس چٹان کے گرد طواف کی ترغیب دلاتے تھے۔ (تاریخ یعقوبی ج ۳ ص ۸ مطبوعہ: نجف، المطبعہ الحیدریہ)

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۲۔ جس وقت بیت المقدس صلح کے ذریعہ مسلمانوں کے اختیار میں آیا تو اس وقت بیت المقدس صرف ایک احاطہ سے زیادہ کچھ نہیں تھا اور عیسائیوں نے اسے تقریباً دو سو سال سے کوڑے کرکٹ کے ڈھیر میں تبدیل کیا ہوا تھا، مسلمان لشکر جب یروشلم میں داخل ہوا تو انھوں کے لشکر کے پڑاؤ کے لیے اسی احاطہ کا انتخاب کیا ایک طرف خیمے نصب کئے اور ایک گوشہ میں چھوٹی سی مسجد تعمیر کی تا کہ نماز ادا کی جا سکے اور اس سرزمین پر اسلامی دور حکومت میں تعمیر ہونے والی یہ سب سے پہلی مسجد تھی اور اس کے بعد جب حضرت عمر فلسطین گئے تو انھوں نے مسجد تعمیر کی اور اس دوران کعب الاحبار کے ساتھ کیئے جانے والے مشورے آج بھی تاریخ کے دامن میں موجود ہیں۔

۳۔ مذکورہ باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اب ہم روایات پر ایک نگاہ ڈالتے ہیں :

الف: حسن بصری والی روایت میں مذکور ہے کہ ابو بکر نے کہا کہ یارسول اللہؐ بیت المقدس کے اوصاف بیان فرمایئے کیونکہ میں وہاں جا چکا ہوں، جب بیت المقدس کے مقام پر صرف میدان تھا تو جناب ابو بکر کا یہ کہنا کہ آپ اوصاف بیان کریں میں وہاں جا چکا ہوں کیا معنی رکھتا ہے؟

ب: اگر آنحضرتؐ بیت المقدس دیکھ کر آئے تھے تو یہ کیوں فرمایا کہ "فرفع لی حتی نظرت الیہ، بیت المقدس میرے سامنے اسطرح پیش کیا گیا کہ میں اسے دیکھنے لگا" اور پھر دیکھ دیکھ کر ابو بکر کے سامنے اوصاف بیان کرنے لگے؟!

ج: جب اوصاف بیان کرنے کا سلسلہ ختم ہوا تو آنحضرتؐ نے ابو بکر سے فرمایا: انت یا ابو بکر الصدیق " اے ابو بکر تم سچے ہو" غرض اسی دن آپؐ نے ابو بکر کو صدیق کا لقب عطا فرمایا ، اصولی طور پر تو حضرت ابو بکر کو کہنا چاہیے تھا کہ آپؐ صدیق ہیں کیونکہ آنحضرت کو جھٹلایا جا رہا تھا لیکن یہاں بہت عجیب معاملہ ہے کہ آنحضرتؐ کو جھٹلایا جاتا ہے اور سچائی وصداقت کی سند حضرت ابو بکر کو دی جاتی ہے!۔

د: روایات میں منقول ہے کہ پیامبر اکرمؐ نے بیت المقدس میں انبیاء سے ملاقات کی اور انہیں نماز پڑھائی اور مصافحہ بھی کیا لیکن جب آسمان پر تشریف لیکر جاتے ہیں تو انہی انبیاء کے بارے میں بار بار

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حضرت جبرائیل سے سوال کرتے ہیں کہ یہ کون ہیں؟

ہ: روایات میں ہے کہ نماز معراج کے دوران واجب ہوئی، اگر ایسا ہے تو پھر وہ کونسی نماز تھی جو آنحضرتؐ ام ہانی کے گھر پڑھا کر گئے تھے؟

و: معراج کے دوران آنحضرتؐ جس وادی اور قبیلہ کے پاس سے گزرے تھے اس قبیلہ اور وادی کے نام کے بجائے روایت میں صرف ''فلاں قبیلہ یا فلاں وادی'' کہہ دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے شکوک و شبہات جنم لیتے ہیں اور اسی وجہ سے بعض حدیث شناس دانشور ایسی احادیث کو قبول نہیں کرتے جن میں اس قسم کے مہمل الفاظ موجود ہوں۔

ز: آنحضرتؐ سے جب معراج کا ثبوت مانگا جاتا ہے تو آپ فرماتے ہیں'' اس کا ثبوت یہ ہے کہ میں فلاں قبیلہ کے قافلہ کے پاس سے گزرا جو فلاں وادی میں تھا تو اس قافلہ کے اونٹوں کو میری سواری کے احساس نے بدکا دیا اور ان کا ایک اونٹ بھاگ گیا تو میں نے اس اونٹ کی جانب ان کی رہنمائی کی، اس وقت میں شام کی جانب جا رہا تھا'' اسی روایت میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ براق کی رفتار بہت تیز تھی اس کی خاصیت یہ تھی کہ اپنی نظر کی انتہا پر اپنا پاؤں رکھتا ہے، اگر ایسا ہی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ براق کی رفتار انسانوں اور جانوروں کی نظروں کی گرفت میں نہیں آسکتی تو پھر اس اونٹ کیسے محسوس کر لیا؟ نیز کیا براق اتنی نیچی پرواز کر رہا تھا کہ اونٹ تک اس کی پرواز کو محسوس کر رہے تھے ؟

ح: معراج کے بارے میں منقول روایات میں ملتا ہے کہ پیامبر اکرمؐ نے فرمایا: '' میں فلاں قبیلہ کے پاس سے گزرا تو میں نے ان لوگوں کو سوتا پایا اور ان کا ایک برتن دیکھا تھا جس میں پانی تھا اور انہوں نے اس پر کوئی چیز ڈھانک دی تھی، میں نے اس کا ڈھکنا کھولا اور جو چیز اس میں تھی وہ پی لی پھر جیسے تھا ویسے ہی اسے ڈھانک دیا '' پیامبر اکرم جیسی عظیم ہستی سے بعید ہے کہ صحرا میں موجود کسی کاروان کی سب سے بنیادی چیز یعنی پانی بغیر اجازت کے پی لیں!

ط: مذکورہ باتوں کے علاوہ بھی بہت باتیں روایات معراج میں پائی جاتی ہیں مثلاً چھت پھاڑ کر

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

فرشتوں کا نازل ہونا، آنحضرتؐ کا سینہ چاک کرنا وغیرہ جن کے بیان سے صرف نظر کرتے ہیں اور آخر میں اس نکتہ کی طرف اشارہ ضروری سمجھتے ہیں واقعہ معراج پیامبر اکرمؐ پر اللہ تعالی کی خصوصی عنایات کا مظہر اور ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہے لیکن بعض قصہ گو حضرات کی کارستانیوں کے نتیجہ میں اس واقعہ کی جزئیات و تفصیلات میں بہت زیادہ الٹی سیدھی باتیں شامل کردی گئیں ہیں ۔

عام الحزن:

شعب ابی طالب کی سختیاں بالآخر ختم ہوگئیں اور قریش اپنے انتہائی مکروہ معاہدوں سے دست بردار ہوگئے اور شاید کسی نئی سازش کے تانے بننے لگے، بنی ہاشم ابھی سکھ کا سانس بھی نہ لے پائے تھے کہ یکا یک غم واندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اور اسلام کے دواہم محافظ ومدافع حضرت خدیجہؑ اور حضرت ابو طالبؑ دار فانی کو وداع کہہ گئے، یہ صدمہ اتنا شدید تھا کہ پورے سال کو عام الحزن (غم کا سال) کے طور پر منایا گیا اس اعتبار سے مناسب ہوگا کہ اسلام کے ان دونوں محسنوں کے حالات زندگی اور سیرت وکردار پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ:

حضرت خدیجہؑ بنت خویلد، مکہ کی انتہائی ثروت مند خاتون ہونے کے ساتھ زمانہ جاہلیت میں بھی انتہائی باعزت وپاکیزہ خاتون شمار ہوتی تھیں یہاں تک کہ آپ کو طاہرہ، عقیلہ اور سیدۃ نساء قریش کے القاب سے یاد کیا جاتا تھا، بے پناہ مال ودولت ہونے کے باوجود جاہلیت کا کوئی رنگ آپ کے قریب نہیں پھٹکا، آپ کا گھر فقیروں، ناداروں اور مسافروں کی منزل ہوا کرتا تھا اور کبھی کسی کو آپ کے دروازے سے خالی نہیں لوٹنا پڑا۔

آپ کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شادی زمانہ جاہلیت کے رسم ورواج کے لیے ایک دھچکا تھی کیونکہ آپ نے بڑے بڑے نامور سرداروں کے رشتوں کو ٹھکرا کر بظاہر ایک نادار شخصیت سے رشتہ ازدواج

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

استوار کیا یہ کام بعض خواتین پر اتنا زیادہ نا گوار گزرا کہ انھوں نے حضرت خدیجہؑ سے ملنا تک چھوڑ دیا، "ان خدیجة لما تزوج بها رسول اللهؐ هجرتها نسوة مكة فكن لا يدخلن عليها و لا يتركن امرأة تدخل عليها" جب حضرت خدیجہؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کے ساتھ شادی کی تو حضرت خدیجہؑ کے گرد پروانہ وار گھومنے والی خواتین نے ان کے پاس آنا چھوڑ دیا اور دیگر خواتین کو بھی آپ کے پاس آنے سے روکتی تھیں۔

حضرت خدیجہؑ کی مجاہدانہ زندگی کا آغاز بعثت سے پہلے ہی ہو چکا تھا لیکن بعثت کے بعد آپ کی ذمہ داریاں مزید بڑھ گئیں، آپ ہر مقام پر مہر و محبت کا پیکر، ایثار و مہربانی کا مجسمہ اور مونس و غم خوار رسالت نظر آتی تھیں، سب سے پہلے تصدیق رسالت فرمائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ نماز میں شریک ہوئیں، جب بھی آنحضرتؐ مشرکین کے ہاتھوں آزار و اذیت کا شکار ہوتے تو آپ ڈھارس بندھاتیں، جب بھی آپؐ مشرکین کے تمسخر و استہزاء کی وجہ سے آزردہ خاطر ہوتے تو حوصلہ افزائی کرتیں اور جب بھی مشرکین کی تکذیب و افتراء سے مغموم ہوتے تو آنحضرتؐ کو تقویت پہنچاتیں، امیر المومنین علیؑ فرماتے ہیں ایک روز حضرت خدیجہؑ کا نام آیا تو آنحضرتؐ گریہ کرنے لگے، حضرت عائشہ نے یہ دیکھ کر کہا: "ما يبكيك على عجوز حمراء من بني اسد؟ بنی اسد کی اس بوڑھی عورت پر کیوں آنسو بہاتے ہو؟ تو پیامبر اکرمؐ نے فرمایا: "صدقتني اذ كذبتم و امنت بي اذ كفرتم و ولدت لي اذ عقيم (ا) خدیجہؑ نے اس وقت میری تصدیق کی جب تم لوگوں نے مجھے جھٹلایا، اس وقت مجھ پر ایمان لائیں جب تم لوگ کفر میں غرق تھے اور خدیجہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد عطا فرمائی جبکہ تم بانجھ ہو"

اس قسم کے بہت سے واقعات آنحضرتؐ کی زندگی میں دیکھنے کو ملتے ہیں کہ صرف حضرت خدیجہؑ کا نام یا ان کی کوئی یادگار چیز دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مغموم ہو جاتے تھے یا جب بھی کوئی چیز تقسیم کرتے

ا۔ بحار الانوار ج ۱۶ ص ۸

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تو حضرت خدیجہؑ کی دوست خواتین کی خدمت میں ضرور بھیجئے، حضرت خدیجہؑ ہی وہ شخصیت ہیں جنھوں نے اسلام کے فروغ میں اپنی تمام دولت خرچ کردی، جب حضرت خدیجہؑ نے آنحضرتؐ سے ازدواج فرمایا تو کہا کہ انا ومالی وجواری وجمیع ما املک بین یدیک وفی حکمک لا امنعک شیئا "میں، میرا تمام مال اور کنیزیں اور ہر وہ چیز جو مجھ سے متعلق ہے اب آپ کے اختیار میں ہے اور میں ہرگز اس میں تصرف سے آپ کو نہیں روکوں گی" یہ باعظمت خاتون ۱۰ رمضان المبارک، بعثت کے دسویں سال اس دار فانی سے دار بقا کی طرف کوچ کر گئیں ان واقعات سے بخوبی حضرت خدیجہؑ کے مقام ومنزلت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت ابوطالبؑ:

حضرت ابوطالب علیہ السلام کا اسم گرامی حضرت علی علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول روایات(۱) اور حضرت عبدالمطلب کی وصیت کے مطابق (۲) عبد مناف ہے بعض تذکرہ نگاروں کی آراء کی روشنی میں آپ کا نام نامی عمران یا شیبہ ہے، آپؑ کی کنیت ابوطالب ہے، سید البطحاء شیخ الابطح اور رئیس مکہ آپ کے مشہور القابات ہیں۔

پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے پینتیس (۳۵) برس قبل (۵۳۵ء) دنیائے عرب کی عظیم المرتبت شخصیت حضرت عبدالمطلب کے گھرانے میں آنکھ کھولی اور اپنی زندگی کا تقریباً نصف حصہ اپنے پدر بزرگوار کے سایہ عاطفت میں بسر کیا اور علم وادب، حکمت واخلاق اور تعلیم وتربیت کے زیور سے آراستہ ہو کر اپنے دور کے ایک ممتاز ادیب، بلند پایہ خطیب، عظیم مفکر اور مدبر قائد تسلیم کیے گئے، ہاشمی تمکنت وقریشی سطوت اور بارعب شخصیت کے مالک حضرت ابوطالبؑ کی زبان سے فصاحت وبلاغت کی کلیاں چٹکتی اور علم

۱۔ معانی الاخبار ص ۱۲۱، مناقب شہر آشوب ج ۱ ص ۳۶

۲۔ ترجمہ تاریخ یعقوبی ج ۲

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

وحکمت کے پھول کھلتے جو آج بھی تاریخ وسیرت کی کتابوں کو مہکا رہے ہیں۔

حضرت ابو طالبؑ اور زمانہ جاہلیت:

حضرت ابو طالبؑ اپنے اسلاف کے اعلیٰ کردار اور بلند اوصاف کے وارث اور اولاد عبدالمطلب میں سب سے زیادہ اپنے پدر بزرگوار کے مشابہ تھے حضرت عبدالمطلب کی وفات کے بعد قریش نے بلا چوں وچرا حضرت ابو طالبؑ کو اپنا سردار تسلیم کیا اور یہ سرداری اور قیادت، مال و دولت کی مرہون منت نہیں تھی بلکہ حضرت ابو طالبؑ میں موجود پسندیدہ صفات، اعلیٰ کردار، احساس ذمہ داری اور حسن عمل کا نتیجہ تھی جس کے واضح نمونے رفادت وسقایہ جیسے مناصب کی پاسداری کے دوران دیکھنے میں آتے ہیں۔

حضرت عبدالمطلبؑ کے بعد حاجیوں کی دیکھ بھال اور ان کے کھانے پینے کا بندوبست حضرت ابوطالبؑ کے ذمہ تھا جسے مالی کمزوری کے باوجود حضرت ابو طالبؑ با حسن وخوبی نبھاتے رہے یہاں تک کہ اس فریضہ کی ادائیگی کی وجہ سے قرض کا کوہ گراں آپ کی گردن پر آپڑا، زمانہ جاہلیت میں جہاں انسانیت نوحہ کناں اور شیطنیت نغمہ سرا تھی، اعراب پستی ورذالت کے صحرا میں سرگرداں، شراب وقمار سے اپنا دل بہلا رہے تھے وہاں آپ نے نہ کبھی قمار بازی کی طرف رخ کیا اور نہ کبھی شراب کو منہ لگایا اور زمانہ جاہلیت ہی میں شراب وغیرہ اپنے اوپر حرام کر لی تھی نہ خود فحشاء ومنکرات کا رخ کرتے تھے اور جہاں تک بن پڑتا دوسروں کو بھی اس سے دور رہنے کی تلقین فرماتے، تجارت اور حلال روزی کو اہمیت دیتے چنانچہ ایک مرتبہ سیلاب کی وجہ سے کعبہ کی دیواریں متاثر ہوئیں اور قریش نے دوبارہ تعمیر کرنا چاہا تو حضرت ابو طالبؑ نے قریش سے فرمایا کہ: "ان ھذا لا یصلح ان ینفق فیہ الا من طیب المکاسب فلا تدخلوا فیہ من ظلم وعدوان "(۱) "یہ مکان اس لائق ہے کہ اس پر صرف پاک وپاکیزہ اور حلال کمائی لگائی جائے لہٰذا وہ مال نہ لگاؤ جو ظلم وزیادتی کے ذریعہ حاصل کیا ہے"

۱۔ تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۱۹

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس کے علاوہ جنگ فجار، تعمیر کعبہ، قسامت اور بہت سے دوسرے واقعات کا جائزہ لیا جائے تو حضرت ابوطالبؑ کی شخصیت نکھر کر سامنے آتی ہے اور علم و حکمت کے نئے نئے باب عیاں ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؑ حضرت ابوطالبؑ کے اشعار کے بارے میں فرماتے ہیں: "تعلموہ وعلموہ اولادکم فانہ کان علی دین اللہ وفیہ علم کثیر" (۱) "ان کے اشعار پڑھو اور اپنے اولاد کو پڑھاؤ اس لیے کہ وہ دین خدا پر تھے ان کے کلام میں علم کا بڑا ذخیرہ ہے"۔

اسلام، بانی اسلامؐ اور حضرت ابوطالبؑ:

حضرت ابوطالبؑ کی اسلام اور بانی اسلامؐ کی بے پناہ خدمت سے تاریخ و سیرت کی کتابیں بھری پڑی ہیں حضرت عبدالمطلب کی وفات کے بعد آپ کی وصیت کی روشنی میں پیامبر اکرمؐ کو حضرت ابوطالبؑ نے اپنی آغوش تربیت میں لے لیا اور اس خوبی و عمدگی سے اپنے تربیتی فرائض انجام دیئے کہ خداوند متعال نے انھیں اپنے احسانات میں شمار فرمایا ہے: ﴿الم یجدک یتیماً فاوی﴾ (۲) کیا اس نے تمھیں یتیم پا کر پناہ نہ دی؟ جملہ مفسرین کے نزدیک اس پناہ سے مراد حضرت ابوطالبؑ کی آغوش شفقت ہے۔

حضرت ابوطالبؑ رسول خداؐ سے بے انتہا محبت کرتے اور اپنی اولاد سے زیادہ انھیں چاہتے، آپ کا یہ معمول تھا کہ اگر آنحضرتؐ کھانے کے وقت ادھر ادھر ہو جاتے تو نہ خود کھاتے اور نہ کسی کو کھانے کی اجازت دیتے اور فرماتے جب تک میرا بھتیجا نہ آجائے کوئی کھانے کو نہ چھوئے، جب آنحضرتؐ تشریف لاتے تو سب مل کر کھانا کھاتے اگر دسترخوان پر سے کوئی دودھ کا پیالہ اٹھاتا تو کہتے ٹھہرو پہلے میرے بھتیجے کو پینے دو جب آنحضرتؐ پی لیتے تو پھر دوسرے افراد پیتے اور سیراب ہوتے، آنحضرتؐ کی کرامات میں سے ایک یہ تھی کہ جب آپ دسترخوان پر موجود ہوتے تو کھانا خواہ کتنا ہی کم کیوں نہ ہوتا سب شکم سیر ہو کر کھاتے

۱۔ تاریخ یعقوبی ج ۲ص ۱۹۔

۲۔ سورہ ضحیٰ آیت ۶۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور کوئی بھوکا نہ رہتا حضرت ابوطالبؑ یہ دیکھ کر آنحضرتؐ سے کہتے: "انک لمبارک "تم تو بڑے ہی بابرکت ہو۔

گھر کی چاردیواری ہو یا مکہ کی بے آب وگیاہ پہاڑیاں وطن کا راحت وسکون ہو یا سفر کی تکالیف و مصائب حضرت ابوطالبؑ ہر قدم پر آنحضرتؐ سے ظاہر ہونے والی برکات وکرامات اور خارق العادۃ کا امور کا جائزہ لیتے اور باخوبی سمجھ گئے کہ یہ بچہ عام بچوں کی سطح سے کہیں بلندتر اور غیر معمولی عظمت ورفعت کا مالک ہے، اسی لئے جہاں محبت وشفقت ان کے دل میں موجزن تھی، وہیں عقیدت وارادت کا سمندر بھی موجزن ہوگیا، یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوطالبؑ ہر مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مقدم فرماتے گھر کا دسترخوان ہو یا باران رحمت کے لئے دعا اور ہر جگہ اور ہر مناسبت پر آپ کی نبوت ورسالت کی جانب اشارہ فرماتے چنانچہ جب آنحضرتؐ کی شادی خانہ آبادی کا مرحلہ آیا تو حضرت ابوطالبؑ نے خطبہ نکاح پڑھا جس کی تفصیل آپ گزشتہ بحث میں پڑھ چکے ہیں اور آخر میں فرمایا: "وهو و الله بعد هذا له نباء عظيم و خطر جليل " خدا کی قسم ان کا مستقبل روشن اور ان سے ایک عظیم خبر کا ظہور ہوگا، نباء عظیم کے الفاظ کے ذریعے آنحضرتؐ کے درخشندہ مستقبل اور عالمگیر نبوت کی جانب اشارہ فرمایا ہے کہ عنقریب وہ پیاسی انسانیت کو اپنی تعلیمات کی باران رحمت سے سیراب فرمائیں گے۔

اعلان نبوت سے پہلے اور بعثت کے بعد انفرادی تبلیغ کے دوران چھپ چھپ کر اسلامی تعلیمات گھر گھر پہنچائی جاتی تھیں اور لوگوں کی نظروں سے دور پہاڑی گھاٹیوں میں نماز ادا کی جاتی تھی، ایک مرتبہ حضرت ابوطالبؑ نے پیامبر اکرمؐ اور حضرت علیؑ کو گھاٹی میں نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا تو حضرت علیؑ سے دریافت کیا کہ یہ کون سا دین ہے حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میں اللہ اور اس کے رسول محمد ابن عبداللہؐ کے دین پر ہوں، حضرت ابوطالبؑ نے فرمایا: "انه لا يدعوک الا الیٰ خير فالزمه" (۱) "ان سے وابستہ رہو یہ

۱۔ تاریخ طبری ج ۲ ص ۵۸

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تمھیں نیکی وہدایت کی راہ بتائیں گے"۔

حضرت ابو طالبؑ حضرت علیؑ کو روکنے کے بجائے آنحضرتؐ کی پیروی کا حکم دیتے ہیں، اس طرح پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علیؑ کو نماز پڑھتے دیکھ کر اپنے دوسرے فرزند حضرت جعفر طیارؑ سے فرماتے ہیں: "صلّ جناح ابن عمک وصل عن سیارہ"(۱) تم اپنے چچازاد کا دوسرا بازو بن جاؤ اور بائیں جانب سے نماز میں متصل ہو جاؤ۔

حضرت ابوطالبؑ کا یہ طرز عمل اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ وہ کفار ومشرکین کی مشرکانہ عبادات اور رسوم کو پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھتے تھے، ورنہ بت پرستی کے مقابلہ میں اس طرز کی عبادت کو خیر سے تعبیر نہ کرتے اور جب حضرت حمزہ سید الشہداء نے اظہار اسلام فرمایا تو حضرت ابوطالبؑ نے حضرت حمزہ کی حوصلہ افزائی کے لئے انتہائی خوش ہو کر چند اشعار کہے "اے ابویعلی، دین احمدؐ پر مضبوطی سے جمے رہو اس کے دین کو آشکار کرو تا کہ کامیاب ہو جاؤ اور وہ جو حقیقت میں خدا کی طرف سے دین لے کر آیا ہے اس کی حمایت کرو، اے حمزہ اس آئین سے منہ نہ موڑنا، میں بہت زیادہ مسرور و خوش ہوا جب تم نے کہا کہ خدا واحد پر ایمان لایا، میں تمھیں سفارش ونصیحت کرتا ہوں کہ خدائے یکتا کی خوشنودی کے حصول کیلئے رسولؐ خدا کے یار ومددگار رہو۔ اپنے اعلان ایمان کے ذریعہ قریش کو بتادو کہ احمد جادوگر نہیں ہے۔(۲)

جب پیامبر گرامیؐ نے گھر کی چار دیواری میں بنی ہاشم کو دعوت دی تب بھی حضرت ابوطالبؑ نے ہر طرح کا ساتھ دیا اور جب تبلیغ کا دائرہ کار وسیع ہوا تو قریش کی جانب سے کسی رد عمل سے پہلے ہی قریش کے گوش گزار کر دیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تنہا، بے سہارا نہ سمجھنا۔" واللہ لنمنعنہ مابقینا"(۳) خدا

۱۔ الاصابۃ ج ۱ ص ۲۳۸۔

۲۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی حدید ج ۳ ص ۳۱۵۔

۳۔ تاریخ کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۴۱۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کی قسم جب تک زندہ رہیں گے ان کی حفاظت کریں گے اس کے علاوہ قریش کے سفارتی وفود کو اپنی حکمت عملی اور حسن تدبیر سے ایسا مطمئن کرتے رہے کہ قریش کے بھڑکے ہوئے جذبات کچھ عرصہ کیلئے ٹھنڈے پڑ جاتے اور اسلامی دعوت زیادہ آب وتاب کے ساتھ پھیلنا شروع ہو جاتی تھی اگر حضرت ابوطالبؑ اس حکمت عملی کا مظاہرہ نہ کرتے اور تدبر و بردباری کے بجائے سخت رویہ یا اسلام کے چھپانے کے بجائے ظاہر کر دیتے تو قریش فوراً مقابلے پر اتر آتے اور اسلام کی دعوت فکر اپنے ابتدائی مرحلہ میں خاک وخون میں غلطان ہو جاتی اور ممکن ہے بغض ابوطالبؑ میں جلنے والے آج حضرت ابوطالبؑ کے اسلام کو قبائلی تعصب کا شاخسانہ قرار دیتے۔

ہجرت حبشہ کے بعد مشرکین مکہ نے مسلمانوں کی پناہ گاہ ختم کرنے کے لئے عمرو بن عاص کی سرکردگی میں ایک وفد حبشہ روانہ کرنا چاہا تو حضرت ابوطالبؑ نے وفد کی روانگی سے قبل ہی نجاشی کی شان میں چند اشعار کہے، جن کا مقصد نجاشی کی حوصلہ افزائی تھی تا کہ نجاشی پہلے سے زیادہ مسلمانوں کا ساتھ دے۔

''اے کاش میں جان سکتا کہ جعفر پر دنیا کے اس دور دراز علاقہ میں کیا بیت رہی ہے اور ہم مسلمانوں کے دشمن عمرو بن عاص وغیرہ وہاں کیا گل کھلائیں گے؟ نہ جانے معلوم جعفر اور اس کے ساتھیوں کو نجاشی کی پناہ حاصل ہو گئی ہے یا نجاشی نے انھیں دور کر دیا ہے، اے حبشہ کے بادشاہ تم ہر ناپسندیدہ وناروا نسبتوں اور باتوں سے مبرا ہو اور تم وہ قابل قدر وعظیم شخصیت ہو کہ جو بھی تمھاری طرف آتا ہے مشکلات وسختیوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ جان لو کہ خدائے کائنات، مومنین وبے آسرا لوگوں کو پناہ فراہم کرنے کی وجہ سے تمھاری نصرت فرمائے گا اور ہر قسم کی خوش بختی وخوشحالی سے تم کو سرفراز کرے گا۔(۱)

حبشہ میں قریش کی ذلت ورسوائی اور عمرو عاص کی سازشوں کی ناکامی کے بعد جب مسلمانوں کے آرام وسکون سے زندگی بسر کرنے کے بارے میں معلوم ہوا تو آپ نے نجاشی کا شکریہ ادا کیا اور چند اشعار

۱۔ سیرۃ ابن ہشام ج۱ص ۳۲۲

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کے قالب میں ارشاد فرمایا: اے حبشہ کے بادشاہ ہمارے (محمدؐ) موسیٰ بن عمرانؑ اور عیسیٰ بن مریمؑ کی طرح نبی ہیں، محمدؐ خدا کے بندوں کی ہدایت کے لئے عیسیٰؑ و موسیٰؑ جیسا دین لیکر آئے ہیں، یہ لوگوں کو ہدایت کرتے اور گمراہیوں سے بچاتے ہیں، تم ان کے نام و نشانیوں کو آسمانی کتابوں میں پڑھتے ہو حقیقت و واقعیت کے طور پر، نہ کہ قصہ و داستان کے رنگ میں پس خداوند کے ہمراہ کسی کو شریک قرار نہ دو اور اسلام لے آؤ کہ راہ حق مخفی و تاریک نہیں ہے۔(۱)

دعوت ذوالعشیرہ میں اگرچہ حضرت ابوطالبؑ بعض مصلحتوں کی بناء پر خاموش رہے لیکن اس کے باوجود تاریخ کے دامن میں بکھرے ہوئے آپؑ کے جواہر پارے اس بات کی علامت ہیں کہ دعوت ذوالعشیرہ میں بھی آپ نے اسلام اور پیامبر اکرمؐ کی تصدیق فرمائی: آیت ﴿و انذر عشیرتک الاقربین﴾ کے نزول کے بعد حضرت ابوطالبؑ کے گھر میں تقریباً چالیس کے قریب افراد اکٹھے ہوئے، جنھیں پیامبر اکرمؐ کی جانب سے کھانا پیش کیا گیا کھانے کے بعد پیامبر اکرمؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمھیں دوسروں پر فضیلت عطا فرمائی ہے اور تمھارا انتخاب فرمایا ہے اور اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمھارے درمیان مبعوث فرمایا ہے کہ اس کی بیعت کرو، اس گفتگو کے دوران ابولہب بول اٹھا کہ اس سے قبل کہ دوسرے قبائل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روکیں، تم خود انھیں روکو، کیونکہ اس وقت اگر ان کی مدد کرو گے تو مارے جاؤ گے اور اگر تنہا چھوڑ دو گے تو ذلیل و رسوا ہو جاؤ گے۔ حضرت ابوطالبؑ نے یہ سنا تو کھڑے ہو کر ابولھب کو مخاطب کیا اور فرمایا اے خاندان کے لیے باعث ننگ: ہم محمدؐ کی مدد کے لیے آمادہ ہیں اور ہمیشہ اس کی مدد کرتے رہیں گے، اس کے بعد پیامبر اکرمؐ کی جانب رخ کر کے فرمایا: اے بھتیجے جب بھی اپنے پروردگار کی طرف دعوت دینا چاہو تو ہمیں باخبر کر دو تا کہ ہم مسلح ہو کر تمھارے ساتھ آجائیں۔(۲)

۱۔ تاریخ اسلام از آغاز تا ہجرت، ص ۲۱۵۔

۲۔ ترجمہ تاریخ یعقوبی ص ۳۸۴۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ابن اثیر نے حضرت ابوطالبؑ کی پیامبر اکرم سے گفتگو میں کچھ اضافہ کیا ہے اور اس طرح سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابوطالبؑ نے فرمایا: تمھاری مدد و نصرت کرنا ہمیں بہت پسند ہے تمھاری خیر خواہی ہمارا ہدف ہے اور تمھاری تمام باتوں کی تصدیق کرتے ہیں، یہ سب تمھارے رشتہ دار ہیں جو اکٹھے ہوئے ہیں، میں بھی انھیں میں سے ایک ہوں اس فرق و تفاوت کے ساتھ کہ مجھے تمھاری پسندیدہ چیزیں بہت عزیز ہیں جاؤ اور جا کر اپنے وظیفہ کو انجام دو، خدا کی قسم میں ہمیشہ تمھارا محافظ و حامی رہوں گا، صرف میرا نفس اور باطن دین عبدالمطلبؑ سے جدائی کی اجازت نہیں دیتا۔(۱)

مذکورہ واقعہ پر اگر ایک نظر ڈالی جائے تو چند باتیں روشن ہو جاتی ہیں۔

الف: ابن اثیر کی گفتگو میں تناقض پایا جا رہا ہے کیونکہ ایک طرف تو حضرت ابوطالبؑ فرما رہے ہیں کہ میں آپ کی تمام باتوں کی تصدیق کرتا اور آپ کی پسندیدہ چیزوں سے بہت زیادہ محبت کرتا ہوں اور دوسری طرف کہہ رہے ہیں کہ میرا نفس و باطن دین عبدالمطلب سے جدا ہونے کی اجازت نہیں دیتا لہٰذا یا تو پہلا جملہ حضرت ابوطالبؑ کا نہیں ہے یا دوسرا جملہ حضرت ابوطالبؑ کا نہیں ہے۔

ب: آئین حضرت عبدالمطلب سے جدائی والے جملہ کا اضافہ کرنے والے کے نزدیک حضرت عبدالمطلب بھی مشرکین کی صف میں کھڑے ہیں جبکہ ہم گزشتہ مباحث میں یہ بیان کر چکے ہیں کہ پیامبر اکرمؐ کے آباء و اجداد دین ابراہیمؑ کے پیروکار اور کفر و شرک سے دور تھے، لہٰذا ابن اثیر کا اس انداز میں روایت نقل کرنا ہی اس کے غلط ہونے کی دلیل ہے۔

ایمان ابوطالبؑ (۲):

پیامبر کرمؐ کی حمایت و نصرت میں حضرت ابوطالبؑ کی پامردی و جانفشانی وہ ناقابل انکار حقیقت

۱۔ الکامل ج۲ ص۲۴۔

۲۔ ماخوذ از سیرت امیرالمومنین ج۱۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہے جس سے چشم پوشی، روز روشن میں سورج کے وجود کو جھٹلانے کے مترادف ہے، یہی وجہ ہے کہ بغض ابوطالبؑ سے معمور قلوب کے حامل افراد نے اس کی اہمیت کم کرنے کے لیے حضرت ابوطالبؑ کی نصرت وحمایت کو قرابت وقبائلی تعصب کا نتیجہ قرار دیا کہ یہ مدد ونصرت مذہبی واعتقادی جذبہ کا نتیجہ نہیں ہے کیونکہ اعراب انتہائی دور کی رشتہ داریوں کو بھی بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے چہ جائے کہ اپنی گود میں پرورش پانے والا بھتیجا!

آیئے ذرا اس بے پایہ کوشش کا جائزہ لیا جائے:

الف:۔ عرب قرابت داری کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے یہاں تک کہ اس کی خاطر اپنی جان سے بھی گزر جاتے تھے لیکن اس سے بھی زیادہ قوی و مضبوط تعلق کسی بھی انسان کا اپنے مذہب و دین سے ہوتا ہے، جس پر عرب وغیر عرب روز ازل سے لیکر آج تک اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہیں لہذا کتنی ہی عزیز داری وقرابت داری کیوں نہ ہو کوئی بھی شخص دین ومذہب کے مقابلہ میں قرابت ورشتہ داری کو کوئی اہمیت نہیں دیتا چہ جائے کہ اپنے معبودوں اور عقائد کی تذلیل میں تعاون کرے اور اپنے مذہب کا مذاق اڑانے والے کو سینے سے لگائے، جب ایک عام آدمی سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تو پھر سید البطحاء سے اس قسم کے کام کی توقع کیوں کر کی جاسکتی ہے

لہذا یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت ابوطالبؑ کی جانب سے بتوں کو برا بھلا کہنے میں پیامبر اکرمؐ کی حوصلہ افزائی اور اسلامی نظریات کی تبلیغ واشاعت میں آنحضرتؐ کی ہمراہی، قرابت داری وقبائلی تعصب کا نتیجہ نہیں بلکہ خالصاً اسلامی تعلیمات سے حد درجہ لگاؤ اور دین اسلام سے بے پناہ محبت کا نتیجہ ہے۔

ب: اگر بالفرض یہ تمام حمایت ونصرت قرابت ورشتہ داری کی بناء پر تھی تو سوال یہ ہے کہ اولاد سے زیادہ محبت ہوتی ہے یا بھتیجے سے؟ ہر ذی شعور اولاد کی محبت وقرابت کو زیادہ گہرا وعمیق قرار دے گا پس اگر حضرت ابوطالبؑ کی طرف سے یہ تمام جانفشانیاں قرابت ورشتہ داری کی وجہ سے ہوتیں تو کبھی بھی آپ آنحضرتؐ کی جگہ اپنے بیٹوں کو سونے کا حکم نہ دیتے، رات کی تاریکی میں اٹھ اٹھ کر پیامبر اکرمؐ کا بستر اپنی اولاد سے تبدیل نہ کیا کرتے اور بھتیجے کو بچانے کی خاطر اولاد کو موت کی جانب نہ دھکیلتے، دنیائے عقل وشعور

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تاریخ کے دامن میں کوئی ایسی مثال نہیں دکھا سکتی کہ کوئی شخص اپنے دین ومذہب کے مخالف کو بچانے کے لیے اپنی اولاد کو موت کے حوالے کر دے۔ الہٰذا عقیل عرب ایسا کیوں کر کر سکتے ہیں؟ اس تمام صورت حال سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس نصرت وحمایت میں قرابت داری کے جذبات کارفرما نہیں تھے بلکہ مذہبی ودینی جذبات تھے جو حضرت ابوطالبؑ کو ہمیشہ نصرت پیامبر اکرمؐ میں سرگرم عمل رکھتے تھے۔

ج: حضرت ابوطالبؑ کی حمایت ونصرت کے مذہبی ونظریاتی بنیاد پر ہونے کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ اگر یہ تمام کاوشیں وکوششیں رشتہ داری کی وجہ سے تھیں تو پھر ابولہب بھی تو آنحضرتؐ کا رشتہ دار تھا، وہ بھی تو پیامبر اکرمؐ کا چچا تھا وہ کیوں نہ نسبی قرابت کی وجہ سے آنحضرتؐ کی حمایت میں اٹھ کھڑا ہوا؟ یا کم از کم قریبی رشتہ داری کی وجہ سے آپؐ کی دشمنی سے دست بردار اور کھلے بندوں آپ کی مخالفت سے باز آ گیا؟ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کا چچا آذر، خلیل اللہ کا چچا ہونے کے باوجود ہمیشہ حضرت ابراہیمؑ کی مخالفت پر کمر بستہ رہا، یا اس سے بھی زیادہ قریبی رشتہ حضرت نوحؑ کا بیٹا کفار کی ہموائی میں باپ کو چھوڑ کر چلا گیا یا حضرت لوطؑ کی بیوی کی جانب سے خدا کے صالح نبی کی مخالفت وغیرہ، سب اس بات کی علامت ہیں کہ رشتہ داری تو موجود تھی لیکن رشتہ داری سے بھی زیادہ قوی ومضبوط تعلق یعنی مذہبی ودینی یگانگی موجود نہیں تھی۔

لہٰذا حضرت ابوطالبؑ کی حمایت ونصرت کو صرف رشتہ داری کا سبب قرار دینا سراسر ناانصافی، محسن کشی اور ظلم ڈھانے کے مترادف ہے، حضرت ابوطالبؑ کی یہ تمام خدمات آپ کے راسخ العقیدہ مومن ومسلمان ہونے کا واضح ثبوت اور روشن دلیل ہے۔

تصدیق قلبی: (تصدیق بالجنان)

تمام علماء اسلام کے نزدیک ایمان، قلبی وباطنی تصدیق کا نام ہے کیونکہ قلبی تصدیق اور باطنی اعتقاد وہ چیز ہے جس میں منافقت ودورخی کا گزر نہیں، یہی وجہ ہے کہ خداوند متعال نے بھی زبانی ایمان کا دعویٰ کرنے والے اعراب سے فرمایا کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ اسلام لائے ہو کیونکہ ایمان کا مطلب ہے

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یقین واعتقاد اور یقین اپنے اثرات سے اور اعتقاد کی بنا پر انجام پانے والے اعمال سے پہچانا جاتا ہے۔

اگر اسی اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے حضرت ابو طالبؑ کی زندگی اور ان کی عظیم خدمات کا جائزہ لیا جائے تو کوئی بھی انصاف پسند شخص یہ فیصلہ دینے میں کوتاہی نہیں کرے گا کہ حضرت ابو طالبؑ کی پوری زندگی ایمان قلبی اور تصدیق باطنی سے لبریز ہے کیونکہ اگر حضرت ابو طالبؑ کا دل ایمان سے معمور نہ ہوتا تو کبھی بھی مکہ کی پرسکون زندگی اور قریش کی سرداری کو ٹھکرا کر اپنے قوم وقبیلہ کی دشمنی مول لیکر انتہائی لگن اور تندہی سے آنحضرتؐ اور مسلمانوں کی نصرت وحمایت کے لیے نہ اٹھ کھڑے ہوتے۔

تصدیق باللسان:

علماء کے نزدیک ایمان کا ایک حصہ زبان سے اظہار ہے لیکن یہ اظہار قلبی تصدیق کے بعد آتا ہے اور اس سے مراد اعلان اسلام نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک اعلان اسلام، شرط اسلام نہیں ہے خصوصاً جبکہ اسلام کو پوشیدہ رکھنے میں کوئی مصلحت ہو یا کوئی ضرورت، اظہار سے مانع ہو۔

چنانچہ ابتدائے بعثت میں اسلام کی مخفی دعوت کے دوران بعض مصلحتوں اور ضرورتوں کی بنا پر آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو اظہار اسلام کی ممانعت فرمائی اور حتیٰ کہ دعوت ذوالعشیرہ سے پہلے تک آنحضرتؐ خود بھی بعض مسلمانوں کے ساتھ مل کر مکہ کی گھاٹیوں میں جا کر نماز ادا فرماتے اور یہ سلسلہ کچھ عرصہ جاری رہا تا کہ اسلام کی بہتر طریقہ سے حفاظت ہو سکے، اسی طرح اعلانیہ دعوت اسلام کے باوجود بھی بعض مسلمان مختلف مصلحتوں کی بنا پر اسلامی عقائد کو مخفی رکھتے جس کا فائدہ کسی نہ کسی صورت میں اسلام یا مسلمانوں کو پہنچتا تھا اور اسلام کے وسیع تر مفاد کے لیے خود آنحضرتؐ نے اس کام کی اجازت دی تھی لہذا اس تمہید کی روشنی میں اگر چہ بعض افراد کی زبانی اقرار اسلام کے شواہد نہ ملیں لیکن اگر ان کی گفتگو میں ایسے قرائن وشواہد مل جائیں جو ان کے اسلام لانے کی دلیل ہوں تو ان سے نظریں چرانا حقائق سے فرار ہونے کے مترادف ہے۔

آیئے اب ذرا حضرت ابو طالبؑ کی گفتگو ان کے کلمات واشعار کا مختصر سا جائزہ لیں کہ کیا آپ

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کے کلام میں تصدیق باللسان کے عناصر پائے جا رہے ہیں یا نہیں؟

حضرت ابوطالبؑ کے اقرار رسالت سے انکار کی قطعا کوئی گنجائش نہیں کیونکہ حضرت ابوطالبؑ کی زندگی کے مختلف واقعات "خواہ طلب باران ہو یا قحط سالی یا کوئی اور مناسبت" گواہ ہیں کہ حضرت ابوطالبؑ نے ہمیشہ پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وسیلہ بنایا اور ایسے انداز میں گفتگو فرمائی کہ جس کا ہر ہر جملہ آپ کی نبوت و رسالت کا گواہ ہے چنانچہ ایک مرتبہ پیامبر اکرمؐ حضرت ابوطالبؑ کی بیماری کے دوران آپ کی عیادت کے لیے تشریف لائے تو حضرت ابوطالبؑ نے عرض کیا: یابن اخی ادع ربک الذی بعثک یعافینی۔۔ اے بھتیجے! اپنے پروردگار سے دعا کیجیے جس نے آپکو مبعوث کیا مجھے شفا بخشے آنحضرتؐ نے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی اللھم اشف عمی بارالٰہا میرے چچا کو شفا عنایت فرما، اس دعا کے نتیجہ میں آپ فوراً شفایاب ہو گئے اور بستر بیماری سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

اس مختصر سی گفتگو میں حضرت ابوطالبؑ کی جانب سے آنحضرتؐ کی بعثت کی جانب اشارہ، کیا اعتراف رسالت نہیں؟! اگر حضرت ابوطالبؑ کی نگاہ میں پیامبر اکرمؐ، خدا کے رسولؐ اور پیغمبر کی حیثیت نہیں رکھتے تھے تو کیا ضرورت تھی کہ بعثت کا حوالہ دینے کی! صرف یہ بھی تو کہہ سکتے تھے کہ یابن اخی ادع ربک یعافینی بیٹے اپنے رب سے دعا کرو مجھے شفا بخشے۔

اس قسم کی گفتگو کے علاوہ عربوں کا انداز سخن یعنی اشعار، اقرار نبوت و رسالت کا واضح ثبوت ہیں، گزشتہ مباحث میں، ہم چند اشعار کی جانب اشارہ کر چکے ہیں یہاں پر مزید چند ایک اشعار کی جانب اشارہ کر کے اس بحث کو پایہ تکمیل تک پہنچاتے ہیں: جب قریش نے پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاموش کرنے اور تشدد کی دھمکی دی تو حضرت ابوطالبؑ نے یہ اشعار کہے:

واللہ لن یصلوا الیک بجمعھم حتیٰ اوسد فی التراب دفینا

"جب تک مجھے زمین میں دفن نہ کر دیا جائے، خدا کی قسم اس وقت تک قریش اپنی تمام تر طاقتوں کے باوجود بھی آپؐ کے قریب نہیں پھٹک سکتے"

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

فاصدع بامرک ما علیک غضاضة والبشر بذلک وقر منک عیونا

بغیر کسی خوف وہراس کے خدا کے احکام بیان کیجئے اور اس طرح اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کیجئے ۔

دعوتنی وعلمت انک ناصحی و دعوت لقد و کنت ثم امینا

آپؐ نے مجھے اسلام کی جانب بلایا اور مجھے یقین ہے کہ آپ میرے خیر خواہ و ہمدرد ہیں اور پھر آپؐ امین بھی تو ہیں۔

ولقد علمت بان دین محمدؐ من خیر الادیان البریة دینا

مجھے یقین ہے کہ محمدؐ کا دین، دنیا کے تمام ادیان سے بہتر ہے ۔اس قسم کے اشعار سے تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں اور بعض افراد نے تو ان کی تعداد تین ہزار تک بیان کی ہے(۱)

یہ اگر کفر ہے پھر کیا ہے مسلمان ہونا!

عمل بالارکان:

علماء کے نزدیک ایمان کی تیسری منزل یا علامت اسلامی احکام پر عمل پیرا ہونا ہے، آیئے اب اسی اصول کی روشنی میں حضرت ابوطالبؑ کی زندگی پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں تا کہ حقائق سے صحیح آشنائی ہو سکے۔

ہجرت سے پہلے دین اسلام اپنی ابتدائی منزلوں میں تھا اور اسلامی احکام توحید و رسالت کی گواہی اور آنحضرتؐ کی نصرت وحمایت میں خلاصہ ہوتے تھے اگر ان احکام کو مد نظر رکھتے ہوئے حضرت ابوطالبؑ کی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو آپ قدم قدم پر اسلامی احکام پر عمل پیرا نظر آتے ہیں، آپ کے اشعار توحید ورسالت کی گواہی سے لبریز ہیں۔

علاوہ ازیں خداوند متعال نے پیامبر اکرمؐ اور مومنین کو کافروں کی اطاعت سے منع کیا ہے کہ

۱۔ متشابہات القرآن، ابن شہر آشوب

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پیامبر اکرمؐ اور امت مسلمہ کو زیب نہیں دیتا کہ کافروں کی پیروی کریں، یہ ایک ایسا اصول ہے جو ازل سے ابد تک بلا تفریق ملت و مذہب تمام مسلمانوں کے درمیان رائج ہے۔

دوسری جانب ہم دیکھتے ہیں کہ عمرو ابن علقمہ کے قتل کے سلسلہ میں حضرت ابو طالبؑ نے قسامت، کا طریقہ رائج کیا، قسامت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی فرد قتل ہو جائے اور اس کے ورثاء کسی شخص کو قاتل قرار دیں لیکن گواہ پیش نہ کر سکیں البتہ ایسے قرائن و شواہد پائے جائیں جو مدعی کے دعویٰ کی تائید کریں تو مقتول کے قبیلہ و خاندان سے پچاس قسمیں اٹھوائی جائیں گی کہ فلاں قاتل ہے، اگر قسم کھانے والوں کی تعداد کم ہو تو انھیں افراد سے کئی بار قسمیں اٹھوا کر عدد پورا کیا جائے گا اور مدعا علیہ کو قاتل قرار دیا جائے گا تا کہ مقتول کا خون رائیگاں نہ جائے اسلام نے اس طریقہ کی افادیت کے پیش نظر اسے برقرار رکھا۔

اگر نعوذ باللہ حضرت ابو طالبؑ کافر تھے تو پیامبر اکرمؐ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو حضرت ابو طالبؑ کی پیروی کا حکم کیوں دے رہے ہیں؟

ایمان مخفی رکھنے کا راز:

ابتدائے بعثت اور اعلانیہ تبلیغ کے آغاز سے پہلے آنحضرتؐ کی حکمت عملی یہ تھی کہ انفرادی طور پر لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے اور اسلام کی آواز پر لبیک کہنے والے مسلمانوں کو اظہار اسلام سے منع فرماتے اعلانیہ تبلیغ کے موقعہ پر جہاں مسلمانوں کے ایک گروہ نے اظہار اسلام کیا وہیں کچھ لوگ پیامبر اکرمؐ کی ہدایات کے پیش نظر اپنے اسلام کو چھپائے رہے، صرف اسی حد تک اسلامی احکام بجالاتے جس حد تک ان کے قبائلی و خاندانی حالات اور اسلام کے وسیع تر مفادات اجازت دیتے یہ سلسلہ حتیٰ کہ ہجرت کے بعد بھی جاری رہا، مسلمانوں کی اس جماعت میں پیامبر اکرمؐ کے چچا جناب عباس بن عبد المطلب اور ان کے گھر والے بھی شامل ہیں چنانچہ جناب عباس کے غلام ابو رافع کہتے ہیں:

میں عباس بن عبد المطلب کا غلام تھا اور اسلام آنحضرتؐ کے اعزاء و اقرباء کے گھروں میں آچکا تھا

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

چنانچہ ام الفضل زوجہ عباس اور میں اسلام لا چکے تھے لیکن عباس اپنی قوم سے ڈرتے اور ان کی مخالفت پسند نہ کرتے تھے اور اپنے اسلام کو چھپائے رکھتے تھے (۱)

مسلمانوں کی یہ چھوٹی سی جماعت اپنا اسلام چھپا کر اسلام اور مسلمانوں کی وہ عظیم خدمت کر رہے تھے جو اظہار اسلام کے بعد ممکن نہیں تھی کیونکہ یہ لوگ دشمن کے درمیان رہتے ہوئے ان تمام جنگی و جارحانہ عزائم اور نقل و حرکت کی اطلاع آنحضرتؐ کو پہنچاتے رہتے تھے جس کی وجہ سے آنحضرتؐ کو مناسب اقدامات کا بہترین موقعہ میسر آجاتا تھا یہی وجہ ہے کہ جب جناب عباس نے آنحضرتؐ سے مدینہ آنے کی اجازت طلب فرمائی تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تمھارا مکہ میں رہنا زیادہ بہتر ہے۔ (۲)

حضرت ابو طالبؑ نے بھی اپنا ایمان اسلام کے وسیع تر مفادات کی وجہ سے ہمیشہ مخفی رکھا البتہ اخفائے ایمان اس حد تک تھا کہ قریش کو مخالفت کا موقعہ نہ ملے ورنہ تو حضرت ابو طالبؑ نے مختلف اشعار کی صورت میں متعدد مرتبہ اپنے ایمان کا اظہار فرمایا تھا۔

حضرت ابو طالبؑ اگر علی الاعلان اظہار اسلام فرماتے تو اس کا سب سے زیادہ نقصان اسلام کو اٹھانا پڑتا کیونکہ ایسی صورت میں قریش حضرت ابو طالب کو اپنا سردار تسلیم نہ کرتے اور اعلان بعثت کے فوراً بعد ہونے والی گفت و شنید کے سلسلہ کے بجائے داخلی جنگوں کا ایک باب کھل جاتا اور مستشرقین جو اسلام کے فروغ کو تلوار کا مرہون منت قرار دیتے ہیں کے ہاتھ ایک معقول بہانہ آجاتا کہ دین اسلام ابتدائے بعثت سے آج تک گردنوں پر استوار ہے۔

حضرت ابو طالبؑ کی جانب سے اظہار اسلام نہ کرنے کے بہت سے فوائد تاریخ کے دامن میں محفوظ ہیں اور در حقیقت اگر دیکھا جائے تو مکہ میں اسلام قبول کرنے والے تمام مسلمانوں کو حضرت ابو طالبؑ

۱۔ تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۵۹

۲۔ الاستیعاب ج ۲ ص ۴۸۵

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

کا ممنون احسان ہونا چاہیے کیونکہ یہی وہ شخصیت ہے جس نے اسلام اور پیامبر اکرمؐ کی حمایت ونصرت اور دین کے فروغ کے لیے حلم وبردباری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے ایمان کو چھپائے رکھا اور مشرکین مکہ کو وہ انتہائی قدم اٹھانے کا موقعہ نہیں دیا جو آپ کی وفات کے بعد اٹھایا گیا اور نعوذ باللہ آپؐ کو شہید کرنے کی کوشش کی گئی۔

دلائل تکفیر کا جائزہ:

حضرت ابوطالبؑ کے ایمان پر بے شمار شواہد وقرائن اور دلائل موجود ہیں اس کے برعکس آپ کے کفر کے سلسلہ میں چند گنی چنی روایات بلکہ چند روایات کو بنیاد بنا کر آپ کی تمام اسلامی خدمات پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے اور یہ بے پایہ کوشش ان اموی حدیث سازوں کی طرف سے ہے جن کی ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ حضرت علیؑ کے فضائل کو چھپا ئیں یا بے سروپا باتیں ان سے منسوب کردیں تاکہ فضیلت وعظمت کی حامل یہ عظیم شخصیت ان کے معمولی بزرگوں کی صف میں پہنچ جائے۔

منکرین ایمان ابوطالبؑ کے دلائل کا کوئی بھی ذی شعور شخص جائزہ لے تو بے اختیار ان کے بے سروپا ہونے کو تسلیم کرے گا، ذیل میں مذکورہ روایات پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے اور فیصلہ قارئین پر چھوڑتے ہیں:

اول: روایت میں ہے کہ جب حضرت ابوطالبؑ کا وقت رحلت قریب آیا تو پیغمبر اکرمؐ تشریف لائے، وہاں پر ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ بھی موجود تھے، آنحضرتؐ نے حضرت ابوطالبؑ سے فرمایا: چچا کلمہ "لاالٰہ الا اللہ" پڑھیے تاکہ میں آپ کے ایمان کی گواہی دے سکوں، یہ سن کر ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ نے آگے بڑھ کر کہا کیا آپ دین عبدالمطلب سے روگردان ہوجائیں گے؟

حضرت ابوطالب نے فرمایا: انا علی ملة عبدالمطلب. میں عبدالمطلب کے دین وملت پر ہوں اور پھر اسی حالت میں رحلت فرمائی اور کلمہ نہ پڑھا، اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا: "لاستغفرن لک

Presented by: Rana Jabir Abbas
Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مالم انهی عنه "اگر مجھے منع نہ کیا گیا تو میں ہمیشہ آپ کے لیے دعا مغفرت کرتا رہوں گا جس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ما کان للنبی والذین آمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولیٰ قربیٰ من بعد ما تبین لهم انهم اصحاب الجحیم﴾(۱) "نبی اور اہل ایمان کو زیب نہیں دیتا کہ وہ مشرکوں کے لئے دعائے مغفرت کریں اگرچہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں جبکہ ان پر یہ امر واضح ہو چکا ہو کہ وہ دوزخی ہیں۔

آیئے اب اس پہلی روایت کا جائزہ لیتے ہیں:

الف: اس روایت کا راوی سعید بن میتب کا باپ یعنی میتب بن حزن ہے، یہ میتب صرف اپنے باپ حزن اور ابوسفیان سے روایت نقل کرتا ہے اور پھر خود میتب سے صرف اس کا بیٹا سعید روایت کرتا ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس دور میں بھی اس کی روایت کو کوئی دوسرا شخص اہمیت نہیں دیتا تھا۔

ب: یہ شخص فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوا جبکہ حضرت ابوطالبؑ کا انتقال ہجرت سے پہلے ہوا ہے، اولاً تو یہ شخص وہاں موجود ہی نہیں تھا اور نہ ہی کسی نے اس کی موجودگی کا دعویٰ کیا ہے، اگر اس نے یہ واقعہ کسی سے سنا تھا تو جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ کس سے سنا تھا اس وقت تک نہ اس روایت کا کوئی وزن ہے اور نہ ہی اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

ج: میتب کا خاندان، اہل بیت علیہم السلام سے منحرف سمجھا جاتا تھا جس کی بہت بڑی مثال اس وقت دیکھنے کو ملتی ہے جب سعید بن میتب کو اہل بیت علیہم السلام کی عظیم شخصیت حضرت علی بن الحسینؑ زین العابدینؑ کے جنازے میں شرکت کی دعوت دی گئی تو یہ شخص مسجد میں موجود ہونے کے باوجود جنازہ میں شریک نہ ہوا اور کہا کہ میرے نزدیک نماز جنازہ میں شرکت سے زیادہ پسندیدہ کام دو رکعت نماز پڑھنا ہے علاوہ ازیں خود میتب اس شخص سے حدیث نقل کیا کرتا تھا جو ہمیشہ شھداء بدر و اُحد خصوصاً حضرت حمزہ اور

۱۔ سورہ توبہ آیت ۱۱۳

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حضرت ابو طالبؑ کی قبور پر آکر بے حرمتی کیا کرتا تھا، لہذا کیا ایسے افراد سے حضرت ابو طالب کی شان و منزلت میں کوئی حدیث نقل ہو سکتی ہے؟

د: اس روایت کی مخالف روایات بھی موجود ہیں جن میں یہ صراحت موجود ہے کہ حضرت ابو طالبؑ نے آخری وقت میں کلمہ پڑھا: "لما تقارب من ابی طالب الموت جعل یحرک شفتیه فاصغی الیه العباس وقال واللہ یابن اخی قال الکلمة التی امرته ان یقولها فقال رسول اللہ الحمد للہ الذی هداک یا عم"(۱) جب حضرت ابو طالبؑ کا وقت وفات قریب آیا تو انھوں نے اپنے ہونٹوں کو جنبش دی عباس بن عبد المطلب نے کان لگا کر سنا تو آنحضرتؐ سے کہا اے برادر زادے خدا کی قسم ابو طالبؑ نے وہ کلمہ پڑھا ہے جو آپ ان سے پڑھوانا چاہتے تھے آنحضرتؐ نے سنا تو فرمایا: اے چچا خدا کا شکر ہے جس نے آپ کو ہدایت دی۔

اس روایت کو صرف سابقہ روایت سے تعارض دکھانے کے لیے پیش کیا گیا ہے ورنہ جو ابتدائے بعثت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صادق وامین اور خدا کا بھیجا ہوا رسول سمجھتا رہا ہو، اس سے کلمہ پڑھوانے کی تلقین ایسے ہی ہے جیسے آخری وقت ہر کسی کو کلمہ پڑھنے کے لیے کہا جاتا ہے۔

ھ: اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آیت: ﴿ما کان للنبی ....﴾ حضرت ابو طالبؑ کے انتقال کے فوراً بعد نازل ہوئی ہوگی تاکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک نامشروع فعل سے روک دیا جائے، حالانکہ یہ آیت سورۃ برائت کی آیت ہے جو فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی سورۃ "برائت" اور وفات حضرت ابو طالبؑ کے درمیان تقریباً دس سال کا فاصلہ ہے، ہر صاحب نظر اندازہ لگا سکتا ہے کہ اس آیت کا حضرت ابو طالبؑ سے تعلق کہاں تک ہو سکتا ہے، روایت ساز نے نہ اس پر نظر کی کہ یہ آیت کب نازل ہوئی اور نہ ادھر نگاہ دوڑائی کہ حضرت ابو طالبؑ نے کب انتقال فرمایا، اس نے صرف اس آیت کا مصداق حضرت ابو طالبؑ کو

۱۔ تاریخ ابو الفدا، ج ۱، ص ۱۲۰

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ثابت کرنا تھا لہذا ایک واقعہ گھڑ کر نہایت چابکدستی سے آیت کے ساتھ جوڑ دیا تا کہ ظاہر بین افراد یہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں دعائے مغفرت کرنے سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روک دیا اور خود قرآن مجید نے انھیں مشرک کہا ہے لہذا اب ان کے کفر میں کیا شک وشبہ ہوسکتا ہے۔

و: اگر اس آیت کو حضرت ابوطالبؑ کے متعلق مانا جائے تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ پیغمبر اکرمؐ دس برس تک حضرت ابوطالبؑ کے حق میں حسب وعدہ دعائے مغفرت کرتے رہے اور قدرت کو اس بے اثر و بے ثمر دعا سے روکنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی اور جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعا کرتے ہوئے ایک طویل مدت گزر گئی تو خداوند متعال کو ضرورت محسوس ہوئی اور دعائے مغفرت سے روکنے کے لیے یہ آیت نازل کردی اور پیغمبر اکرمؐ اتنا عرصہ ایک ایسے فعل کے مرتکب ہوتے رہے جو تقاضائے اسلام اور منشائے خداوندی کے سراسر خلاف تھا کیا ایسی بے سروپا روایت پر کسی عقیدہ کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے یا اس کی صحت پر اعتماد کرتے ہوئے کسی کے کفر وایمان کا فیصلہ دیا جاسکتا ہے؟!

ز: اس آیت ﴿وما کان النبی﴾ کے نزول سے پہلے بہت سی ایسی آیات نازل ہوچکی تھیں جن میں واضح طور پر کفار ومنافقین کے لیے دعائے مغفرت سے روکا جاچکا تھا مثلاً:

﴿سواء علیهم استغفرت لهم ام لم تستغفر لهم لن یغفر الله لهم﴾(۱)

''تم ان کے لیے دعائے مغفرت مانگو یا نہ مانگو ان کے لیے برابر ہے خدا تو انھیں ہرگز نہیں بخشے گا'' سورہ منافقون سورہ برائت سے قبل سن ۶ ہجری میں نازل ہوئی لہذا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلے سے کفار ومشرکین کے لئے دعائے مغفرت سے منع کیا جاچکا تھا تو پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ اگر مجھے منع نہ کیا گیا تو میں ان کے لیے دعائے مغفرت کرتا رہوں گا؟

کیا یہ ممکن ہے کہ آنحضرتؐ ممانعت کی آیات کے بعد کسی مشرک وکافر کے لئے دعائے مغفرت

۱۔ سورہ منافقون آیت ۶

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کریں؟ اور اس طرح قرآن کی صریح آیات کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوں (نعوذ باللہ) لہذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس آیت کا حضرت ابوطالبؑ سے دور کا بھی تعلق نہیں اور پیغمبر اکرمؐ انھیں مومن و مسلم سمجھ کر دعائے مغفرت کیا کرتے تھے ورنہ ان کے کافر ہونے کی صورت میں دعائے مغفرت کا کوئی جواز نہ تھا اور اگر یہ اصرار کیا جائے کہ اسلام سے منحرف ہونے کے باوجود ان کے لئے
دعائے مغفرت کا سلسلہ جاری رہا تو اس سے پیغمبر اکرمؐ کا دامن عصمت داغدار اور پیراہن نبوت تار تار ہو جائے گا اور قرآنی تعلیمات کے خلاف عمل پیرا ہونے کی وجہ سے عدالت برقرار نہیں رہتی چہ جائے کہ نبوت! کیا اثبات کفر کی ایسی روایات توجہ کے قابل بھی جا سکتی ہیں جن سے نبوت کی توہین اور دامن رسالت کی پاکیزگی و تقدس بھی محفوظ نہ رہے.؟!

ز:۔ ترمذی نے اپنی صحیح کے باب التفسیر میں اس آیت کے شان نزول کے سلسلہ میں تحریر کیا ہے کہ حضرت علیؑ نے ایک شخص کو اپنے کافر ماں باپ کے حق میں دعائے مغفرت کرتے سنا تو اس سے کہا کہ تم ایسے والدین کے لئے دعا کرتے ہو جو کافر و مشرک مرے تھے، اس شخص نے کہا کیا حضرت ابراہیمؑ نے اپنے چچا آذر کے لئے دعائے مغفرت نہیں کی تھی؟ حالانکہ وہ مشرک و بت پرست تھا، حضرت علیؑ کہتے ہیں میں پیغمبر کی خدمت میں حاضر ہوا اور تمام واقعہ کہہ سنایا تو یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو اپنے کافر و مشرک عزیزوں کے لیے دعائے مغفرت سے منع کر دیا گیا۔

اس روایت میں چند امور غور طلب اور قابل توجہ ہیں:

ا۔ کافر و مشرک عزیزوں کے لیے دعائے مغفرت جائز ہوتی تو حضرت علیؑ جو اسلام کے احکام وسنن کے عالم تھے کبھی اس کام پر اعتراض نہ کرتے، امیر المومنینؑ کی جانب سے اس دعا پر حیرت واستعجاب اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ کافر و مشرک عزیزوں کے لیے دعائے مغفرت کسی مسلمان کا شیوہ نہیں ہو سکتا

۲۔ اس شخص نے اپنے عمل کے جواز کے لئے حضرت ابراہیمؑ کے عمل سے استناد کیا کہ حضرت ابراہیمؑ نے بھی تو اپنے چچا آذر کیلئے دعا مغفرت کی تھی حالانکہ اسے ماضی کے اوراق الٹ کر اتنا دور جانے کی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ضرورت نہیں تھی بلکہ حضرت ابراہیمؑ کے عمل سے استناد کرنے کے بجائے پیغمبر اکرمؐ کے عمل کو بطور دلیل پیش کرنا چاہیے تھا انھوں نے بھی تو اپنے مشرک چچا کے لئے دعا مغفرت کی تھی مگر اس کا اپنے عمل پر پیغمبر اکرمؐ کے عمل کو پیش نہ کرنا بتاتا ہے کہ اس کے ذہن میں مشرک ہونے کا تصور تک نہ تھا ورنہ حضرت علیؑ کو خاموش کرنے کے لئے یہ جواب زیادہ آسان تھا۔

۳۔اس شخص نے اپنے مردہ ماں کے حق میں دعائے مغفرت کے جواز کی سند حضرت ابراہیمؑ کے عمل میں تلاش کی حالانکہ حضرت ابراہیمؑ نے آذر کے مرنے کے بعد اس لئے دعا نہیں فرمائی بلکہ جب انھیں یقین ہوگیا کہ وہ راہ ہدایت پر آنے والا نہیں ہے تو اپنی زبان بند کرلی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وما کان استغفار ابراھیم لابیہ الا عن موعدۃ وعدھا ایاہ فلما تبین لہ انہ عدو للہ تبرا منہ﴾ (۱) ''حضرت ابراہیمؑ کا اپنے باپ کے لئے دعائے مغفرت مانگنا اس وعدے کی بنا پر تھا جو انھوں نے اپنے باپ سے کیا تھا، اور جب ان پر واضح ہوگیا کہ وہ دشمن خدا ہے تو اس سے بیزار ہوگئے''

۴۔حضرت ابراہیمؑ کی دعا صرف طلب ہدایت کے لئے تھی اور وہ یہ چاہتے تھے کہ اسے ہدایت نصیب ہوتا کہ آخرت میں رحمت و مغفرت کا مستحق قرار پائے کیونکہ انسان زندگی میں خواہ کتنا ہی گناہ، کفر، ضلالت میں ڈوبا ہوا ہو اس کے راہ راست پر آنے کی توقع ہوتی ہے اور یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ شاید ضلالت و گمراہی سے نکل کر حق و حقیقت کی راہ پر آجائے لہٰذا اس دعائے خلیل سے حالت کفر میں مرجانے والے اعزا و اقرباء کے لئے دعائے مغفرت کا جواز ثابت نہ ہوگا۔

ان شواہد سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ کفار کے لئے دعائے مغفرت سے ممانعت اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے ہوچکی تھی اور کافر کے لئے اس کے مرنے کے بعد نہ دعا کا کوئی محل ہے اور نہ کوئی شرعی جواز ہے لہٰذا پیامبر اکرمؐ کے بارے میں یہ تصور کیوں کر کیا جاسکتا ہے کہ انھوں نے حضرت ابوطالبؑ کو

۱۔سورۂ توبہ آیت ۱۱۴

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کافر سمجھنے کے باوجود یہ کہا ہو کہ اگر مجھے منع نہ کیا گیا تو میں آپ کے لئے دعائے مغفرت کرتا رہوں گا کیونکہ دعائے مغفرت امید بخشش سے وابستہ ہے اور ایک کافر کے لئے بخشش کی امید کیوں کر کی جا سکتی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو جہنمی قرار دے چکا ہے لہذا یہ ماننا پڑے گا کہ آنحضرتؐ حضرت ابو طالبؑ کو مومن اور مسلم سمجھ کر ان کے حق میں دعائے مغفرت کرتے تھے اور اس دعائے مغفرت کے بعد حضرت ابو طالبؑ کے کفر پر اصرار کرنا کہاں کی عقل مندی اور مسلمانی ہے؟!

۵۔ مذکورہ آیات کے شان نزول کے بارے میں بہت سی روایات موجود ہیں کسی میں کہا گیا ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب آنحضرتؐ اپنی والدہ کی قبر کے پاس سے گزرے اور خداوند متعال سے زیارت کی اجازت چاہی تو زیارت کی اجازت دی گئی اور ساتھ ہی یہ آیت بھی نازل کر دی، کہ مشرکوں کے لئے دعائے مغفرت نہ کرو، ایک روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے والد محترم حضرت عبداللہ کے لئے دعائے مغفرت کا ارادہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی اور ایک روایت میں ہے کہ کچھ مسلمانوں نے پیامبر اکرمؐ سے اپنے بزرگوں کے لئے طلب مغفرت کی اجازت مانگی تو یہ آیت نازل ہوئی غرض ان روایات پر نظر ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ جتنے منہ اتنی باتیں والا معاملہ ہے روایات میں اس قدر تضاد و تناقض کے باوجود آخر اس ایک روایت کو بنیاد بنا کر حضرت ابو طالبؑ کو کافر قرار دینے کی کوشش کیوں کی جاتی ہے۔

دوم: حضرت ابو طالبؑ کے کفر کے اثبات کے لئے مزید ایک روایت کا سہارا لیا جاتا ہے کہ جب حضرت ابو طالبؑ کا وقت وفات قریب آیا تو آنحضرتؐ نے فرمایا: چچا کلمہ پڑھیے تا کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے آپ کے ایمان کی گواہی دے سکوں، حضرت ابو طالبؑ نے کلمہ پڑھنے سے انکار کیا اور کہا اگر قریش کی طعن و تشنیع کا ڈر نہ ہوتا تو میں کلمہ پڑھ لیتا جس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿انک لاتھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء﴾(۱) "تم جسے دوست رکھتے ہو اسے ہدایت نہیں کر سکتے مگر خدا جسے چاہتا

۱۔ سورہ قصص آیت ۵۶۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہے ہدایت کرتا ہے" اس روایت کا جائزہ لیا جائے تو دوسری روایات کی طرح یہ بھی ہوا میں معلق ہے کیونکہ جھوٹے کے پاؤں نہیں ہوتے، آیئے اب ذرا ایک نظر اس روایت پر ڈالتے ہیں۔

ا۔ مذکورہ روایت مختلف واسطوں سے تین افراد سے نقل کی گئی ہے. ابو ہریرہ، عبداللہ بن عمر، اور عبداللہ بن عباس۔ ابو ہریرہ حضرت ابو طالبؑ کے انتقال کے موقعہ پر اپنی جنم بھومی یمن میں تھے اور حضرت ابو طالبؑ کی وفات کے دس سال بعد اسلام لائے لہٰذا ممکن ہی نہیں ہے کہ ابو ہریرہ نے پیامبر اکرمؐ کو تلقین کرتے اور حضرت ابو طالبؑ کو انکار کرتے دیکھا یا سنا ہو لہٰذا جس کسی سے سنا تھا اس کے نام لینے میں کیا مضائقہ تھا اور اس پر مستزاد یہ کہ ابو ہریرہ کا شمار معاویہ کے ہمنشینوں اور خصوصی مصاحبوں میں ہوتا تھا اور معاویہ کے دربار میں کوئی عہدہ یا مقام دشمنی علی علیہ السلام کے بغیر قابل حصول نہیں تھا لہٰذا ان حضرات نے حکومت کے لالچ اور معاویہ کی قربت کے چکر میں حدیث سازی کا ایسا کارخانہ کھولا جس کے صدقہ آج بھی بہت سے علماء انھیں کثیر الروایہ یا مکثر قرار دیتے ہیں اور موجودہ دانشور عموماً اب ان کو کسی خاطر میں نہیں لاتے اور شیخ المضیرہ جیسے القابات سے نوازتے ہیں۔

دوسری شخصیت ابن عمر ہیں، حضرت ابو طالبؑ کی وفات کے موقعہ پر ان کی موجودگی بھی قرین قیاس نہیں کیونکہ عبداللہ ابن عمر اس وقت سات سال کے تھے اور ایک ایسی محفل میں ان کی موجودگی مشکوک ہے، جہاں بنی ہاشم اور قریش کے بزرگ موجود ہوں اور اس سے زیادہ بعید ان کا گفتگو سن کر محفوظ رکھنا ہے اس کے علاوہ ابن عمر کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو ہمیشہ حضرت علی علیہ السلام سے منحرف رہے چنانچہ جب جناب عثمان کے بعد حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کی گئی تو انھوں نے بیعت سے انکار کر دیا تھا۔

تیسری شخصیت ابن عباس ہیں جو ہجرت سے تین سال پہلے شعب ابی طالب میں پیدا ہوئے لہٰذا ان کے وہاں موجود ہونے اور گفتگو سننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، شخصیات سے ہٹ کر اگر روایت میں موجود دیگر افراد کا جائزہ لیا جائے تو اور چار چاند لگ جاتے ہیں اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ پوری روایت انھیں لوگوں کی کارستانی ہے، انھوں نے روایت گھڑ کر مذکورہ افراد کی جانب منسوب کر دی ہے، چنانچہ ابو ہریرہ کی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

روایت میں محمد ابن عباد، ابن ابی عمر شامی اور ابن کیسان مجہول ومشتبہ افراد ہیں اور باقی دو روایتوں میں موجود عبدالقدوس شامی، ابو سہل سری ہیں جو کہ علماء رجال کے نزدیک حدیث ساز اور کاذب ہیں۔

۲۔ جس وقت آیت ﴿وانذر عشیرتک الاقربین﴾ نازل ہوئی اور پیامبر اکرمؐ اس آیت کے ذریعہ سب سے پہلے اپنے خاندان والوں کو دعوت دینے پر مامور ہوئے اور اس آیت کے نزول کے بعد اعلانیہ تبلیغ کا آغاز بھی حضرت ابو طالبؑ کے گھر سے کیا تو پھر کیا وجہ تھی کہ دیگر عزیزوں، رشتہ داروں کو اسلام کی دعوت دیتے رہے جبکہ حضرت ابو طالبؑ کو تبلیغ اور کلمہ پڑھانے کا خیال اس وقت آتا ہے جب وہ بستر بیماری پر موت وحیات کی کشمکش میں تھے، دس سال تک حضرت ابو طالبؑ کو اسلام کی دعوت نہ دینے کی چند وجوہات ہو سکتی ہیں:

الف۔ حضرت ابو طالبؑ کی امداد وتعاون کو برقرار رکھنے کے لئے انہیں اسلام کی دعوت نہیں دیتے کہ کہیں دعوت دینے کی صورت میں نصرت وحمایت سے دستبردار نہ ہو جائیں، پیامبر اکرمؐ کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ مطلب پرستی کے لئے انہیں اسلام کی دعوت نہ دیں یہ کام معمولی سطح کے انسان سے بھی انتہائی بعید ہے کہ وہ اپنے مقصد ومطلب کے چکر میں کسی شخص کو ضلالت وگمراہی میں باقی رہنے دے لہذا دعوت نہ دینے کے سلسلہ میں یہ سب تو ہرگز قابل قبول نہیں ہے۔

ب:۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے نعوذ باللہ تبلیغ کے فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی وسہل انگاری کا مظاہرہ کیا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ معاذ اللہ پیامبر اکرمؐ نے فرض کی ادائیگی میں سستی برتی اور خصوصی حکم کے باوجود انہیں دعوت اسلام دینے میں ٹال مٹول کرتے رہے اور یہ ایک نبی کے شایان شان نہیں کہ وہ فرائض میں کوتاہی کا مرتکب ہو اور حکم خداوندی کی خلاف ورزی کرے۔

ج۔ آخری صورت یہ ہے کہ پیامبر اکرمؐ نے انہیں اسلام کی دعوت دی اور ان کے ایمان واسلام سے مطمئن ہو کر ان کی مدد ونصرت کے ذریعہ اسلام کے فروغ کی سعی پیہم میں مصروف رہے۔

۳۔ اسلامی نقطہ نظر کے مطابق انسان اپنے گناہوں سے اس وقت تک توبہ کر سکتا ہے جب تک

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

آثار موت اور حالت احتضار میں مبتلا نہ ہو جائے اور اگر کوئی شخص حالت احتضار میں مبتلا ہونے کے بعد توبہ کرے تو قابل قبول نہیں اور یہ مسئلہ اسلام یا خدا پر ایمان لانے کے بارے میں بھی ایسا ہی ہے چنانچہ جب فرعون نے آثار موت دیکھے تو چیخا کہ میں موسیٰ کے خدا پر ایمان لایا لیکن اس ایمان لانے کا اسے کوئی فائدہ نہ ہوا، اس روایت کی روشنی میں کتنا عجیب لگتا ہے کہ پیامبر اکرمؐ ایک ایسے وقت میں اسلام کی دعوت دیں جب نہ توبہ قبول ہوتی ہے اور نہ ایمان لانے کا کوئی فائدہ ہوتا ہے۔

۴۔ اس آیت کے شان نزول کے بارے میں اور بھی روایات اور اقوال موجود ہیں ان روایات کی موجودگی ہی تعارض وتناقض کا پتہ دیتی ہے، ایک روایت میں ہے کہ جنگ احد میں جب آنحضرتؐ کے دندان مبارک شہید ہو گئے تو آپ نے دعا فرمائی بارالہا ان لوگوں کو ہدایت فرما یہ جاہل و بے خبر ہیں، جس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی، ایک روایت میں ہے کہ پیامبر اکرمؐ چاہتے تھے کہ حارث ابن نعمان مسلمان ہو جائے لیکن وہ ہمیشہ اسلام سے گریزاں رہا تو یہ آیت نازل ہوئی ایک مقام پر حضرت عائشہ فرماتی ہیں:

﴿نزلت انک لاتھدی من احببت وانا مع النبی فی اللحاف﴾(۱)

"آیت ﴿انک لا تھدی من احببت﴾ اس وقت نازل ہوئی جب میں رسول اللہؐ کے ساتھ چادر میں تھی" ان مختلف ومتعارض اقوال وروایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوطالبؑ کی وفات کے چھ برس بعد نازل ہوئی کیونکہ جنگ احد ۳ھ میں واقع ہوئی، یا حضرت عائشہ کے قول سے لگتا ہے کہ یہ آیت کم از کم حضرت ابوطالبؑ کی وفات کے چار سال بعد نازل ہوئی کیونکہ حضرت عائشہ کی رخصتی ہجرت کے پہلے سال میں وقوع پذیر ہوئی اور حضرت ابوطالبؑ کا انتقال ہجرت سے تین سال قبل ہوا۔

لہذا اس آیت کو حضرت ابوطالبؑ سے جوڑنا انتہائی نامعقول کوشش ہے کیونکہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوطالب دنیا میں موجود ہی نہ تھے لہذا نہ ہدایت کا کوئی موقع ہے اور نہ انکار کی کوئی جگہ۔

۱۔ مرقاۃ بر حاشیہ ترمذی ج ۲ ص ۹۶۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۵۔ اگر اس آیت کو حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں تسلیم کرلیا جائے تب بھی ان کے ایمان کی نفی نہیں ہوتی اس لئے کہ آیت کا نہج واسلوب وہ ہے جو آیت قرآنی ﴿مـا رمیـت اذ رمیـت ولکن اللّه رمـی﴾(۱) کا ہے، ''اے رسولؐ جب تم نے تیر پھینکا تو آپؐ نے نہیں پھینکا بلکہ خدا نے پھینکا ہے'' اس میں مـا رمیـت سے رمـی کی نفی بھی ہے اور اذ رمیت سے اثبات بھی، اثبات اس بنا پر کہ یہ عمل پیامبر اکرمؐ کے ہاتھوں انجام پایا اور نفی اس بناء پر کہ در حقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی کارفرمائی تھی

اسی طرح اس آیت میں ہدایت کا اثبات بھی ہے اور ہدایت کی نفی بھی نفی کی نسبت رسولؐ کی طرف ہے اور اثبات کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب، مطلب یہ ہے کہ اگر چہ یہ ہدایت بظاہر پیامبر اکرمؐ کی تبلیغ کے ذریعہ ہوئی مگر حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی امداد و تائید کا نتیجہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی ہدایت کا اصل سرچشمہ ہے اگر اس کی تائید و توفیق شامل حال نہ ہو تو کوئی بھی راہ ہدایت پر نہیں آسکتا اور نہ اس کے ارادہ و مشیت کے بغیر ہدایت وراہنمائی کسی کے بس کی بات ہے۔ پیامبر اکرمؐ اس ہدایت کے سلسلہ میں صرف ایک واسطہ و ذریعہ کی حیثیت رکھتے ہیں اب آیت کے معنی یہ نہیں ہوسکتے کہ جنہیں آنحضرتؐ دوست رکھتے ہیں انھیں ہدایت کرنے سے قاصر ہیں یا ان کی ہدایت ان پر اثر انداز نہیں ہوتی بلکہ معنی یہ ہوں گے کہ جنہیں رسول اللہؐ پسند کرتے ہیں انھیں پیامبر اکرمؐ ہدایت نہیں کرتے بلکہ اللہ انھیں ایمان کی راہ دکھاتا ہے یہی معنی زیادہ واضح و نمایاں ہے اور دیگر قرآنی آیات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، ﴿لیـس علیـک هـداهم ولکن اللّه یهـدی من یشاء﴾ (۲ ''اے رسول ان لوگوں کی ہدایت کی ذمہ داری تم پر نہیں ہے لیکن خدا جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے،،۔

مزید یہ کہ حضرت عائشہ بھی اس حدیث سے وہی معنی مراد لیتی ہیں جو ہم نے ذکر کیا ہے اس کی

۱۔ سورہ انفال آیت ۱۸

۲۔ سورہ بقرہ آیت ۲۸۲

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

دلیل خود حضرت عائشہ کا مذکورہ قول ہے کیونکہ اگر یہ معنی مراد نہ ہوتا تو ام المومنین کبھی بھی اپنی موجودگی ظاہر کرنے کی کوشش نہ فرماتیں۔

۶۔ اس آیت کو حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں مان لینے کی صورت میں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ آنحضرتؐ انھیں دوست رکھتے تھے اور واقعات بھی اس کے گواہ ہیں کہ پیامبر اکرمؐ حضرت ابوطالبؑ سے بے حد محبت کرتے تھے اور اسی محبت کی وجہ سے حضرت عقیل سے فرمایا: "انی احبک حبین حباً لقرابتک منی وحبا لحب ابی طالب" (۱)

"میں تمھیں دو جہتوں سے دوست رکھتا ہوں ایک تم سے قرابت کی بنا پر اور دوسرے ابوطالبؑ کی محبت کی وجہ سے کہ وہ تمھیں دوست رکھتے تھے" یہ محبت، حضرت ابوطالب کے ایمان کا واضح ثبوت ہے اس لیے کہ پیامبر اکرمؐ کسی کافر و مشرک کو دوست نہیں رکھ سکتے خواہ وہ آپ کا کتنا ہی قریبی عزیز کیوں نہ ہو چنانچہ خداوند عالم کا ارشاد ہے۔

﴿لاتجد قوماً یومنون باللہ والیوم الاخر یوادون من حاداللہ ورسولہ ولو کانوا آبائھم او ابنائھم او اخوانھم او عشیرتھم﴾(۲)

"جو لوگ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں تم انھیں اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ پاؤ گے اگر چہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا قوم و قبیلہ والے ہی کیوں نہ ہوں"، جب اہل ایمان کو کفار و مشرکین سے دوستی و محبت اور راہ و رسم رکھنے سے منع کیا گیا ہے اگر چہ وہ ان کے عزیز و اقارب و قوم و قبیلہ والے کیوں نہ ہوں تو پیامبر اکرمؐ سے کیونکر یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ ایک مشرک و غیر مومن سے دوستی روا رکھیں گے جبکہ کافر و مشرک دشمن خدا ہیں اور دشمن خدا رسول خدا کا محبوب نہیں ہو سکتا لہذا

۱۔ تاریخ الاسلام، ذھبی ج ۲ ص ۲۳۶

۲۔ سورہ مجادلہ آیت ۲۲

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جب حضرت ابوطالبؑ سے پیامبر اکرمؐ کی الفت ومحبت ناقابل انکار ہے تو پھر ان کے ایمان سے انکار کا جواز بھی پیدا نہیں کیا جاسکتا۔

۷۔ مزید یہ کہ وہ شخصیت جس نے ہر محاذ پر پیامبر اکرمؐ کی حمایت ونصرت کو جاری رکھا ہر میدان میں پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کی گواہی دی، آپؐ کے دین کو بہترین دین کہا، جگہ جگہ قریش سے دشمنی مول لی، سالوں قریش کے بائیکاٹ کا سامنا کیا وہ آخری عمر میں محض قریش کی طعن وتشنیع سے گھبرا کر کلمہ توحید پڑھنے سے انکار کردے اگر قریش کے طعنے اتنے ہی اہم ہوتے تو پھر دعوت ذوالعشیرہ یا اعلانیہ دعوت کے آغاز کے موقعہ پر ہی دست بردار ہوجانا چاہیے تھا۔

سوم: ایک شخص نے عبداللہ بن عباس سے سنا کہ آیہ ﴿ وھم ینھون عنہ وینأون عنہ ﴾ حضرت ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی اور اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوطالبؑ رسول اکرمؐ کی حفاظت کرتے اور کفار کی ایذاء رسانیوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بچاتے مگر پیامبر اکرمؐ پر ایمان نہ لاتے بلکہ اس سلسلہ میں آپؐ سے دور بھاگتے (۱) اگر اس روایت کا جائزہ لیا جائے تو دیگر خودساختہ روایات کی طرح اس روایت کی بے پائیگی روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے۔

۱۔ اس روایت کا راوی حبیب ابن ابی ثابت ہے اور یہ شخص علمائے رجال کے نزدیک جعل ساز وافتراء پرداز ہے علاوہ ازاین جس شخص نے ابن عباس سے یہ روایت سنی ہے اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں لھذا یہ روایت مرسل کے ضمن میں آئے گی جس کی بناء پر حضرت ابوطالبؑ کو کافر قرار نہیں دیا جاسکتا۔

۲۔ آیت کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مشرکین کے اس گروہ کے بارے میں نازل ہوئی جو قرآن کو اساطیر الاولین "پرانے لوگوں کے قصہ کہانیاں" قرار دیتے اور اگر آیت کا یہی ترجمہ کیا جائے جو مذکورہ روایت میں بیان ہوا ہے تو باقی آیت کا ترجمہ درہم برہم ہوجائے گا۔

۱۔ تفسیر ابن کثیر ج۲ ص ۱۲۷

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

چہارم: عباس بن عبدالمطلب سے روایت ہے کہ انھوں نے آنحضرتؐ سے سوال کیا کہ حضرت ابو طالبؑ کو ان کی اسلامی خدمات کا کوئی فائدہ بھی پہنچے گا یا نہیں؟ پیامبر اکرمؐ نے فرمایا وہ ٹخنوں تک دوزخ میں دھنسے رہیں گے اور اگر میں سفارش نہ کرتا تو وہ دوزخ کے نچلے طبقہ میں ہوتے۔(۱)

یہ روایت بھی جعلی و خود ساختہ ہے:

۱۔ یہ روایت عباس بن عبدالمطلب سے منسوب ہے جبکہ حضرت عباس بن عبدالمطلب ہی سے ایک روایت موجود ہے جس میں جناب عباس کہتے ہیں کہ ابو طالبؑ نے کلمہ پڑھا اور توحید و رسالت کا اقرار کر کے دنیا سے رخصت ہوئے، کیا ایک ہی شخص کی طرف دو متضاد باتوں کی نسبت دیکر کسی ایک بات کو قابل وزن تصور کیا جا سکتا ہے؟

۲۔ اس روایت اور اس قسم کی دوسری روایات کے خود مضمون میں ہی تعارض و اختلاف پایا جاتا ہے، کسی روایت میں ہے کہ شفاعت ہو چکی ہے اور وہ جہنم کی اوپر والی سطح پر پہنچ چکے ہیں، کسی روایت میں ہے کہ شفاعت قیامت والے دن ہوگی اور کسی میں صرف عذاب میں تخفیف کا ذکر ہے، اس قسم کے اختلاف سے روایت کی صحت مشکوک ہو جاتی ہے اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جس کے دل میں حضرت ابو طالبؑ کے بارے میں جتنا کینہ و عناد تھا اس نے اتنا ہی سخت اور کڑا عذاب دینے کی کوشش کی ہے!

۳۔ ان روایات کے راوی علمائے رجال کے نزدیک کذاب، جعل ساز و ناقابل اعتماد ہیں جن میں بعض کی جانب گذشتہ بحث میں مختصر سا اشارہ کیا جا چکا ہے لہذا ایسے لوگوں کو بنیاد بنا کر کسی کے کفر و اسلام کا فیصلہ کرنا قرین عقل نہیں ہے۔

۴۔ یہ روایت بتاتی ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت ابو طالبؑ کی محنتوں کے پیش نظر ان کے حق میں شفاعت کی جس کے نتیجہ میں اس عذاب میں کہ جس کے وہ مستحق تھے تخفیف و رعایت ہوئی! حالانکہ کفار

۱۔ اسی مضمون کی روایات: صحیح بخاری ج ۲ص ۲۰۹، صحیح مسلم کتاب الایمان، طبقات ابن سعد ج ۱ص ۷۹، مسند احمد بن حنبل ج ۱ص ۲۰۶۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مشرکین کے حق میں نہ شفاعت رسول کا سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ تخفیف عذاب کا، چنانچہ ارشاد رب العزت ہے:

﴿ونسوق المجرمين الیٰ جهنم وردا لایملکون الشفاعة الا من اتخذ عندالرحمن عهدا﴾(۱)

''ہم گناہ گاروں کو جہنم تک پیاسے جانوروں کی طرح ہنکا لے جائیں گے اس وقت شفاعت کا حاصل کرنا ان کے بس میں نہ ہوگا مگر وہ جس سے خدا نے اقرار توحید لے لیا ہو'' دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

﴿والذین کفروا له نار جهنم لایقضی علیهم فیموتوا و لایخفف عنهم من عذابها﴾(۲)

''جو لوگ کافر ہوئے ان کے لیے جہنم کی آگ ہے نہ ان کو قضا آئے گی اور نہ ان کے عذاب میں کمی کی جائیگی'' اور اس پر مزید یہ کہ امت کا اجماع ہے کہ کفار کو ان کے اعمال فائدہ نہیں دیں گے اور نہ انھیں نعمت کی صورت میں اجر ملے گا اور نہ ہی ان کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی (۳)

جب یہ روایت قرآن کی نص اور اجماع امت کے سراسر خلاف ہے تو پھر اس پر اعتماد کیوں کر کیا جا سکتا ہے بلکہ اگر اس کے راوی ثقہ و عادل بھی ہوتے تب بھی یہ روایت قابل اعتبار نہیں تھی چہ جائے کہ قرآن کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے راوی بھی غیر ثقہ اور نا قابل اعتماد ہیں۔

۵ پیامبر اکرمؐ جب حضرت ابو طالبؑ کی سفارش کر کے انھیں جہنم کی اوپر والی سطح پر لے آئے تھے تو کیا اتنا نہ کر سکتے تھے کہ ان کی اسلامی خدمات کہ جس سے انکار ممکن نہیں کی بناء پر انھیں جہنم سے نکال کر

۱۔ سورہ مریم آیت ۸۷

۲۔ سورہ فاطر آیت ۳۶

۳۔ جامع الاصول ج ۱ ص ۳۵۹

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جنت میں نہ سہی اعراف (وہ مقام جو دوزخ اور جنت کے درمیان ہے اور جہاں جنت کی نعمتیں اور دوزخ کا عذاب نہیں ہے) میں ہی پہنچا دیتے، جبکہ اس قسم کی مراعات کفر کے باوجود نوشیروان کے لئے اس کی عدالت کی وجہ سے اور حاتم طائی کے لیے اس کی سخاوت کی وجہ سے تجویز کی جاتی ہیں۔

بلکہ ایک طرح کی مراعات ابولہب جیسے کافر و دشمن اسلام کے لیے بھی تجویز کی گئی ہیں کہ ایک شخص نے ابولہب کو خواب میں دیکھا تو اس نے بتایا کہ پیر کے دن کچھ اچھا میٹھا پانی پینے کے لئے مجھ کو مل جاتا ہے یہ اس کی جزا ہے جو میں نے ثوبیہ کو آنحضرت کی ولادت کی خوشی میں آزاد کر دیا تھا۔(۱)

ایک اور روایت کچھ اس طرح ہے کہ آنحضرتؐ نے ابولہب کو خواب میں دیکھا کہ وہ پیاس سے بے حال ہے لیکن کچھ سیرابی کا بھی سامان ہے آنحضرتؐ نے پوچھا یہ سیرابی کس بنا پر ہے؟ کہا: بعتقی ثویبه لانها ارضعتک،، ثوبیہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلایا تھا اور میں نے اسے آزاد کر دیا تھا یہ اس کی جزا ہے۔(۲)

کتنی حیرت انگیز ہے یہ چیز کہ ابولہب کے لئے اتنی سی بات پر سیرابی کو تجویز کیا جاتا ہے کہ اس نے اپنی کنیز ثوبیہ کو آنحضرت کی ولادت کی خوشی میں یا انھیں دودھ پلانے کی وجہ سے آزاد کر دیا تھا حالانکہ ابولہب رسول اللہؐ کے دشمنوں کی صف اول میں تھا اور انھیں جھٹلانے، ایذاء اور ان کا تمسخر اڑانے میں پیش پیش تھا اور زندگی کی آخری گھڑیوں تک کفر و عناد پر قائم رہا تھا اور جس کے بارے میں قرآن کی ایک مکمل سورۃ نازل ہوئی تھی۔

جبکہ حضرت ابوطالبؑ جو اپنی زندگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت وحمایت کے لیے وقف کئے ہوئے تھے ان کی محنت و جانفشانی کے صلہ میں اتنا بھی نہیں ہوتا کہ ان کے لیے تھوڑی بہت سیرابی کو تجویز

۱۔لغات القرآن، باب الضاد ص ۱۲، سیرت کی متعدد کتابیں از جملہ سیرۃ حلبی.....

۲۔تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۵۷۹

jabirabbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کردیا جاتا، کیا رسول اکرمؐ کی تربیت و کفالت اور اسلام کی نصرت وحمایت کا درجہ ایک کنیز آزاد کردینے سے بھی کمتر ہے! پھر شفاعت کے بعد حضرت ابو طالبؑ کے عذاب کی جو نوعیت تجویز کی گئی ہے کیا اس سے پیامبر اکرمؐ کی شفاعت کی بے وزنی وکم مایگی کا احساس نہیں ہوتا؟ کیونکہ اس قسم کی روایات میں یہاں تک کہا گیا ہے کہ اگر چہ وہ جہنم کی اوپر والی سطح پر ہوں گے مگر ان کا بھیجا پگھل پگھل کر ان کے پیروں پر بہہ رہا ہوگا!

کیا شفاعت رسولؐ کے بعد اس ہولناک ولرزہ انگیز عذاب کا تصور صحیح ہوسکتا ہے؟ کیا یہ بہتر تھا کہ ان کے لیے شفاعت تجویز ہی نہ کی جاتی تا کہ شفاعت کی سبکی و بے قدری ظاہر نہ ہوتی اور پھر اس جان نثاری وجانفشانی کے صلہ میں ان کے لیے جہاں تخفیف عذاب کی شفاعت تجویز کی جاتی ہے وہاں یہ بھی تو ہوسکتا تھا کہ پیغمبر اکرمؐ ان کے لیے دعا کرتے کہ خداوند تعالیٰ انھیں ایمان کی توفیق دے جب کہ پیامبر اکرمؐ کی یہ دلی خواہش بھی تھی کہ وہ ایمان سے سرفراز ہوں اور اس قسم کی دعائیں دوسروں کے حق میں کر بھی چکے تھے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر یا ابو جہل کے ایمان کی دعا کی یا ابو ہریرہ کی ماں کے لیے دعا فرمائی اور وہ اسی دن مسلمان ہوگئی۔(۱)

ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ ابو ہریرہ کی ماں کے حق میں دعا قبول ہو جائے اور حضرت ابو طالبؑ کے حق میں بے اثر! جب کہ ابو ہریرہ کی ماں کی کوئی خصوصیت نظر نہیں آتی سوائے اس کے کہ وہ ابو ہریرہ کی ماں تھی اور اگر حضرت ابو طالبؑ کی خدمات سے چشم پوشی کی جائے تب بھی تربیت رسول اکرمؐ کے سلسلہ میں ان کی خدمات کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا، کیا پیامبر اکرمؐ کی تربیت و کفالت حضرت ابو طالبؑ کی نجات کی ضامن نہیں ہوسکتی جبکہ آنحضرتؐ کا یہ ارشاد زبان زد عام وخاص ہے کہ انا وفا کل الیتیم فی الجنۃ کھاتین (۱) میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں ہاتھ کی دو انگلیوں کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ ہوں گے۔

۱۔ حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۵۷۹۔

۱۔ ترمذی ص ۱۸۵۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کیا حضرت ابو طالبؑ سے بڑھ کر یتیم کی کفالت میں کسی کا درجہ بلند تر ہو سکتا ہے؟ جنہوں نے اپنی اولاد کو بھوکا رکھ کر یتیم عبداللہ کی پرورش کی ہو، اپنا خون پسینہ ایک کر کے انھیں پروان چڑھایا ہو اور اپنی جان و مال اور اولاد کے نثار کرنے میں بھی دریغ نہ کیا ہو۔

پنجم: ایک دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ حدیث نبوی میں وارد ہوا ہے کہ **لا توارث بین اھل ملتین** (۱) دو جداگانہ ملتوں میں باہمی توارث نہیں ہوتا، چنانچہ کافر مسلمان کا اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا، اگر حضرت ابو طالبؑ مسلمان ہوتے تو حضرت علیؑ و حضرت جعفر طیارؑ کو بھی ان کے ترکہ میں سے حصہ ملتا اور وہ اپنے حصہ کا مطالبہ کرتے لیکن ان دونوں نے اس بنا پر انکار کر دیا کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا اور عقیل و طالب چونکہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اس لیے وہی ان کے وارث قرار پائے۔

آیئے ذرا اس دلیل کا جائزہ لیتے ہیں: یہ دلیل درحقیقت ایک مغالطہ ہے جسے خوش نما بنانے کے لیے پہلے ایک بے سند روایت پیش کی جاتی ہے کہ علیؑ و جعفرؑ نے حضرت ابو طالبؑ کی میراث میں سے حصہ لینے سے انکار کر دیا تھا اور پھر اس حدیث کے ذریعہ اس مطلب کو تقویت دی جاتی ہے کہ یہ انکار حضرت ابو طالبؑ کے کفر کی وجہ سے تھا حالانکہ نہ حدیث کا یہ مفہوم ہے اور نہ کسی صحیح سند سے یہ ثابت ہے کہ حضرت علیؑ اور جناب جعفرؑ نے میراث سے انکار کیا تھا۔

اس حدیث کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ اگر وارث و مورث میں اتحاد مذہب نہ ہو تو ان میں باہمی توارث نہیں ہوتا اس طرح کہ اگر باپ مسلمان اور بیٹا کافر ہو تو کافر وارث نہیں ہوگا اور اگر باپ کافر اور بیٹا مسلمان ہو تو بیٹا وارث نہیں ہوگا یعنی عدم توارث اس وقت صادق آئیگا جب مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث قرار نہ دیا جائے نہ مسلمان کافر سے ارث پائے اور نہ کافر مسلمان سے۔

فقہاء کے نزدیک صورت مسئلہ یوں ہے کہ کافر مسلمان سے ارث حاصل نہیں کرتا جبکہ مسلمان

۱۔ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۷۹۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کافر سے ارث پاتا ہے بلکہ مسلمان وارث کی موجودگی میں کافر ورثاء ترکہ سے محروم رہتے ہیں کیونکہ "الاسلام یعلو ولا یعلی علیه" "اسلام کو سب پر تفوق حاصل ہے اور اس پر کسی کو بالادستی حاصل نہیں لہذا اگر حضرت ابو طالبؑ کو کافر فرض بھی کر لیا جائے تو یہ کفر اس بات کا باعث نہیں بنتا کہ ان کی مسلمان اولاد ان کے ترکہ سے محروم رہے اور اسلام کو بھی کفر کی طرح ارث سے محرومیت کا ایک سبب بنا کر اسلام کے آگے ایک دیوار کھڑی کر دی جائے۔

اگر اسلام کا قانون وراثت یہی ہوتا کہ مسلمان کسی کافر کا وارث نہیں ہو سکتا تو وہ صحابہ جن کے والدین کفر کی حالت میں مرے تھے انھیں اپنے ماں باپ کا وارث نہیں ہونا چاہیے تھا حالانکہ تاریخ ایک بھی فرد کی نشان دہی نہیں کرتی جو اسلام کی بنا پر کافر ماں باپ کے ورثہ سے محروم رہا ہو تو کیا یہ محرومی صرف خاندان پیامبر اکرمؐ سے مخصوص تھی؟!

ششم: ایک دلیل یہ دی جاتی ہے کہ کسی ضعیف سے ضعیف روایت سے بھی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت ابو طالبؑ نے اکیلے یا پیامبر اکرمؐ کے ہمراہ کبھی نماز پڑھی ہو حالانکہ وہ آنحضرتؐ کے اعلان رسالت کے بعد دس برس تک زندہ رہے اگر وہ مسلمان ہو چکے ہوتے تو کبھی نہ کبھی تو نماز پڑھتے جبکہ نماز اسلام کا ایک لازمی فریضہ ہے اور اس کی پابندی ضروری ہے۔

اس دلیل میں بھی کوئی وزن نہیں ہے اس لیے کہ ایسے ماحول میں کہ جہاں ان کے کفر کے اثبات کے لئے حدیثیں وضع کی جاتی ہوں اور انھیں خارج از اسلام ثابت کرنے کے لیے دلائل تراشے جاتے ہوں اگر کوئی ایسی روایت موجود نہ ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اوائل بعثت میں جب انھوں نے اپنے فرزند حضرت علیؑ کو پیامبر اکرمؐ کے ساتھ نماز پڑھتے دیکھا تو اس پر اپنی خوشنودی و رضامندی کا اظہار کیا اور اس طریق عبادت کو عمل خیر سے تعبیر کر کے انھیں پیامبر اکرمؐ سے وابستہ رہنے کی تاکید کی۔

ایک مرتبہ حضرت علیؑ کو پیامبر اکرمؐ کے داہنی جانب کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا تو اپنے فرزند

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جعفر سے جو اسلام لا چکے تھے فرمایا: صل جناح ابن عمک فصل علی یسار (۱) "تم بھی اپنے چچا زاد کے بائیں جانب کھڑے ہو کر نماز پڑھو" اگر انھوں نے بالفرض نماز میں شرکت نہیں کی تو اس لیے تاکہ قریش کی فتنہ سامانیوں کی روک تھام اور ان کی شر انگیزیوں سے پیامبر اکرمؐ کا تحفظ کر سکیں، پھر ان کی زندگی میں نماز کو وجوبی حیثیت حاصل ہی نہ تھی اور نہ اس کی کوئی شکل متعین ہوئی تھی بلکہ صرف بطور نفل واستحباب پڑھی جاتی تھی لہٰذا ان کے نماز نہ پڑھنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اسلام سے منحرف تھے۔

ہفتم: بعض لوگ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اگر وہ مسلمان ہوتے اور اسلام پر ان کا خاتمہ ہوتا تو پیامبر اکرمؐ ان کی نماز جنازہ پڑھتے یا کسی کو پڑھنے پر مامور کرتے، اس لیے کہ یہ بھی اسلامی فرائض ودینی شعائر میں شامل ہے حالانکہ کسی روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرتؐ نے یا کسی اور نے ان کی میت پر نماز ادا کی ہو۔

یہ اعتراض گزشتہ اعتراضات سے بھی گیا گزرا ہے اس لیے کہ نماز میت کا حکم ان کے مرنے کے بعد نافذ ہوا اور اس دور کے مرنے والوں میں کسی کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی چنانچہ حضرت ابوطالبؑ کی رحلت کے کچھ ہی عرصہ بعد ام المومنین حضرت خدیجہؑ نے انتقال فرمایا تو ان کی نماز جنازہ بھی نہیں پڑھی گئی حالانکہ انکا نہ صرف اسلام مسلم ہے بلکہ اسلام میں سبقت بھی شک وشبہ سے بالاتر ہے۔

یہ ہے روایات اور شبہات کا وہ پلندہ جو حضرت ابوطالبؑ کے کفر کے اثبات کے لیے فراہم کیا گیا ہے اور انھی روایات اور من گھڑت دلائل پر اعتماد کرتے ہوئے ان کے کفر وشرک پر اصرار کیا جاتا ہے حالانکہ ان کے صریحی اعتراف ایمان، پیامبر اکرمؐ کی گواہی آئمہ اطہارؑ کے اجماع واتفاق کے بعد ان کے ایمان سے انکار کا کوئی محل نہیں رہتا اور ہر صاحب بصیرت ان بے سروپا روایات اور خود ساختہ دلائل کو دیکھ کر فیصلہ کر سکتا ہے کہ ان میں مغالطہ آفرینیوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

۱۔ سیرت نبویہ دحلانی رحلان ص ۱۷۷

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

چوتھی فصل

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سفرِ طائف:

حضرت ابو طالبؑ کی رحلت کے بعد مکہ میں روز بروز مشکلات میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور قریش جو حضرت ابو طالبؑ کی زندگی میں آنحضرتؐ کی باتوں اور آپؐ کی پیش کردہ تعلیمات کا مذاق اس طرح اڑاتے تھے کہ بوسیدہ ہڈیوں کو ہاتھوں سے مسل کر پوچھتے کہ یہ دوبارہ کیسے زندہ ہو سکتی ہیں؟! یا دیگر مسلمانوں کو آزار و اذیت پہنچا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پریشان کرتے، حضرت ابو طالبؑ کی وفات کے بعد قریش کے تمام آزار و اذیت کا مرکز آپؐ کی ذات والا صفات بن گئی اور صورت حال یہاں تک پہنچ گئی کہ کوڑا کرکٹ اور جانوروں کی گندگی تک آپؐ پر پھینکی جانے لگی اور آپ کبھی بھی آسودہ خاطر گھر سے نہ نکل سکتے، قریش کی تمام ناقابل برداشت حرکتوں کے باوجود آنحضرتؐ استقامت و پائیداری کا مظاہرہ کرتے رہے مگر جب مکہ کی یہ صورت نظر آئی کہ اب کوئی مسلمان نہیں ہو رہا اور سبھی لوگ ہدایت سے دور ضلالت و گمراہی کے سمندر میں ڈوب چکے ہیں تو آنحضرتؐ نے مکہ کے اطراف میں موجود قبائل اور شہروں کی طرف جانے کا فیصلہ کیا اور اس سلسلہ میں نظر انتخاب مکہ سے ساٹھ میل کے فاصلہ پر موجود شہر طائف پر پڑی چنانچہ آپؐ حضرت علیؑ و حضرت زید بن حارثہ کے ہمراہ راہی طائف ہوئے۔

منابع کے مطابق طائف پہنچ کر آپ عمرو بن عمیر کے بیٹوں کے ہاں اقامت پذیر ہوئے اور ان لوگوں نے آپ کی دعوت پر لبیک کہنے کے بجائے طائف کے بچوں اور احمق افراد کے ہاتھوں میں پتھر دیکر آپؐ کے پیچھے لگا دیا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طائف سے نکال دیا جائے، اس طرح بچوں اور اوباشوں کا ایک گروہ آپؐ کے پیچھے لگ گیا جو آپؐ پر ڈھیلے برساتا اور پتھر پھینکتا یہاں تک کہ آپ کا بدن مبارک لہولہان ہو گیا اور آپ جائے پناہ کی تلاش میں سرگرداں ایک باغ میں آٹھہرے یہ باغ عتبہ و شیبہ کا تھا انھوں نے اپنے غلام عداس کو انگوروں کا ایک طشت دیکر بھیجا، عداس پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ گفتگو کے نتیجہ میں

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اسلام لے آیا۔(۱) اس کے بعد آنحضرت مکہ کی جانب روانہ ہوئے اور مکہ پہنچ کر مطعم بن عدی کی پناہ میں شہر میں داخل ہوئے کیونکہ تنہا شہر میں داخل ہونا خطرے سے خالی نہیں تھا۔(۲)

تجزیہ:

عام طور سفر طائف اس پیرائے میں بیان کیا جاتا ہے جس سے یہ تصور ابھرتا ہے کہ آنحضرتؐ طائف تشریف لے گئے اور فوراً وہاں کے لوگوں کے رویہ کی وجہ سے واپس تشریف لے آئے جبکہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پیامبر گرامی کم از کم دس دن اور زیادہ سے زیادہ ایک مہینہ وہاں قیام پذیر رہے، اگر یہ حقیقت ہے تو پھر چند سوالات سر اٹھاتے ہیں.

کہ طائف کے کم از کم دس روزہ قیام کے دوران پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہاں رہے؟ اگر عمیر کے بیٹوں کے گھر رہائش پذیر تھے تو کیا انھوں نے ابتداء ہی میں پیامبر اکرمؐ کی دعوت کو ٹھکرا دیا تھا یا کچھ مدت کے بعد؟ ظاہری بات ہے کہ آپؐ کے قیام کے دسویں دن ہی آپؐ کی دعوت سے منہ موڑا ہوگا اور طائف کے بچوں اور اوباشوں کو آپؐ پر سنگ باری پر اکسایا ہوگا۔

کیا یہ ممکن ہے کہ آنحضرتؐ اپنے دس روزہ قیام کے دوران طائف کے کسی آدمی یا قبیلہ سے ملاقات نہ کریں اور خاموشی سے فرزندان عمیر کے گھر میں گوشہ نشین رہیں؟

کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ پیامبر اکرمؐ طائف میں قیام کے دوران دوسروں کو دعوت اسلام دیتے رہے اور دسویں دن اپنے میزبان کو اسلام کی دعوت دی تو اس وحشت ناک صورت حال سے دوچار ہو گئے؟

وہ قریش جو مسلمانوں کی حبشہ روانگی کی وجہ سے انتہائی نالاں و پریشان تھے اور اپنے نمائندے تک نجاشی کے دربار میں بھیجے تا کہ مسلمانوں کو مکہ واپس لایا جائے یا کم از کم نئے مرکز کو قیام سے قبل ہی ختم کر دیا

۱۔ سیرہ ھشام ج ۲ ص ۴۲۱۔

۲۔ سیرت امیر المومنینؑ ج ۱ ص ۱۵۲۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جائے، کیا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طائف روانگی سے چشم پوشی کئے ہوئے تھے؟ کیا اس سلسلہ میں انھوں نے کوئی اقدام نہیں کیا جبکہ طائف میں قریشی سرداروں کا اثر ورسوخ بھی بہت زیادہ تھا!

مذکورہ سوالات اور اس جیسے دیگر سوالات کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے تاریخی واقعات کی طرح سفر طائف کے سلسلہ میں بھی بہت سے حقائق چھپانے کی کوشش کی گئی ہے اور وہ بھی خصوصاً اس وقت جب ہم دیکھتے ہیں کہ طائف والے سب لوگوں کا گناہ عمیر کی اولاد پر ڈال دیا جاتا ہے کہ انھوں نے دعوت نبوت ٹھکرائی تو تمام طائف آنحضرتؐ کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا حالانکہ عمیر کے بیٹوں کا نام عام طور پر طائف کی بڑی شخصیات میں شمار نہیں ہوتا یا اگر بالفرض وہ وہاں کی بڑی اہم شخصیات شمار ہوتے بھی تھے تو کیا ان کے علاوہ کوئی دوسری شخصیت وہاں نہ تھی؟

ایک اور نکتہ جس کی جانب اشارہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ منابع کے مطابق جب پیامبر اکرم مکہ تشریف لائے تو حالات کے پیش نظر آپؐ نے مطعم بن عدی کی پناہ حاصل کی اور اس طرح آپ گھر تشریف لائے۔

یہ واقعہ بھی ذرا مشکوک محسوس ہوتا ہے جس کی چند وجوہات ہیں:

الف:۔ پیامبر اکرم کا تعلق قریش کے انتہائی اہم وسردار قبیلہ، بنی ہاشم سے تھا اور حضرت ابو طالبؑ کی وفات کے بعد بھی بنی ہاشم آپ کی حمایت سے دست بردار نہیں ہوئے تھے بلکہ پہلے کی طرح آپؐ کے حامی وناصر تھے۔

ب:۔ عام طور پر شہر میں داخل ہونے کے لئے اجنبی لوگ پناہ کا سہارا لیا کرتے تھے یا وہ لوگ جنہیں ان کے قبیلہ نے خود سے جدا کر دیا ہو؛ پیامبر اکرمؐ نہ تو اجنبی تھے اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبیلہ نے آپ کی حمایت سے روگردانی کی تھی لہذا آپؐ کو کسی کی پناہ لینے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

ج:۔ اگر حالات کی خرابی اس پناہ کا تقاضا کر بھی رہی تھی تو پھر ضروری تھا کہ آنحضرتؐ جب بھی کبھی مکہ سے باہر تشریف لیکر جائیں تو واپسی پر کسی نہ کسی کا سہارا لیکر اپنے گھر واپس پلٹیں جبکہ تاریخی واقعات

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ طائف سے قبل اور خصوصاً طائف کے سفر کے بعد آنحضرتؐ اطراف مکہ میں موجود قبائل کو دعوت اسلام دینے جایا کرتے تھے اور واپسی پر کسی کی پناہ کا سہارا لئے بغیر گھر واپس تشریف لاتے تھے۔

د:۔ اگر پناہ لی بھی ہوگی تو اس وجہ سے کہ آنحضرتؐ کی جان کو خطرہ لاحق تھا، یہ بات بھی زیادہ مضبوط نظر نہیں آتی کیونکہ اگر آنحضرتؐ کو شہید کرنا اتنا ہی آسان ہوتا تو آپؐ کے قتل کے منصوبہ کو تمام قبائل کے دو دو شمشیر زنوں کو اکٹھا کر کے، رات کی تاریکی میں چہروں کو چھپا کر عملی جامہ پہنانے کی کوشش نہ کی جاتی!

سفر طائف کے سلسلہ میں واقعات کے ابہام کی بنیادی وجہ ان افراد کی اسلام دشمن پر پردہ ڈالنا ہے جو اسلام کی فتح کے بعد مسلمانوں کی صفوں میں شامل ہوئے اور دربار خلافت کی جانب سے مختلف مناصب و مقامات پر فائز ہوئے۔

جانشینی کا فیصلہ:

مکہ کی صورت حال جوں کی توں تھی اور اسلام کی دعوت تقریباً رک چکی تھی کیونکہ اس دوران مشرکین مکہ نے پوری طرح مکہ کو اپنے اختیار میں لیا ہوا تھا اور مختلف حربوں سے اسلام کی روک تھام میں مصروف رہتے تھے۔

پیامبر اکرمؐ طائف کے سفر کے بعد امید کی ایک کرن یعنی مکہ کے اطراف میں موجود قبائل کی ہدایت پر کمربستہ ہوگئے اور ان قبائل میں اسلام کی دعوت کا آغاز کیا، مکہ کے اطراف میں موجودہ قبائل اگرچہ قریش کے حلیف تھے مگر اندر خانہ قریش کے بارے بغض و کینہ ان کے دلوں میں موجود تھا اور وہ چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی صورت قریش کی جگہ ان کی سرداری برقرار ہو جائے، انہی قبائل میں سے ایک قبیلہ بنی عامر بن صعصعہ تھا، جب پیامبر اکرمؐ نے اس قبیلہ کو دعوت اسلام دی تو انھوں نے موقعہ کو غنیمت جانتے ہوئے یہ شرط پیش کی کہ اگر آپؐ اپنے بعد خلافت و جانشینی ہمارے حوالے کر دیں تو ہم آپ کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یہ لوگ جانتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش کے ایک بہت اہم قبیلہ کی اہم شخصیت ہیں اوران کی وجہ سے ایک طرف تو قریش میں داخلی جنگ شروع ہو جائیگی اور دوسری طرف دیگر قبائل کے تعاون سے ہم قریش پر غالب آجائیں گے اگر پیامبر اپنے بعد خلافت وجانشینی کا وعدہ کرلیں تو مکہ کی آئندہ سرداری خود بخود،ان کے ہاتھ میں آجائے گی۔

قبیلہ بنی عامر کی یہ تجویز اگر چہ دنیاوی حوالے سے تھی اور انھوں نے مکہ واطراف مکہ کی سیاست کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ منصوبہ بنایا تھا اور پیامبر اکرمؐ وقتی طور پر اس تجویز سے فائدہ بھی اٹھا سکتے تھے مگر تمام سیرت نویسوں نے لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: اس کام کا اختیار خدا کے ہاتھ میں ہے اور خدا جسے چاہے گا یہ منصب عطا فرمائے گا (۱) پیامبر اکرمؐ کے اس جواب کے نتیجہ میں قبیلہ بن عامر نے بھی دیگر قبائل کی طرح اسلام سے منہ موڑلیا۔

مذکورہ واقعہ سے چند باتیں سمجھ میں آتی ہیں:

الف: پیامبر اکرمؐ پوری طرح آگاہ تھے کہ ان کے بعد امت کو کسی جانشین کی ضرورت ہے۔

ب: آنحضرتؐ یہ بھی جانتے تھے کہ جانشین بنانا آپؐ کے اختیار میں نہیں بلکہ یہ ارادہ پروردگار سے مربوط ہے اور امت اس سلسلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی ورنہ آنحضرتؐ بآسانی فرماسکتے تھے کہ جانشین کا مسئلہ میرے بعد تم لوگ خود ہی طے کر لینا شوریٰ، اجماع یا کسی اور طریقہ سے!

ج:۔ یہ واقعہ اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ جانشین کا مسئلہ ابتدائے بعثت ہی سے موضوع بحث تھا۔

۱۔ سیرہ ابن ہشام ج ۱ص ۴۲۴ ۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہجرت سے قبل مدینہ کی صورت حال:

مدینہ کا قدیم نام یثـــــرب تھا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یثرب بن قانیہ بن مہلائیل بن نوح نے اس جگہ آباد کیا تھا، لغوی اعتبار سے یثرب کا مطلب فساد و ملامت ہے، شاید اسی وجہ سے آنحضرتؐ نے اپنی آمد کے بعد حکم دیا کہ اسے یثرب نہ کہا جائے اور یثرب کی بجائے اس شہر کا نام (طابہ یا طیبہ) رکھا (۱)۔

مدینہ میں یہودیوں کے تین قبائل: بنی قینقاع، بنی نضیر اور بنی قریظہ، کے علاوہ عربوں کے دو اہم قبائل اوس و خزرج سکونت پذیر تھے، یہ سب قبائل زراعت اور کھیتی باڑی کو اپنا پیشہ بنائے ہوئے تھے اور اسی وجہ سے سرسبز و شاداب زمینوں کے حصول کے چکر میں باہمی چپقلش بھی جاری رہتی تھی، یہ باہمی جھگڑے بعض اوقات انتہائی خون ریز جنگوں میں تبدیل ہو جاتے اور معمولی سی زمین کی قیمت کئی افراد کے سروں کی شکل میں ادا کرنا پڑتی، جس وقت پیامبر اکرمؐ مکہ کی سنگلاخ وادیوں میں دعوت اسلام دے رہے تھے اس دوران مدینہ میں ایسے واقعات رونما ہو رہے تھے جو اہل مدینہ کو اسلام کے قریب سے قریب تر کرتے چلے جا رہے تھے۔

یہودی جن کے قبضہ میں مدینہ کی سب سے زیادہ سرسبز وادیاں تھی جب کبھی اوس و خزرج سے دست و گریبان ہوتے تو انھیں کہتے کہ عنقریب ایک نبیؐ یہاں تشریف لائیں گے اور ہم ان کی اطاعت کریں گے اور ان کی مدد سے تمھیں قوم عاد و ارم کی طرح نابود کر دیں گے، یہ دھمکیاں چونکہ اکثر ملتی رہتی تھیں لہذا اوس و خزرج کے دماغ میں یہ بات بیٹھ چکی تھی کہ کوئی نبی آئے گا۔

دوسری جانب یہودی سازشوں کے نتیجہ میں ہونے والی اوس و خزرج کی باہمی جنگوں نے انھیں تھکا دیا تھا خصوصاً ان کے درمیان ہونے والی آخری جنگ (بعاث) نے رہی سہی کسر پوری کر دی تھی اور اب

۱۔ رسول جعفریان: سیرۂ رسول خدا ج ۱ ص ۳۰۷

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

وہ کسی ایسی شخصیت کی تلاش میں تھے جو انھیں غیر جانبدار رہ کر ایک لڑی میں پرودے لیکن کسی ایسی شخصیت کے وجود کا ملنا بہت مشکل تھا۔

البتہ عبداللہ بن ابی (جس کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا) جنگ بعاث میں غیر جانبداری کا مظاہرہ کرتا رہا تا کہ دونوں قبیلوں میں صلح کروا کر سرداری کا تاج پہن لے، عبداللہ بن ابی کی سرداری کے تمام امور تقریباً طے پا چکے تھے کہ موسم حج آن پہنچا اور قبیلہ خزرج کے کچھ لوگ اسلام لے آئے اور اس طرح عبداللہ بن ابی کا سرداری کا خواب چکنا چور ہو گیا۔

مدینہ میں آغاز اسلام:

یوں تو مختلف روایات کی روشنی میں مدینہ والوں کو مکہ میں اسلام کی خبریں ملتی رہتی تھیں مگر مشہور ترین واقعہ کے مطابق موسم حج میں قبیلہ خزرج کے کچھ لوگ (ا) مکہ آئے، یہ وہ دور تھا جب آنحضرتؐ موسم حج میں آنے والے افراد اور وفود کو اسلام کی دعوت دیا کرتے تھے، قبیلہ خزرج کے اس گروہ سے آنحضرتؐ نے منیٰ میں ملاقات فرمائی اور انھیں اسلام کی دعوت دی، یہ لوگ چونکہ کسی نبی کے ظہور کا سنتے آئے تھے لہذا اطمینان خاطر کے لئے آپؐ کے ساتھ گفتگو شروع کی کہ آیا یہ وہی نبی ہیں جن کا تذکرہ یہود کرتے رہتے ہیں؟

جب آنحضرتؐ نے قرآن کی بعض آیات کی تلاوت فرمائی تو انھیں آنحضرتؐ کی دعوت اور دین کے صحیح ہونے کا یقین ہو گیا اور یہ سب لوگ اسی وقت مسلمان ہو گئے اور آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض گزار ہوئے کہ یا رسول اللہ ہم اس حالت میں مدینہ سے آئے ہیں کہ اختلاف و تفرقہ نے ہم پر اپنے پر پھیلائے ہوئے ہیں، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کے صدقہ ہمیں متحد و یکجا کر دے لہذا ہم اسلام کو ان کے سامنے پیش کریں گے اگر انھوں نے اسلام قبول کر لیا تو آپؐ ہمارے درمیان سب سے زیادہ محبوب ترین ہستی ہوں

ا۔ اس سلسلہ میں چھ افراد کے نام لئے جاتے ہیں: اسعد بن زرارہ، عوف بن حارث، رافع بن مالک، قطبہ بن عامر، عقبہ بن عامر اور جابر ابن عبداللہ بن رباب

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

گے اور اس طرح ندائے اسلام مدینہ میں گونجی اور ہر گھر میں اسلام کے بارے میں گفتگو شروع ہو گئی۔

عقبہ اولیٰ:

عقبہ گھاٹی کو کہتے ہیں اور یہ وہی گھاٹی ہے جو منیٰ کے آخر میں مکہ کے دائیں جانب واقع ہے جہاں قبیلہ خزرج کے لوگوں نے پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا تھا۔

بعثت کے بارہویں سال حج کے لیے مدینہ سے بارہ افراد پر مشتمل ایک قافلہ مکہ آیا، جس میں دس افراد خزرج اور دو قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے تھے، اس گروہ نے "عقبہ منیٰ" میں آنحضرتؐ کی مندرجہ ذیل شرائط پر بیعت کی:

☆ خدا پر ایمان۔

☆ شرک سے دوری۔

☆ چوری سے اجتناب۔

☆ زنا سے پرہیز۔

☆ قتل اولاد سے پہلو تہی۔

☆ ایک دوسرے پر تہمت و بہتان لگانے سے اجتناب۔

☆ نیک کاموں کی بجا آوری میں پیامبر اکرمؐ کی اطاعت۔

بیعت اور حج کے بعد یہ لوگ مدینہ چلے گئے اور آنحضرتؐ سے تقاضا کیا کہ اسلامی تعلیمات سے آگاہ کرنے کے لئے کسی معلم کو مدینہ روانہ کریں آنحضرتؐ نے جواب میں مصعب بن عمیر کو قرآن، نماز اور دیگر فرائض کی تعلیم دینے کے لئے مدینہ روانہ کیا۔

بیعت عقبہ اولیٰ کو بیعت النساء بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس بیعت میں جہاد کا تذکرہ نہیں ہے علاوہ ازیں مذکورہ شرائط پر عمل کرنے کی صورت میں آنحضرتؐ نے جنت کا وعدہ فرمایا تھا۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

عقبہ ثانیہ:

مدینہ میں مصعب بن عمیر کی کوششوں سے اسلام کے فروغ میں تیزی آگئی اور بعثت کے تیرھویں سال مدینہ سے بہتر افراد پر مشتمل کاروان مکہ آیا، جس میں گیارہ افراد کا تعلق قبیلہ اوس اور باقی قبیلہ خزرج سے تھے، اس کاروان میں دو خواتین بھی شامل تھیں رات کی تاریکی میں، قریش کی آنکھوں سے دور عقبہ منیٰ میں یہ لوگ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کی کہ اگر پیامبر اکرمؐ مدینہ تشریف لائیں تو ہم اپنی اولاد اور ناموس کی طرح آپ کی حفاظت کریں گے بعض روایات میں آیا ہے کہ اس موقعہ پر موجود عباس بن عبدالمطلب نے اہل مدینہ سے کہا کہ پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت و مدد سے بعد میں کنارہ کش ہونے کا ارادہ ہے تو ابھی ہو جاؤ، پیامبرؐ اپنے قوم و قبیلہ میں محفوظ ہیں، اہل مدینہ نے عہد کیا کہ اپنے وعدہ سے سر مو پیچھے نہیں ہٹیں گے اور انھوں نے پیامبر اکرمؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ بھی وعدہ کریں کہ کامیابی کے بعد مدینہ چھوڑ کر مکہ نہیں جائیں گے پیامبر اکرمؐ نے یہ شرط منظور فرمائی۔(۱)

اس کے بعد آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ اپنے درمیان میں سے بارہ نقیبوں کا انتخاب کریں تاکہ آنحضرتؐ کے مدینہ ہجرت تک تمام امور کی باگ ڈور سنبھالیں انھوں نے نو نقیب قبیلہ خزرج اور تین قبیلہ اوس سے انتخاب کیے اس بیعت کو "بیعت الحرب" بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں آنحضرتؐ کی حفاظت وحمایت کی خاطر جنگ کرنے کا وعدہ کیا گیا تھا۔

قریش اور بیعت عقبہ ثانیہ:

رات کی تاریکی میں اہل یثرب کی نامحسوس نقل و حرکت اور صبح کو مدینہ واپس روانگی کی تیاری کی وجہ سے یا کسی اور ذریعہ سے قریش کو اہل یثرب کی بیعت کی اطلاع مل گئی، انھوں نے مدینہ کے چند آدمیوں

۱۔ سیرہ ابن ہشام ج ۲ ص ۶۱۔

Presented by: Rana Jabir Abbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کو پکڑ کر باز پرس کی مگر کچھ ہاتھ نہ آیا تو مدینہ واپس جانے والوں کو گرفتار کرنا چاہا تو سعد بن عبادہ کے علاوہ کوئی شخص ہاتھ نہ لگا اور سعد ابن عبادہ بھی مطعم بن عدی اور حارث بن سعد کی وساطت سے آزاد ہو گئے (۱) اور اس طرح مسلمانوں کا یہ قافلہ مدینہ روانہ ہو گیا۔

آغاز ہجرت:

بیعت عقبہ سے آگاہی کے بعد قریش کو یہ خوف دامن گیر ہوا کہ اگر مدینہ۔یثرب۔ اسلامی مرکز بن گیا تو مسلمان تجارتی راستہ پر قابض ہونے کے علاوہ اور بہت سی مشکلات کا باعث بنیں گے لہذا جیسے بھی ممکن ہو اسلام کا قلع قمع کیا جائے، یہی وجہ ہے کہ بیعت عقبہ کے بعد قریش نے مسلمانوں پر مزید سخت گیری شروع کر دی آئے دن مشکلات و مصائب کا نیا باب کھولتے اور مصیبتوں کے پہاڑ توڑتے، ظلم وستم جب حد سے تجاوز کر گیا تو مسلمان ہجرت کے لیے آمادہ ہو گئے، نظر انتخاب مدینہ پر جا ٹھری کیونکہ ابھی چند روز قبل ہی بیعت عقبہ انجام پائی تھی جس میں یثرب کے مسلمانوں نے آنحضرتؐ کو ہر قسم کے تعاون کا یقین دلایا تھا، اس کے علاوہ بیعت عقبہ سے ایک سال قبل ابوسلمہ بن عبدالاسد جب حبشہ سے واپس مکہ تشریف لائے اور مکہ کے حالات میں کوئی تبدیلی محسوس نہ کی تو یثرب ہجرت کر گئے۔(۲)

انہی اسباب وعوامل کے پیش نظر آنحضرتؐ نے مکہ کے مسلمانوں سے فرمایا: ان اللہ قد جعل لکم اخوانا و دارا تامنون بھا ۔۔۔۔"مدینہ چلے جاؤ وہاں اللہ نے تمہارے لیے بھائی اور ایسا گھر قرار دیا ہے جہاں امن وامان میں رہو گے (۳) پیامبر اکرمؐ کی جانب سے ہجرت کا حکم پا کر مسلمان آہستہ آہستہ ہجرت کرنے لگے، قریش کی جانب سے کھڑی کی جانے والی مشکلات کے پیش نظر مہاجرت کا سلسلہ

۱۔ سیرہ ہشام ج ۲ص ۶۸۔

۲۔ سیرہ ابن ہشام ج ۲ص ۳۶۸۔

۳۔ طبری ج ۲ص ۳۶۹۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

انتہائی خاموشی کے ساتھ جاری رہا چنانچہ عامر ابن ربیعہ اپنی زوجہ لیلیٰ بنت حشمہ کے ساتھ راہی مدینہ ہوئے، عبداللہ بن جحش اپنے بیٹوں اور نابینا بھائی کے ہمراہ مکہ چھوڑ گئے اور اسکے ساتھ ہی مسلمان چھوٹے چھوٹے گروہوں کی صورت مدینہ روانہ ہوتے رہے، قریش کو جب بھی کسی کی ہجرت کا علم ہوتا اسکی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرتے چنانچہ جب صہیب بن سنان رومی مہاجرت کے لیے نکلے تو قریش نے پکڑ لیا اور کہا کہ صہیب جب تم مکہ آئے تھے تو فقیر و بے نوا تھے یہاں آکر مال و دولت حاصل کی اور اب جب کہ مکہ چھوڑنا چاہتے ہو تو کیا یہ تمام اموال بھی ساتھ لے کر جاؤ گے؟ خدا قسم یہ ہرگز ممکن نہیں ہے یہ دیکھ کر حضرت صہیب نے کہا کہ اگر یہ تمام اموال میں تمہارے حوالے کردوں تو کیا مجھے جانے دو گے؟ مشرکین نے حامی بھرلی، حضرت صہیب تمام اموال ان کو دے کر مدینہ چلے گئے جب پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپؐ نے فرمایا کہ "صہیب نے نفع کمایا ہے۔(۱)

اڑھائی مہینے کی مختصر مدت میں پیامبر اکرمؐ، حضرت علیؑ، جناب ابوبکر اور چند مسلمانوں کے علاوہ سبھی مسلمان مدینہ ہجرت کر گئے، مکہ چھوڑ دینے کے باوجود بھی مشرکین، مسلمانوں کو آزار واذیت دینے سے بعض نہ آئے، چنانچہ جب عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تو ابوجہل اور اسکا بھائی حارث بن حشام مدینہ آئے اور کہا کہ تمہاری ماں بہت پریشان ہے اور اس نے قسم کھائی ہے کہ جب تک تمہیں نہ دیکھے گی اس وقت تک نہ بالوں میں کنگھی کرے گی اور نہ ہی سایہ میں بیٹھے گی، یہ سن کر ربیعہ ان کے ساتھ مکہ روانہ ہوئے ابھی راستہ ہی میں تھے کہ ابوجہل اور اسکے بھائی حارث نے انھیں قید کرلیا اور اسی طرح مکہ لائے اور لوگوں سے کہا کہ اپنے احمقوں کے ساتھ اس طرح پیش آؤ اسکے بعد گھر لا کر انھیں قید کردیا آنحضرتؐ نے کچھ عرصہ بعد ولید بن ولید کو بھیجا جنھوں نے عیاش بن ربیعہ کو آزاد کروایا اور مدینہ لے آئے(۲)

۱۔ تاریخ تحقیقی اسلام ج۲ص ۱۵۷

۲۔ سیرہ ابن ہشام ج ص ۴۷۶

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

قتل پیامبر اکرمؐ کی سازش:

مسلمانوں کی مدینہ ہجرت کے بعد قریش نے محسوس کیا کہ مدینہ مسلمانوں کا مرکز بن چکا ہے کیونکہ ایک طرف تو مدینہ کے لوگ مسلمان ہو رہے ہیں اور اسکے علاوہ مکہ کے تمام مسلمان بھی ان کے ساتھ جا ملے ہیں، دوسری طرف مدینہ میں ہمارا اثر و رسوخ پہلے ہی کم تھا اب تو بالکل ہی ختم ہو گیا ہے لہذا اب کسی اہم اقدام کی ضرورت ہے جس کے ذریعہ مسلمانوں کے ممکنہ خطرہ سے نمٹا جا سکے چنانچہ اس سلسلہ میں دارالندوہ میں مشرکین اکٹھے ہوئے اور گفتگو کا آغاز ہوا کہ ہم سرزمین حرم کے باسی تمام قبائل کے نزدیک قابل احترام تھے لیکن محمدؐ نے ہمارے درمیان اختلاف کا بیج بویا اور ہمارے سامنے ایک بڑی مصیبت کھڑی کر دی ہے(۱) اسکے بعد لوگوں نے تجاویز دینا شروع کیں، ابوالبختری بن ہشام نے کہا کہ محمدؐ کو کسی گھر میں قید کر دیتے ہیں یہاں تک فرشتہ موت انکی روح قبض کر لے(۲)

یہ تجویز بعض وجوہات کی بنا پر قبول نہیں کی گئی کیونکہ ایک تو بنی ہاشم راضی نہیں ہوں گے اور دوسرا مسلمان موقع ملتے ہی آنحضرتؐ کی رہائی کے لئے کوشش کریں گے اور تیسرا ممکن تھا مسلمان قریش کے قافلوں کو نشانہ بناتے اور رہائی کا مطالبہ کرتے، اسود بن ربیع نے کہا ایک سرکش اونٹ پر محمدؐ کو باندھ دیا جائے اور اونٹ کو نیزے مار مار کر زخمی کیا جائے تو اونٹ کسی دور دراز علاقے کی جانب فرار کرے گا اور محمدؐ کو پہاڑی دروں میں ابھری ہوئی چٹانوں کے ساتھ مار مار کر جاں بحق کر دے گا(۳)

یہ تجویز بھی ان خطرات کی وجہ سے رد کر دی گئی کہ ممکن ہے کہ اونٹ محمدؐ کو صحیح و سالم کہیں پہنچا دے اور وہ اپنی شریں بیانی کے ذریعے قبائل عرب کو اپنا ہم نوا بنا کر مکہ پر حملہ کر دے، ابوجہل نے کہا کہ ہم سب مل

۱۔ تاریخ تحلیلی و سیاسی اسلام ص ۱۶۹

۲۔ سیرہ حلبیہ ج ۲ ص ۲۵۔۲۶ و تفسیر قمی ج ۱ ص ۲۷۳۔۲۷۵

۳۔ امالی شیخ طوسی ص ۲۶۳ حدیث ۳۵

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کرایک آدمی کا انتخاب کریں جو خاموشی کے ساتھ محمد کو قتل کردے اگر بنی ہاشم خون بہا کر مطالبہ کریں تو دس برابر خون بہا دیکر انھیں خاموش کردیا جائے (۱)

یہ تجویز بھی قبول نہیں کی گئی کیونکہ بنی ہاشم کسی بھی صورت میں حضرت محمدؐ کے قاتل کو زندہ نہ چھوڑتے، سب سے آخر میں یہ طے پایا قریش کے ہر قبیلہ وطائفہ سے ایک ایک شخص کا انتخاب کیا جائے اور یہ تمام افراد حضرت محمدؐ ایک ایک ضرب لگائیں اس طرح بنی ہاشم سب سے مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں کریں گے اور خون بہا پر راضی ہوجائیں گے (۲) مشرکین کی جانب سے اس ناپاک منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے صفر کی آخری یا ربیع الاول کی پہلی رات کا انتخاب کیا گیا۔

شب ہجرت:

قرآن کریم مشرکین کے اس سیاہ منصوبے کی جانب اشارہ کررہا ہے ﴿و اذ یمکر بک الذین کفر والیثبتوک اور یقتلوک الو یخرجوک و یمکرون و یمکر اللہ واللہ خیر الماکرین﴾ (۳) "اور وہ وقت کہ جب کافر تمھارے بارے تدبیریں کررہے تھے کہ تمھیں قید کردیں یا قتل کردیں یا پھر دربدر کردیں تو خدا بھی ان کے ساتھ مکر کررہا تھا اور خدا بہترین مکر کرنے والا ہے"

خداوند متعال نے حضرت جبرائیل کے ذریعہ پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قریش کے منصوبہ سے آگاہ فرمایا اور ہجرت کا حکم دیا شیخ طوسی نقل کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو بلایا اور کہا اے علی علیہ السلام جبرائیل نے مجھے خبر دی ہے کہ قریش نے میرے قتل کا منصوبہ بنایا ہے اور مجھے حکم ملا ہے کہ یہاں سے ہجرت کروں اور مجھے کہا گیا ہے کہ تمھیں اپنی جگہ پر سلاؤں تا کہ مشرکین سمجھیں میں اپنی جگہ موجود ہوں،

۱۔ تفسیر قمی ج ۱ ص ۲۷۳، ۲۷۵۔

۲۔ سیرہ ابن ھاشم ج ۲ ص ۴۸۲، انساب الاشراف ج ۲ ص ۲۶۰"۔

۳۔ انفال ۳۰۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حضرت علیؑ نے کہا اگر میں آپ کی جگہ سو جاؤں تو کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان بچ جائے گی؟ رسول اللہؐ نے اثبات میں جواب دیا تو حضرت علی علیہ السلام نے خوش ہو کر سجدہ شکر انجام دیا، یہ سب سے پہلا سجدہ شکر تھا اور رسول اللہؐ کے بعد پہلی شخصیت تھی جس نے بطور شکر اپنے رخسار خاک پر رکھے تھے۔۔۔(۱)

اسکے بعد حضرت علیؑ پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سبز چادر اوڑھ کر آنحضرتؐ کے بستر پر لیٹ گئے، مفسرین کا کہنا ہے کہ آیت "﴿ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات الله﴾(۲) امیر المومنین علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی۔(۳)

طے شدہ منصوبے کے مطابق مشرکین کے منتخب افراد نے پیامبر اکرمؐ کے گھر کا محاصرہ کر لیا، گھر کے اندر سے آنے والی کسی خاتون کی آواز سن کر کسی نے کہا کہ ہم گھر کے اندر داخل ہو کر حملہ نہیں کریں گے کیونکہ ایسا نہ ہو کہ کل کو عرب طعنہ دیں، لہذا گھر کے باہر انتظار کرینگے۔(۴)

دوسری طرف رسول خدا حضرت علیؑ کو اپنے بستر پر سلا کر کے باہر تشریف لائے اور سورہ یاسین آیت ﴿وجعلنا من بین ایدیهم سدا ومن خلفهم سدا فاغشینهم فهم لا یبصرون﴾ "اور ہم نے ایک دیوار ان کے سامنے اور ایک دیوار ان کے پیچھے بنا دی اور پھر انہیں ڈھانک دیا ہے کہ وہ کچھ دیکھنے کے قابل نہیں رہ گئے ہیں" کی تلاوت فرماتے ہوئے مشرکین کے درمیان سے گزر گئے اور انہیں احساس تک نہ ہوا، طلوع فجر کے وقت جب مشرکین نے اپنے منصوبہ کو پایہ تکمیل تک پہچانا چاہا تو دیکھا کہ پیامبر اکرمؐ کی جگہ حضرت علی علیہ السلام موجود ہیں، یہ صورت حال دیکھ کر قریش نے ابو کرز نامی شخص کی خدمات حاصل

۱۔ امالی شیخ طوسی ص ۴۶۳، ۴۶۵۔

۲۔ بقرہ آیت ۲۰۷۔

۳۔ البیان ج ۲ ص ۱۸۲، مجمع البیان ج ۲ ص ۳۰۱ تفصیل کے لیے رجوع کریں الغدیر ج ۲ ص ۴۸۔

۴۔ السیرۃ الحلبیہ ج ۲ ص ۲۸، سبل الھدی ج ۳ ص ۳۳۰۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کیس جو نشان قدم پہچاننے میں ماہر تھا(۱) اور نشان قدم ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار ثور تک پہنچ گئے مگر غار کے دہانہ پر موجود مکڑی کے جالے اور جنگلی کبوتروں کے جوڑے کو دیکھ کر واپس آ گئے، امیہ بن خلف نے تو مکڑی کا جالا دیکھ کر یہ تک کہہ دیا کہ یہ جالا تو محمد کی پیدائش سے بھی پہلے کا ہے(۲) نشان قدم کے ذریعہ تلاش کا سلسلہ اختتام کو پہنچا اور قریش نے پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تلاش کرنے کا انعام سو اونٹ معین کیا کہ جو کوئی بھی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمارے حوالے کرے گا اسے سو اونٹ بطور انعام دیئے جائیں گے(۳)

مدینہ روانگی:

پیامبر اکرمؐ ربیع الاول کی پہلی شب میں رات کے پہلے پہر خاموشی کے ساتھ گھر سے نکلے اور مکہ کے جنوب میں واقع غار ثور میں تشریف لے گئے بعض روایات میں آیا ہے کہ راستہ میں جناب ابو بکر کو دیکھ آنحضرتؐ نے انہیں بھی اپنے ہمراہ لے لیا اور بعض میں مذکور ہے کہ جناب ابو بکر حضرت علیؑ کے پاس آئے اور آپؑ نے راہنمائی کی کہ پیامبر اکرمؐ غار ثور میں تشریف لے گئے ہیں تو جناب ابو بکر بھی وہاں چلے گئے دوسرے دستہ کی روایات میں ہے کہ جناب ابو بکر نے حضرت علیؑ سے ملاقات کی اور پھر پیغمبر اکرمؐ سے جا ملے صحیح نہیں ہو سکتیں کیونکہ مشرکین نے سر شام ہی آنحضرتؐ کے گھر کا گھیراؤ کر لیا تھا پس یہ کیسے ممکن ہے کہ جناب ابو بکر آنحضرتؐ کے گھر جائیں اور مشرکین ان سے کسی قسم کی پوچھ گچھ نہ کریں یا کیسے ممکن ہے کہ مشرکین نے پوچھ گچھ کی ہو مگر مورخین نے ذکر نہ کیا ہو؟ یہاں ایک اور نکتہ کی جانب اشارہ کرتے چلیں کہ خلیفہ اول سے وابستہ افراد نے فضیلت سازی کی غرض سے بہت سی احادیث گھڑی ہیں جن کے بارے میں گفتگو کرنے کے بجائے صرف اس بات کی جانب اشارہ کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں کہ وہ احادیث سند اور

۱۔ تفسیر قمی جلد ۱ ص ۲۷۳۔

۲۔ سیرہ ابن ہشام ج ۲ ص ۴۸۶۔

۳۔ انساب الاشراف ج ۱ ص ۲۶۳۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

متن کی مشکلات کے علاوہ عقل کے بھی خلاف ہیں مثلاً کہا جاتا ہے کہ جناب ابوبکر کا غلام پیامبر اکرمؐ کے پیچھے بکریوں کا ریوڑ لے کر چلا تا کہ نشان قدم باقی نہ رہیں اگر یہ روایت ٹھیک ہے تو پھر مشرکین غار ثور کے دہانے تک کیسے پہنچ گئے؟ یا یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ جناب ابوبکر کا پورا خاندان آنحضرت کی ہجرت سے آگاہ تھا جب کہ یہ کام پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکمت عملی کے خلاف تھا اسی طرح ایک روایت یہ بھی ہے کہ مکہ کی فضا میں ایک جن اشعار پڑھتا پھر رہا تھا، جس میں پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جناب ابو بکر کی مدح سرائی کرنے کے علاوہ پیامبر اکرمؐ کے چھپنے کی جگہ کا ذکر بھی کر رہا تھا!(۱)

خلاصہ کلام پیامبر اکرمؐ جناب ابوبکر کے ہمراہ غار ثور میں تشریف لے آئے اور جب مشرکین نشان قدم ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار کے دہانے پر آ پہنچے تو خوف کی شدت سے خلیفہ اول رونے لگے جسکے بعد یہ آیت نازل ہوئی ﴿اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾(۲)

"اگر تم اپنے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد نہ کرو گے تو ان کی مدد خدا نے کی ہے اور اس وقت جب کفار نے انھیں وطن سے نکال دیا اور وہ ایک شخص کے ساتھ نکلے اور دونوں غار میں تھے تو وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ رنج نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے، پھر خدا نے اپنی طرف سے اپنے پیغمبرؐ پر سکون نازل کر دیا اور ان کی تائید (۳) ان لشکروں سے کر دی جنھیں تم نہ دیکھ پائے اور اللہ ہی نے کفار کے کلمہ کو پست بنا دیا ہے اللہ کا کلمہ درحقیقت بہت بلند ہے کہ وہ صاحب عزت وغلبہ اور صاحب حکمت بھی ہے۔

۱۔ طبقات الکبری ج ۱ ص ۲۳۰۔۲۳۱۔

۲۔ توبہ۔ ۴۰، نیز اس کی تفصیل علامہ طباطبائی کی تفسیر المیزان میں ملاحظہ فرمائیں۔

۳۔ قارئین اس بحث کے تفصیلی مطالعہ کے لیے "الصحیح" "سیرہ پیامبر اعظم، سید جعفر مرتضی عاملی کی ج ۲ کا مطالعہ فرمائیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس کے بعد آنحضرتؐ تین دن تک غار ثور میں مقیم رہے تاکہ قریش تلاش کا سلسلہ ختم کر دیں تو راہی یثرب ہوں، اگلے دن حضرت علیؑ غار ثور پہنچے اور آنحضرتؐ کی ہجرت کا سامان فراہم کیا اور اس سلسلہ میں خود امیرالمومنینؑ خلیفہ ثانی کی جانب سے بنائی جانے والی شوریٰ کے اجلاس میں ارشاد فرماتے ہیں " آیا میرے علاوہ کوئی اور شخص تھا جو غار ثور میں پیامبر اکرمؐ کو غذا پہنچاتا اور مکہ کے حالات سے باخبر کرتا تھا؟(۱) ایک روایت کے مطابق آنحضرتؐ نے عبداللہ بن اریقط کہ جسے بطور راہنما اپنے ساتھ لیا تھا حضرت علیؑ کے پاس بھیجا کہ اونٹ اور باقی سامان لیکر آؤ تو جناب ابوبکر نے کہا کہ میری بیٹی اسماء کے پاس بھی جانا اور اس سے زاد سفر اور دو اونٹ لیتے آنا، بعد میں حضرت علیؑ، ابوبکر کے غلام عامر بن فہیرہ اور عبداللہ بن اریقط کے ہمراہ زاد سفر اور اونٹ لیکر غار ثور تشریف لائے۔(۲)

جب تمام چیزیں مہیا ہو گئیں تو آنحضرتؐ راہی یثرب ہوئے اور جب منزل قدید پر پہنچے تو بھوک اور پیاس نے ٹھہرنے پر مجبور کیا، منزل قدید پر خیمہ زن ام معبد غربت اور تہی دستی کی وجہ سے مہمانوں کی پذیرائی نہ کر پائی پیامبر اکرمؐ نے وہاں موجود ایک لاغر و ناتواں گوسفند کے بارے میں سوال کیا ام معبد نے کہا کہ یہ اتنی کمزور ہے کہ گلہ کے ساتھ نہیں چل پاتی لہذا یہیں پڑی رہتی ہے، آنحضرتؐ نے ام معبد کی اجازت سے اس گوسفند کا دودھ دوہا اور تمام حاضرین نے سیر ہو کر نوش کیا۔(۳)

پیامبر اکرمؐ مدینہ کا سفر رات کی تاریکی میں طے کرتے اور دن کے وقت آرام فرماتے کیونکہ مشرکین کی جانب سے ایک سو اونٹوں کے انعام نے بہت سوں کو آنحضرتؐ کے تعاقب پر مجبور کر دیا تھا، چنانچہ سراقہ بن مالک نے ایک منزل پر آنحضرتؐ کو دیکھا تو سب سے پہلے دوسروں کو اس راہ سے بھٹکایا

۱۔ احتجاج طبرسی ص ۲۰۲۔

۲۔ تاریخ تحلیلی و سیاسی اسلام ص ۱۸۵۔

۳۔ الطبقات الکبری ج ۱ ص ۲۳۰۔ دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۴۹۱۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تا کہ کوئی دوسرا انعام میں شریک نہ ہو سکے اور پھر مسلح ہو کر آنحضرتؐ کے تعاقب میں روانہ ہوا اور جب پیامبر اکرمؐ سے آمنا سامنا ہوا سراقہ نے حملہ کرنا چاہا تو اس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے، یہ منظر دیکھ کر سراقہ نے اپنا ارادہ بدل لیا اور پیامبر اکرمؐ کی خدمت میں عرض کی میری سواری اور غلام آپؐ کے اختیار میں ہے۔ آپؐ جو کہیں میں انجام دینے کو تیار ہوں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: مجھے تمھاری سواری اور غلام کی کوئی ضرورت نہیں بس تم دوسروں کو ہمارا تعاقب سے روکتے رہو۔(۱)

☆☆☆

jabir.abbas@yahoo.com

۱۔ فروغ ابدیت ج ۱ ص ۴۳۵

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کتابنامہ

۱۔ قرآن کریم، ترجمہ نیشان حیدر جوادی، چاپ اول،ناشر انصاریان پبلیکیشنز قم ۲۰۰۵ء۔

۲۔ ابوالحسن محمدرضی، نہج البلاغہ،تعلیق صبحی صالحی، چاپ اول، ناشردار الاسوہ للطباعۃ والنشر ۱۴۱۵ھ۔

۳۔ آلوسی،محمود، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ناشردارالاحیاء التراث العربی بیروت۔

۴۔ ابن اثیر،عزالدین ابی الحسن واحد شیبانی،الکامل فی التاریخ، چاپ دوم،ناشر دارالاحیاء الکتاب العربی ۱۹۹۹ء۔

۵۔ ابن اسحاق،محمدبن اسحاق، سیرۃ النبی، چاپ اول،ناشر دار الفکر بیروت ۱۹۷۸ء۔

۶۔ ابن اثیر،عزالدین ابی الحسن واحد شیبانی،اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، تحقیق عادل احمدالرفاعی،چاپ اول، ناشردارالاحیاء التراث

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

العربی بیروت ۱۹۹۲ء ۔

۷۔ ابن سعد ، محمد الکاتب ،الطبقات الکبری،ناشر داربیروت ، ۱۹۸۵م ۱۴۰۵ھ ۔

۸۔ابن کثیر ،ابی الفدا اسما عیل بن کثیر ،السیرۃ النبویۃ، تحقیق مصطفی عبدالواحد ، ناشر دارالاحیاء التراث العربی بیروت۔

۹۔ابن منظور،محمد بن مکرم ،لسان العرب ،تعلیق علی شیری، چاپ اول، ناشردارالاحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۸ھ، ۱۹۸۸ء ۔

۱۰۔ابن ہشام، محمد،السیرۃالنبویۃ، تحقیق مصطفی ابراھی نباری،ناشر دارالاحیاء التراث العربی بیروت ۔

۱۱۔ابو ریّہ، محمود ،اضواء علی السنۃ المحمدیۃ اَوْ دفاع عن الحدیث، چاپ پنجم ، ناشر: مدرسہ الاعلمی للمطبوعات بیروت ۔

۱۲۔ ابو زھرہ، خا تم پیا مبران، مترجم :حسین صا بری ،چاپ اول ، ناشر پژوھشھای اسلامی آستا ن قدس رضوی مشھد ایران، ۱۳۷۳ش ۔

۱۳۔ ابو الفرج الاصفھا نی، علی ابن الحسین، مقا تل الطالبین، چاپ دوم ،ناشرمو سسہ دارالکتاب للطباعۃ والنشر قم ایران ۱۳۷۵ش ۔

۱۴۔ ابوا لفرج اصفھا نی ،علی ابن الحسین ،الاغا نی ،دارالاحیاء التراث العربی بیروت ۔

۱۵۔ ابن سیدالناس ،ابی ا لفتح یعمری،محمدبن محمدبن محمد، السیرۃ النبویۃ عیو ن الاثر فی فنو ن المغا زی والشمایل والسیر،تحقیق محمد العید الخضر اوی ، چاپ اول ، ناشرمکتبہ دارالتراث، مدینہ منورہ ،

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۱۶۔اربلی، ابی الحسن علی ابن عیسٰی بن ابی الفتح ،کشف الغمه فی معرفة الآئمة ، ناشر دار الکتا ب الاسلامی بیروت ۱۹۸۱ء۔

۱۷۔الامین ،محسن ،اعیان الشیعه ،تحقیق حسن الامین ، ناشر دار التعارف للمطبوعات بیروت ۱۹۸۳ء۔

۱۸۔ امینی، عبدالحسین، الغدیر فی الکتاب السنة والادب ، چاپ چهارم، ناشر مکتبه حیدری تهران ۱۹۸۲ء۔

۱۹۔اندلسی، ابن حزم ، جوامع السیرة النبویة، ناشر دارالکتب العلمیه بیروت

۲۰۔ بحرانی،ها شم بن سلیمان ، البرها ن فی تفسیر القران، چاپ دوم، ناشر :چاپ خا نه آفتاب تهران ۔

۲۱۔بخا ری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری بشرح الکرمانی ، چاپ دوم،ناشر دار الاحیاء التراث العربی بیروت ۱۹۸۱ء۔

۲۲۔بلاذری ،احمد بن یحیی بن جا بر،کتاب الجمل من انساب الاشراف، تحقیق سهیل زکار ، چاپ اول، ناشر دار الفکر بیروت ۱۹۹۶ء، ۱۴۱۸ھ ۔

۲۳۔بها ئی، شیخ بها ء الدین محمد عاملی ،مفتا ح الفلاح ، ترجمه علی بن طیفور، چاپ اول، ناشر انتشارات الحکمت ۱۳۶۶ش ۔

۲۴۔بیهقی ، ابی بکر احمد بن حسین ،دلائل النبو ة و معر فة احوال صاحب الشریعة ،حا شیه وتحقیق ،عبدالمعطی قلعجی ، چاپ اول، ناشر دار الکتاب العلمیه بیروت ۱۹۸۵ء، ۱۴۰۵ ھ ۔

۲۵ جعفریا ن،رسول ،تا ریخ سیا سی اسلا م سیرة رسول خداصلی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اللّٰہعلیه وآله وسلم،چاپ اول، ناشر سازمان چاپ و انتشارات ۱۳۷۳ش .

۲۶۔جوادی عاملی ،عبد اللّٰہ، تفسیر موضوعی قران کریم ،چاپ اول، ناشر مرکز نشر فرھنگی رجاء با ھمکاری موسسہ فرھنگی اسراء ۱۳۷۴ش .

۲۷۔حسنی،ھاشم سیرۃ المصطفیٰ نظرۃ جدیدۃ،دارالتعارف للمطبوعات بیروت ۱۹۹۲ء.

۲۸۔حلبی ،علی بن برھان الدین ،السیرۃ الحلبیه ، ناشر دار المعرفة بیروت بی تا .

۲۹۔حویزی ،شیخ عبد العلی بن جمعة العروسی ،کتاب تفسیر نور الثقلین ،تعلیق ھاشم رسولی محلاتی ،چاپ افست ،مکتبه علمیه قم بی تا.

۳۰۔خراسانی ،محمد ھاشم ،منتخب التواریخ ،کتاب فروشی محمد حسن اعلمی تھران ،

۳۱۔الخطیب قسطلانی ،احمد بن ابی بکر ، المواھب اللدنية ،ناشر دار الکتاب العلمیه بیروت بی تا.

۳۲۔خونی ،حبیب اللّٰہ ھاشمی، منھاج البراعة فی شرح نهج البلاغة، مترجم محمد علی فاضل،ناشر صادق آل محمد پبلی کیشنز راجن پور فروری ۲۰۰۲ء.

۳۳۔دیار بکری شیخ محمد بن حسن ،تاریخ الخمیس فی احوال انفس النفیس، ناشر دار الصادر و موسسه شعبان بیروت .

۳۴۔دوانی،علی،تاریخ اسلام از آغاز تاھجرت ، ناشر دفتر تبلیغات

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اسلامی حوزہ علمیہ قم بی تا.
۳۵۔ الرازی ،ابی بشر محمد بن احمد حماد الانصاری الدولابی ، الذریۃ الطاھرۃ ،تحقیق محمد جواد الحسینی جلالی، ناشر موسسہ نشر الاسلامی قم ۱۴۰۷ھ.
۳۶۔ الراوندی ،قطب الدین الخرائج والجرائح ، چاپ اول، ناشر موسسہ الامام المھدی قم ۱۴۰۹ھ.
۳۷۔ ری شھری ،محمدی ،میزان الحکمۃ ، چاپ اول ،ناشر مکتبہ الاعلام الاسلامی قم ۱۴۰۴ ھ ،۱۳۶۲ش
۳۸۔ زبیدی ،محمد مرتضیٰ واسطی زبیدی حنفی ،تاج العروس من جواھر القاموس ،تحقیق علی شیری ،ناشر دارالفکر بیروت ۱۹۹۴ء ،۱۴۱۴ھ.
۳۹۔ زرگری نژاد، غلام حسین ،تاریخ صدر اسلام عصر نبوت ،چاپ اول، ناشر سازمان مطالعہ و تدوین کتب علوم انسانی دانشگاھھا تھران ۱۳۷۸ش.
۴۰۔ سبحانی تبریزی، جعفر، بحوث فی الملل والنحل ،چاپ اول ،ناشر موسسہ الامام الصادقؑ قم ،۱۴۱۲ھ.
۴۱۔ سبحانی تبریزی، جعفر ،فروغ ابدیت ،چاپ ھشتم ، ناشر مرکز انتشارات دفتر تبلیغات اسلامی حوزہ علمیہ قم ۱۳۷۲ش.
۴۲۔ سھیلی ،ابی القاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ ابی الحسن الخثعمی، الروض الانف فی تفسیر سیرۃ النبویۃ لابن ھشام ،تعلیق عبدالرؤف سعد ،چاپ جدید موسسہ مختار مکتبہ الکلیات الأزھریۃ.

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۴۳۔ سیو طی،جلال الدین عبد الرحمٰن ابی بکر ،خصا ئص الکبری ،چاپ اول،ناشر دارالکتاب العلمیہ بیروت ۱۹۷۵ء ۔

۴۴۔ سیو طی، جلال الدین عبد الرحمٰن ابی بکر،الدر المنثورفی تفسیر المأثور، چاپ اول،ناشر دارالفکر بیروت ۱۹۸۳ء،۱۴۰۳ھ ۔

۴۵۔شہر آشوب ،ابی جعفرمحمد بن علی ،منا قب علی ابی طالب ،تحقیق یو سف البقاعی، چاپ دوم،ناشر دار الا ضواء بیرو ت ۱۹۹۱ء ۔

۴۶۔صالحی،الامام محمد بن یو سف صالحی شامی ،سبل الھدی والرشاد فی سیرۃخیر العباد، تحقیق مصطفی عبدالواحد،ناشر لجنۃ الاحیا لتراث الاسلامی جمھو ریہ مصر، المجلس الاعلی للشؤن الاسلامیہ قاھرہ ۱۹۷۲ء۔۱۳۹۲ھ ۔

۴۷۔صدوق،ابی جعفر محمدبن علی بن بابو یہ قمی ، من لایحضرہ الفقیہ، تحقیق علی اکبرغفاری، چاپ دوم،ناشرموسسہ النشر الاسلامی حوزہ علمیہ قم ۱۴۰۴ھ ق۔ ۱۳۶۳

۴۸۔صدوق،ابی جعفر محمدبن علی بن بابو یہ قمی، کمال الدین وتمام النعمۃ ،تحقیق علی اکبر غفاری ،مو سسہ النشر اسلامی قم ۱۳۶۳ش

۴۹۔صدوق،ابی جعفر محمدابن علی ابن بابو یہ قمی ،علل الشرائع ،منشورات مکتبۃ الحیدریۃ نجف اشرف عراق ۱۹۶۶ء ،افست منشورات مکتبہ الراواندی قم ۔

۵۰۔صدوق،ابی جعفر محمدبن علی بن بابو یہ قمی ،عیون اخبا ر الرضاؑ، چاپ دوم،نا شر رضا مشھدی کتاب فروشی قم

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۵۱۔صدوق،ابی جعفر محمدبن علی بن بابویہ قمی ،معانی الاخبار، تصحیح علی اکبر غفاری ،ناشر:انتشارات اسلامی وابستہ جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ قم ۱۳۶۱ش

۵۲۔طبا طبائی، محمد حسین،بدایۃ الحکمۃ،مرکز انتشارات اسلامی حوزہ علمیہ قم.

۵۳۔طبا طبائی، محمد حسین،ترجمہ تفسیر المیزان مترجم نا صر مکارم الشیرازی و محمد علی گرا می ،چاپ دوم مرکز نشرفرہنگی رجاء با ہمکاری موسسہ امیر کبیرتہران ۱۳۶۴ش.

۵۴۔طبا طبائی، محمد حسین،سنن النبیؐ ،ملحقا ت محمد ہادی فقیہی ، چاپ دوم، ناشر موسسہ النشر الاسلامی قم ۱۴۲۲ھ.

۵۵۔طبا طبائی، محمد حسین،نہا یۃ الحکمۃ، تعلیق غلام رضا ، چاپ اول، ناشر انتشرات مو سسہ آموزش فرہنگی پژوہشی امام خمینی قم ۱۳۸۰ش

۵۶۔طبرسی،فضل بن حسن،اعلام الوری با علام الہدی،چاپ اول،ناشر موسسہ آل البیت علیہم السلام ،لاحیاء التراث قم ۱۴۱۷ھ.

۵۷۔طبرسی،فضل بن حسن،مجمع البیا ن فی تفسیر القران،چاپ اول، ناشر موسسہ الاعلمی للمطبو عات بیروت ۱۹۹۵ء.

۵۸۔طبری۔ محمدابن جریر ،تاریخ الامم والملوک ،تحقیق ابو الفضل ابراہیم، ناشر روائع التراث بیروت بی تا .

۵۹۔طبری، محمد ابن جریر،تفسیر طبری المسمی جامع البیان فی تاویل

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

القران، چاپ سوم، ناشر دار الکتب العلمیه بیروت ۱۹۹۹ء.

۲۰۔عاملی، جعفر مرتضیٰ، الصحیح من سیرة النبی الاعظم، چاپ چهارم، ناشر دار الهادی دار السیرة بیروت ۱۹۹۵ء.

۲۱۔ عرجون، محمد صادق ابراهیم، محمد رسول اللّٰه منهج الرسالة، چاپ دوم، ناشر دار الشامیة بیروت ۱۹۹۵ء.

۲۲۔عسقلانی، حافظ محمد بن حجر، الاصابة فی معرفة الصحابة، حاشیه الاستیعاب فی معرفة الاصحاب، ابن تغری قرطبی، چاپ اول، ناشر دار الاحیاء التراث العربی بیروت ۱۳۲۸ء.

۲۳۔عیاشی، محمد بن مسعود سمرقندی، تفسیر العیاشی موسسة العالی للمطبوعات بیروت ۱۹۹۱ء، ۱۴۱۱ھ.

۲۴۔غروی محمد هادی یوسفی، تاریخ تحقیقی اسلام، موسوعة التاریخ الاسلامی مترجم حسین علی عربی، چاپ اول، ناشر مرکز انتشارات موسسه امام خمینیؒ قم ۱۳۸۲ ش

۲۵۔رازی، محمد بن عمر بن علی الطبر استانی فخر الدین، مفاتیح الغیب التفسیر الکبیر، چاپ اول، ناشر دار الاحیاء التراث العربی بیروت ۱۹۹۵م ۱۴۱۵ق ھ.

۲۶۔فیض کاشانی، محمد محسن، تفسیر صافی، چاپ دوم، ناشر دار المرتضی مشهد ایران ۱۹۸۲ء، ۱۴۰۲ھ.

۲۷۔فیض کاشانی، محمد محسن، علم الیقین فی معرفة اصول الدین، ناشر انتشارات بیدار قم ۱۳۵۸ ش.

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۶۸۔قزوینی، محمد کاظم، موسسه الامام الصادقؑ، چاپ اول، ناشر ابناء المرحوم المولف، توزیع مکتبه بصیرتی قم ۱۴۱۸ ھ۔

۶۹۔قمی شیخ محمدعباس، منتہی الآمال، چاپ پنجم، ناشر موسسه النشر الاسلامی قم ۱۴۲۲ھ۔

۷۰۔کتاب المقدس عہد جدید عتیق، دارالسلطنۃ لندن ۱۹۳۲ء۔

۷۱۔کلینی، محمد ابن یعقوب، اصول کافی، شرح و ترجمه محمد با قر کمره ای، چاپ اول، ناشر انتشارات اسوه تہران ۱۳۷۰ ش۔

۷۲۔کلینی، محمد ابن یعقوب، فروع کافی، تعلیق علی اکبر غفاری، چاپ سوم، ناشر دار الاضواء بیروت ۱۴۰۵ ھ۔

۷۳۔گروه علمی، محمد خاتم پیامبران، ناشرانتشرات حسینیه ارشاد تہران بی تا۔

۷۴۔مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، چاپ سوم، ناشر دار الاحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۲ھ، ۱۹۸۳ء۔

۷۵۔مجلسی، محمد با قر، حیات القلوب، ناشرسا زمان چاپ و انتشارات جاویدان۔

۷۶۔مسلم، ابی الحسن مسلم بن حجاج، صحیح المسلم، محمد الفواد الباقی، چاپ دوم، ناشر دارالفکر بیروت ۱۹۷۸ء۔

۷۷۔معتزلی، ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغة، تحقیق محمد ابو الفضل ابراهیم، چاپ دوم، ناشر دارالاحیاء التراث العربی بیروت ۱۹۶۸ء۔

۷۸۔مکارم الشیرازی، ناصر، تفسیر نمونه، چاپ هفتم، ناشر دارالکتاب

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

الاسلامیه تہران ۱۳۲۹ش
۷۹۔نویری ، شہاب الدین احمد، نہایۃ الارب،مترجم محمود محمدی، چاپ اول،ناشر موسسه انتشارات امیرکبیرتہران ۱۳۶۴ش
۸۰۔ہاکس ،جمیز ،قاموس کتاب مقدس، چاپ دوم، ناشر کتاب خانه ظہوری تہران ۱۳۴۹ش۔
۸۱۔ هندی، علاء الدین متقی بن حسام الدین، کنز العمال فی سنین الاقوال و الا افعال، ناشرموسسه الرسالة بیروت ۱۹۸۹ء۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas